تعلیمی نصاب

2016

لجنہ اماءاللہ ناروے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

مجلس ادارت

سر پرستِ اعلیٰ	مکرم زرتشت منیر احمد خان صاحب (امیر جماعت احمدیہ ناروے)
زیر نگرانی	مکرمہ بشریٰ خالد صاحبہ (صدر لجنہ اماء اللہ ناروے)
فائنل چیکنگ:	مکرم و محترم کمال یوسف صاحب، مکرم و محترم شاہد محمود کاہلوں صاحب مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ ناروے
اِنچارج	محترمہ سعیدہ فرحت رانا صاحبہ
کتابت و معاونت	محترمہ سعیدہ فرحت رانا صاحبہ، محترمہ مدیحہ محمود صاحبہ، محترمہ شازیہ نعیم صاحبہ، محترمہ شمائلہ ظہیر صاحبہ، محترمہ صدیقہ وسیم صاحبہ، محترمہ فہمیدہ مسعود صاحبہ
پروف ریڈنگ	محترمہ لبنیٰ غزالہ صاحبہ، محترمہ شازیہ منیر صاحبہ، محترمہ طیبہ رضوان صاحبہ
سرورق ڈیزائنگ	محترمہ مدیحہ محمود صاحبہ
مدیرہ حصہ نارویجن	محترمہ اسماء جاوید صاحبہ
تقسیم واشاعت	محترمہ منصورہ نصیر صاحبہ
شائع کردہ	شعبہ تعلیم لجنہ اماء اللہ ناروے

Søren bullsvei 1

1051 Oslo

Tlf: 22 44 71 88

Fax: 22 43 78 17

فہرست مضامین

پیش لفظ	4
حضرت آدم علیہ السلام	5
حضرت ابراہیم علیہ السلام	14
حضرت لوط علیہ السلام	28
حضرت اسماعیل علیہ السلام	35
حضرت اسحاق علیہ السلام	41
حضرت یعقوب علیہ السلام	43
حضرت شعیب علیہ السلام	47
حضرت موسیٰ علیہ السلام	51
حضرت ہارون علیہ السلام	69
حضرت داؤد علیہ السلام	74
حضرت سلیمان علیہ السلام	80
حضرت یونس علیہ السلام	88
حضرت زکریا علیہ السلام	90
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	92
حضرت لقمان علیہ السلام	103

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیم وَ عَلٰی عَبدِہِ المَسِیحِ المَوعُود

پیش لفظ

خدا تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے لجنہ اماء اللہ ناروے کو شعبہ تعلیم کے تحت گذشتہ تین سال سے علمی ریلی منعقد کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔اس سلسلہ میں ممبرات نصاب میں دی گئی کتب کا مطالعہ کرتی ہیں اور علمی ریلی کے موقع پر متعلقہ کتاب میں سے کچھ موضوعات کو پاور پوائنٹ کے ذریعے بیان کرنے اور باقی حصہ کتاب سے سوالات پوچھے جانے کا مقابلہ رکھا جاتا ہے۔متعلقہ کتب کی عدم فراہمی ایک بڑا مسئلہ رہی۔ابتداء میں اس مسئلے کو کتابوں کی نقول کروا کے تقسیم کرنے کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی گئی۔مگر اس پر بہت سا وقت اور لاگت خرچ ہوئی۔

کتب تفسیر کبیر کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ ایک بہت قلیل تعداد میں کتب گھروں یا لائبریری میں موجود ہیں۔جو ہماری ضرورت کیلئے بہت ناکافی ہیں۔کتابوں کو بیرون ملک سے منگوانا اور بروقت ممبرات تک پہنچانا بھی ایک دقت طلب مسئلہ تھا۔

سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز 2011 میں ناروے تشریف لائے تو لجنہ اماء اللہ ناروے کی عاملہ کی میٹنگ کے دوران شعبہ تعلیم کو جہاں مختلف ہدایات فرمائیں جس پر بفضلِ خدا عمل کی توفیق پائی اُدھر حضورِ انور نے یہ بھی فرمایا کہ مختلف عناوین پر کتابوں سے حوالے دیکھ کر اپنا سلیبس بنائیں۔تھوڑی محنت کرنی پڑے گی لیکن آپ کو جو آج کل کے ایشوز ہیں ان پر مواد مل جائے گا۔قرآن کریم، حدیث اور حضرت مسیح موعودؑ کے حوالے سے نصاب بنائیں۔ (الفضل پاکستان 04.11.2011)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اُس کا تقویٰ اختیار کرے تو یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ (سورۃ النور آیت 53)

حضورِ انور کی ہدایت کے پیشِ نظر اور قرآن کے اس حکم کے ماتحت خُدا تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ شعبہ تعلیم لجنہ اماء اللہ ناروے کو اس سال انبیاء علیہ السلام کے موضوع پر کتاب مرتب کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔اللہ اس کوشش میں برکت عطا کرے اور آگے مزید کتب لکھنے کی بھی توفیق عطا کرے۔**فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک**۔

اس کتاب کو مرتب کرنے کیلئے قرآن کریم کے ترجمہ بیان فرمودہ تفسیرِ صغیر الحاج حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہُ۔۔۔۔اور تفسیر کبیر مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہُ کے دوسرے ایڈیشن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اس کی تیاری میں محترمہ بلقیس اختر صاحبہ، محترمہ مدیحہ محمود صاحبہ، محترمہ شازیہ نعیم صاحبہ، محترمہ فہمیدہ مسعود صاحبہ، محترمہ صدیقہ وسیم صاحبہ، محترمہ شمائلہ ظہیر صاحبہ نے مضمون اکٹھے کرنے اور مضامین لکھنے میں مدد کی۔پروف ریڈنگ اور حوالہ جات چیک کرنے میں محترمہ لبنیٰ غزالہ صاحبہ اور محترمہ طیبہ رضوان صاحبہ نے بہت محنت سے تعاون کیا۔ٹائٹل صفحہ بنانے میں محترمہ مدیحہ محمود صاحبہ نے بہت جانفشانی سے کام کیا۔**فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء**

تمام ممبرات لجنہ سے گزارش ہے کہ شعبہ تعلیم کو اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو بے لوث خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

والسلام

خاکسار

بشریٰ خالد

صدر لجنہ اماء اللہ ناروے

حضرت آدم علیہ السّلام

1- حضرت آدم علیہ السّلام پہلے نبی تھے۔

تفسیرِ صغیر (سورۃ البقرہ)

ترجمہ: اور (اَے انسان تُو اُس وقت کو یاد کر) جب تیرے ربّ نے ملائکہ سے کہا کے میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (2:31)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں کہ خلیفہ سے مراد حضرت آدمؑ ہیں نہ کہ بنی نوع انسان۔ مختلف لوگوں نے لفظ خلیفہ سے جو مختلف معانی نکالے ہوئے ہیں وہ غلط ہیں۔

اسلئے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت آدمؑ ہی پہلے نبی تھے جو کہ خُدا تعالیٰ کے احکام ومناہی کو دُنیا میں جاری کرنے والے تھے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 275)

2- حضرت آدم کے خلیفہ بنائے جانے پر فرشتوں کے سوالات

(تفسیرِ صغیر۔ صفحہ نمبر 10 سورۃ البقرہ آیت نمبر 31۔ حاشیہ نمبر 4)

جب خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کو دُنیا میں اَپنا پہلا خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا تو اس پر فرشتوں نے کہا کہ:

ترجمہ۔ کیا تُو اس میں (ایسے شخص بھی) پیدا کرے گا جو اس میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے۔ اور ہم تو وہ ہیں جو تیری حمد کے ساتھ (ساتھ) تیری تسبیح (بھی) کرتے ہیں اور تجھ میں سب بڑائیوں کے پائے جانے کا اقرار کرتے ہیں۔ (اس پر اللہ نے) فرمایا میں یقیناً وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (2:31)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تفسیرِ صغیر صفحہ نمبر 10 حاشیہ نمبر 4 میں فرماتے ہیں کہ یہ جو ملائکہ نے کہا تُو اَیسا آدمی زمین میں پیدا کرے گا جو فساد کرے گا اَور لوگوں کے خون بہائے گا یہ آدم پر فرشتوں نے اَپنی بڑائی کے اظہار کیلئے نہیں کہا اَور نہ خُدا تعالیٰ پر اعتراض کیلئے ہے بلکہ خلیفہ کے لفظ سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ خلیفہ کے معنی ہوتے ہیں جو حاکم کا قائم مقام ہوتا ہو۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کہ خلیفہ کی ضرورت تو تب ہوتی اگر زمین میں اَیسے آدمی پیدا کرنے کا اِرادہ ہوتا جو آپس میں لڑ بھڑ سکتے ہوں اور خون بہا سکتے ہوں۔ پس فرشتوں کا یہ فقرہ کہ اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا نہ خدا تعالیٰ پر اعتراض ہے نہ آدم کی کمزوری ثابت کرنے کیلئے ہے بلکہ بنی نوع انسان میں سے بعض لوگوں کی کمزوری پر دلالت کرنے کیلئے ہے۔ جن پر آدم نے حکومت کرنی تھی۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مصلح موعودؓ نے تفسیرِ کبیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت کا تعلق اس بات سے ہے کہ قرآن مجید کی نسبت یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ وہ خُدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو دُنیا کی ہدایت کیلئے آیا ہے۔ اس دعویٰ پر چونکہ کافروں کو اعتراض تھا۔

اس کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ کو پیش کرتا ہے۔ تا یہ بتائے کہ الہامِ الٰہی کا نزول کوئی نئی شئے نہیں بلکہ جب سے انسان پیدا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ وہ پہلے انسان تھے جن کی پیدائش کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ کا الہام نازل ہوا۔ پس الہام اور وحی پر شُبہ کرنا کوئی معقول بات نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں الہام اور وحی نازل کی تو اب کیوں نہ کرے۔ غرض وحی کے ابتدائے آفرینش سے متواتر نازل ہونے کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر وحی نازل ہونے کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ وہ دلیل ہے جو سب مذاہب کے ماننے والوں پر حجت ہے۔ کیونکہ تمام مذاہب کیا ہندو کیا زرتشی اور کیا یہود ونصاریٰ ابتدائے آفرینش میں وحی کے نزول کے مصدّق ہیں۔ پس محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وحی کے ذکر کے بعد آدمؑ اور اُس کی وحی کو پیش کرنا خدا تعالیٰ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ شروع سے ہی اسے ہدایت دیتا چلا آیا ہے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن صفحہ نمبر 276 پہلا پیراگراف)

حضرت آدمؑ کی بعثت پر فرشتوں نے جو خدا تعالیٰ سے مکالمہ کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس کی تفسیر یوں فرماتے ہیں۔ کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ اَے لوگو آدم کے واقعہ کو یاد کرو کہ اس کی پیدائش پر خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے اس

طرح کلام کیا تھا۔فرشتوں کے اس مکالمہ سے اس اَمر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ نبی کی بعثت سے پہلے اسکی ضرورت لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ نبی کا وجود خدا تعالیٰ کے غیبوں میں سے ایک غیب ہوتا ہے۔اسکی ضرورت کُلّی طور پر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ ظاہر ہو کر اَپنا کام پورا کر لیتا ہے۔ تب ان تغیّرات کی وجہ سے جو اسکے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہیں لوگوں کو ماننا پڑتا ہے کہ اگر وہ ظاہر نہ ہوتا تو دُنیا ایک عظیم الشّان مفید انقلاب سے محروم رہ جاتی۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل صفحہ نمبر 276۔پیراگراف 2)

غرض حضرت آدمؑ کے واقعہ کے ذکر میں فرشتوں کے مکالمہ سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بداَور ادنیٰ لوگ تو الگ رہے، نیک اور ملائکہ صفت لوگ بھی نبی کے نزول کے وقت اس انقلابِ عظیم کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے جو اس کے ذریعہ سے ہونے والا ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل صفحہ نمبر 277۔پیراگراف 2)

پس فرشتوں کو آدمؑ کے خلیفہ بنانے کی خبر دینے سے اَور انہیں اس کی پیدائش پر سجدہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ جب کوئی نبی دنیا میں ظاہر ہوتا ہے تو ملائکہ کو جو نظام عالم کے مدبّر ہیں اس کی مدد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔اس لئے باوجود سب دُنیا کی مخالفت کے نبی جیتتا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد اوّل دوسرا ایڈیشن صفحہ نمبر 277۔آخری پیراگراف)

پس آدمؑ کی بعثت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اس کی بعثت کے متعلق اطلاع دیدی تھی اور وہ اس کی تائید میں لگ گئے تھے جس کی وجہ سے ان کے دشمن باوجود عارضی طور پر ان کے مقابلہ میں کامیاب ہو جانے کے آخر کار ناکام رہے۔اَور حضرت آدمؑ اس مقصد میں کامیاب ہو گئے جس کے پورا کرنے کیلئے انہیں مبعوث کیا گیا تھا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل صفحہ نمبر 278۔پیراگراف 1)

حضرت آدمؑ کو اسی دنیا میں پیدا کیا گیا تھا اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں اس جنت میں رکھا گیا تھا جو مرنے کے بعد انسان کو ملنے والی ہے وہ غلطی پر ہیں۔تعجب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ میں اس زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں لیکن بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہیں جنت میں رکھا گیا۔ اس مشکل کو بعض لوگوں نے بزعم خود اس طرح حل کیا ہے۔کہ پہلے اسی دُنیا میں پیدا کیا پھر ان کو جنت میں لے جایا گیا۔لیکن یہ آیت اس توجیہہ کی بھی اجازت نہیں دیتی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس دُنیا میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں خلیفہ مقرر کرنے کی کوئی غرض ہو گی پھر اسکے جنت میں لیجانے سے وہ غرض کس طرح پوری ہو سکتی تھی یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک خاص مقصد کے لئے آدم کو اس دُنیا میں خلیفہ مقرر کرے اَور پھر اسے جنت میں لے جائے۔ جہاں وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا آدم کو جنت میں لے جانے کے بعد اس مقصد کو دُنیا میں کون پورا کرتا جس کے لئے آدم کو خلیفہ مقرر کیا گیا تھا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 278 دوسرا پیراگراف)

پس آدمؑ کی جنت اسی دُنیا کا کوئی مقام تھا۔کیونکہ آدم علیہ السلام اِسی دنیا کے لوگوں کیلئے خلیفہ مقرر کیے گئے تھے اَور تا موت اسی دُنیا میں ان کا رہنا ضروری تھا۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 872 دوسرا پیراگراف)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔**وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ** پر لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ

1۔خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ کیا۔کیا اللہ تعالیٰ ملائکہ سے مشورہ کا محتاج ہے۔

2۔فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر اعتراض کیا کہ انسان تو فساد کرے گا پھر اسے پیدا کرنے کی کیا وجہ ہے۔کیا ملائکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر اعتراض کر سکتے ہیں۔

3۔ملائکہ کی بات درست نکلی کہ آدم کی نسل نے دنیا میں فساد کیا اَور خدا تعالیٰ کا فعل قابلِ اعتراض ٹھہرا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 278 آخری پیراگراف)

ان سب اعتراضات کا جواب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یوں دیا ہے۔کہ قال کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو خلیفہ بنانے سے پہلے انسانوں کی اور فرشتوں کی کوئی مجلس بلائی تھی اور اس مجلس میں ان سے مشورہ کیا تھا۔بلکہ خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے جو کہا وہ بطور فیصلہ سنانے کے تھا مشورہ نہ تھا۔ہاں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سوال کرنے کی اجازت دی ہے۔کیونکہ فرشتوں کو اس امر کے بتانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اَپنے اَپنے

دائرہ کار میں آدم کی تائید میں لگ جائیں اور جس کے سپرد کوئی کام کیا جاوے اس کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ بھی لے۔ پس فرشتوں نے جو خدا تعالیٰ سے سوال کیا کہ تو ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو فساد کرے گی اَور خون بہائے گی وہ سمجھنے کیلئے اَور اَپنے علم میں اضافے کے لئے کیا، نہ کہ خدا تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض کی نیت سے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 280 آخری پیراگراف)

اَور تیسرا اعتراض کہ ملائکہ کی بات درست نکلی کہ آدم کی نسل نے دُنیا میں فساد کیا اَور خُدا تعالیٰ کا فضل قابلِ اعتراض ٹھہرا۔ یہ اعتراض بھی بالکل غلط ہے۔ کیونکہ خُدا تعالیٰ نے یہ تو کہا ہی نہیں کہ انسانوں میں فساد اَور سفکِ دِماء نہیں ہوگا۔ بلکہ آدم کے خلیفہ بنائے جانے کے تو معنے ہی یہ ہیں کہ اب انسانی افعال شریعت کے تابع ہوں گے۔ اَور اس کے افعال آئندہ انسان کے افعال اَور فساد سفکِ دم کہلائیں گے۔ پھر بھی انسان کی پیدائش ایک ایسی غرض کو پورا کرے گی جو کوئی دوسری مخلوق پورا نہیں کر سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی اس بات کو ردّ نہیں کرتا کہ انسان سے فساد و خون کا ظہور ہوگا بلکہ صرف یہ فرماتا ہے کہ **انی اعلم ما لا تعلمون** یعنی آدم کے ذریعہ سے ایک نئے نظام میں جو غرض پوشیدہ ہے۔ وہ باوجود فساد اور سفک دم کے ایسی اہم ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے فرشتوں کے قول کو ردّ نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ جو تم نہیں جانتے اُسے میں جانتا ہوں اور اُن زائد امور کی طرف اشارہ کیا ہے جو فرشتوں کے شبہ کے دُرست ہونے کے باوجود انسان کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں۔ غرض خدا تعالیٰ کی بات ہی پوری ہوئی اور فرشتوں نے جو سوال کیا تھا اس کا جواب بھی انہیں ملا۔ (تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ نمبر 281 آخری پیراگراف)

فرشتوں کا یہ سوال خُدا تعالیٰ سے کرنا کہ کیا تو ایسے انسان بنائے گا جو زمین میں فساد کریں اور خون بہائیں۔ یہ سوال انسانوں کی نسبت ہے یا آدم کی نسبت تو اس کا جواب یہ ہے۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے کہ اس کا تعلق سب کی نسبت ہے۔ انسانوں کی نسبت بھی اور حضرت آدم کی نسبت بھی۔ اس سے مراد آدم کے مخاطبین بھی ہیں اور آئندہ نسل بھی۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 282 پہلا پیراگراف)

حضرت آدمؑ کو خلیفہ مقرر کرنے کے یہ معنے تھے کہ بشر اب ایسی عقل کو حاصل کر چکا تھا۔ کہ شریعت کے تابع ہو۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے اُسے آدمؑ کے ذریعہ سے حکم دیا کہ آئندہ کسی دوسرے انسان کو مت مارو اور اگر تمہارے کسی شخص کو کوئی مارے تو اسے بھی خود قتل نہ کرو بلکہ حکومت سے اَپنے نقصان کی تلافی چاہو۔ پس آدم کے خلیفہ قرار دینے پر فرشتوں نے صحیح استدلال کیا کہ بشر جو اس سے پہلے کسی شریعت کے تابع نہ ہونے کے سبب سے اپنے افعال کے جواب دہ نہ تھے آئندہ جواب دہ قرار دیے جائیں گے۔ اَور اگر وہ اَپنے طبعی تقاضوں کو قانون کے مطابق پورا نہ کریں گے تو مفسد اَور قاتل قرار دیے جائینگے۔ پس وہ بشر جو آدم کی بعثت سے پہلے عام حیوانوں کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ آدم کے ذریعہ سے شریعت سن کر اَور اس پر عمل کر کے اب ملائکہ کے درجہ کو پہنچنے والا تھا۔ اور اس کی مخالفت کر کے سزا کا مستحق بننے والا تھا اَور مفسد اور قاتل کہلانے والا تھا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 282 دوسرا پیراگراف)

پس خُدا تعالیٰ نے آدمؑ کو خلیفہ بنا کر اپنا الہام نازل کرنے کا اردہ کیا تا بشر اَپنے اَندر پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ ہو جائے اَور اَپنے مقام کو سمجھنے لگے۔ اور اس اعلیٰ مقام کے حصول کے لئے کوشش کرنے لگے۔ جس کے حاصل کرنے کا وہ اہل ہو چکا تھا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 382 پہلا پیراگراف)

آدمؑ کو خلیفہ بنانے کے موقع پر جو کچھ خُدا تعالیٰ نے فرمایا وہ بھی درست تھا اَور جو فرشتوں نے کہا وہ بھی دُرست تھا۔ صرف نقطۂ نگاہ کا فرق تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نظر ان صُلحا پر تھی جو آدم کی نسل سے ظاہر ہونے والے تھے اَور اس نظام کی خوبیوں پر تھی جو آدم اَور اس کے اظلال کے ذریعہ سے دُنیا میں قائم ہونیوالا تھا۔ لیکن فرشتوں کی نظر ان بدکاروں پر تھی جو انسانی دماغ کی تکمیل کے نتیجہ میں خُدا تعالیٰ کے موردِ عتاب بننے والے تھے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ بقرہ صفحہ نمبر 382 دوسرا پیراگراف)

پس خلافت کے نظام کے قیام سے انسانوں کا ایک حصہ موردِ سزا بننے والا تھا اَور مفسد اَور قاتل قرار پانے والا تھا مگر ایک دوسرا حصہ خُدا تعالیٰ کا محبوب

بننے والا تھا اور فرشتوں سے بھی اُوپر جانیوالا تھا۔ اور وہ کامیاب ہونے والا حصہ ہی انسانی نظام کا موجب تھا۔ پس یہ کامل لوگ اس بات کا ثبوت ہیں کہ خُدا تعالیٰ کا اِرادہ ہی حکمت کے مطابق تھا اور فرشتوں کا خدشہ اس کے مقابل پر کوئی وزن نہ رکھتا تھا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 482 پہلا پیرا گراف)

"**وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ**" میں فرشتے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اَے خُدا تعالیٰ ہم تیری تسبیح اور حمد اور تقدیس کرنیوالے ہیں۔ کیا ہماری تسبیح تحمید اور تقدیس میں کوئی نقص ہے کہ ایک اَور وجود کو پیدا کرنیکی ضرورت پیش آئی ہے۔ جو تیرا ظل ہو اور فرشتوں کا یہ کہنا اعتراض نہیں بلکہ خشیت اللہ کا ایک لطیف اظہار ہے جو مقربین الٰہی کی شان کے عین مطابق ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 284 دوسرا پیرا گراف)

وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ" اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اَے خُدا تعالیٰ ہم نے یہ سوال زیادتی ٔ علم کے لئے کیا ہے۔ ورنہ اجمالی طور پر ہم تیرے ارادے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اَور چونکہ تو ہر عیب سے پاک ہے اور ہر خوبی کا مالک ہے ہم یقین رکھتے ہیں کہ جو ارادہ تُو نے کیا ہے اس میں ضرور کوئی بڑی حکمت ہوگی۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں بھی وہ بات آجائے تا کہ ہم اَپنے فرضِ منصبی کو اچھی طرح اَدا کر سکیں۔ فرشتوں کے ان سوالوں کے جواب میں پھر خُدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت کے نزول کے بعد بشر اس سے پست حالت میں جانے کے قابل بھی ہو جائے گا جو اسے اب حاصل ہے کیونکہ وہ گنہگار اَور خُدا تعالیٰ کا مغضوب بھی بن سکے گا۔ لیکن باوجود اس کے شریعت کا نزول اَپنے اَندر ایسے فوائد رکھتا ہے جن کو ابھی تم نہیں سمجھ سکتے۔ اَور جو اَپنے وقت پر ظاہر ہوں گے۔ تو ان کی حقیقت تم پر کُھل جائیگی۔ یہ خُدا تعالیٰ کا اجمالی جواب تھا جو فرشتوں جیسے مقرب وجودوں کیلئے کافی تھا۔ کیونکہ ملائکہ کو خدا تعالیٰ کی شان کا علم تھا جب خدا تعالیٰ نے کہا کہ میں جانتا ہوں تم نہیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ ضرور ایسا ہی ہوگا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 284 دوسرا پیرا گراف)

3۔ حضرت آدمؑ کو اسماء سکھائے جانے کا مطلب

ترجمہ: اَور اللہ نے آدمؑ کو سب نام سکھائے پھر جن کے وہ نام تھے ان کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا اگر تم دُرست بات کہہ رہے ہو تو تم مجھے ان کے نام بتاؤ۔ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر 32 تفسیرِ صغیر صفحہ نمبر 11)

اِس آیت میں اسمائے سے مراد صفاتِ الٰہیہ ہیں جن کا صحیح علم خُدا تعالیٰ کے سکھانے سے ہی آ سکتا ہے۔ حضرت آدمؑ چونکہ مذہب کے قیام اَور اللہ تعالیٰ سے اس کی مخلوق کے وصال کی غرض سے مبعوث ہوئے تھے اس لئے ضروری تھا کہ انہیں اسمائے الٰہیہ سکھائے جاتے تا کہ ان کی اُمت ان ناموں کی وجہ سے خدا تعالیٰ کو شناخت کرتی اور اس سے تعلق پیدا کرتی۔ اگر یہ نام نہ سکھائے جاتے تو ان کی اُمت کے مُلحد ہونے کا خطرہ تھا۔ اسلئے حضرت آدمؑ کو اسمائے الٰہیہ بھی سکھائے گئے۔ اَور انسان کے متمدّن ہونے کی صورت میں ان کے لیے ایک زبان کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو زبان کا علم بھی دیا تھا اور وہ عربی زبان تھی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو اسمائے سکھائے جانے سے مُراد خُدا تعالیٰ کے صفاتی نام اَور عربی زبان سکھانا تھا۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل صفحہ نمبر 313 پہلا پیرا گراف)

پس زبان سکھانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ایک ایسی زبان سکھائی جو بے معنی اَور بے ربط نہ تھی بلکہ اس کی بنیاد فلسفہ پر تھی اَور اس کے تمام الفاظ بامعنی تھے اَور یہی زبان بعد میں دوسری زبانوں کی ماں بنی اَور یہ عربی زبان تھی۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل صفحہ نمبر 314 پہلا پیرا گراف)

4۔ فرشتوں کو حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم اور اس کا مطلب

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کی فرمانبرداری کرو۔ اس پر انہوں نے تو فرمانبرداری کی مگر ابلیس نے نہ کی۔ اُس نے انکار کیا۔ اَور وہ پہلے سے ہی کافروں میں سے تھا۔

(تفسیر صغیر صفحہ نمبر 12 سورۃ البقرۃ آیت نمبر 35)

آدم کو سجدہ کرنے سے مراد فرمانبرداری کے ہیں۔ اور فرشتوں کو جو سجدہ کرنے کا حکم تھا اُس سے مراد تھی کہ آدمؑ کی فرمانبرداری کرو۔ اَور اطاعت کرو۔ ہاں خُدا تعالیٰ نے ایک کامل وجود حضرت آدمؑ کی صورت میں پیدا کر

کے اَپنی کامل عظمت کا اظہار کیا تھا۔اس صورت میں فرشتوں کو حکم تھا کہ وہ خُدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ کریں خدا کی عظمت کے اظہار کے طور پر۔غیر اللہ کو سجدہ کرنا قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔اَور جب قرآن سے ثابت ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک ہے تو پھر خدا تعالیٰ خود کیسے حکم دے سکتا تھا کہ فرشتوں کو کہ آدم کو سجدہ کریں۔ پس یہاں سجدہ کرنے سے مراد ہے۔

1۔جب اللہ تعالیٰ نے دلائل اور مشاہدات سے فرشتوں پر ثابت کر دیا کہ آدمؑ کی خلافت اللہ تعالیٰ کی پُر حکمت افعال میں سے ہے اَور اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک نیا اَور کامل ظہور وابستہ ہے تو اس نے ملائکہ کو کہا کہ اس خوشی میں اب تم میرے حضور سجداتِ شکر بجالاؤ۔

2۔دوسرے معنی سجدہ کرنے کے یہ بھی ہیں کہ آدمؑ کی فرمانبرداری اَور اطاعت کرو۔پس فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ آدمؑ کی فرمانبرداری کریں اَور اس کی مصلحتوں اور اس کے ارادوں اَور اس کی اولاد کے ارادوں اَور خواہشوں کے پورا کرنے میں لگ جائیں۔ان معنوں کی رُو سے اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو خلعتِ خلافت بخشی تو ملائکہ کو حکم دیا گیا کہ اب یہ دُنیا میں ہماری مرضی ظاہر کرنے واالا ہے۔تم کو بھی چاہئے کہ جو کام یہ کرے اس کی مدد کرو اور اس کی تائید میں اس نظام کو لگا دو جو تمہارے ماتحت ہے۔اور جس کی تم ابتدائی کڑیاں ہو۔پس خُدا تعالیٰ نے جب کہا کہ سجدہ کرو۔اس پر وہ سب کے سب آدمؑ کی تائید میں لگ گئے۔اَور اس کے اِرادہ کو پورا کرنے کی کوششوں میں منہمک ہوگئے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل صفحہ نمبر 326 تا 327)

جب خُدا تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدمؑ کی اطاعت کا حکم دیا تو ابلیس نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا۔اب اس آیت میں جب فرشتوں کی ساتھ ابلیس کا ذکر آتا ہے تو لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ ابلیس بھی کوئی فرشتہ تھا۔تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ابلیس کے بارے میں وضاحت کی ہے۔کہ وہ فرشتوں میں سے نہ تھا بلکہ ابلیس کے معنی ہیں کہ وہ ہستی جس میں نیکی کا مادہ کم ہوگیا اَور بدی کی طاقتیں زیادہ ہوگئیں جس کی ہمت ٹوٹ گئی اور ناکامی کے غم نے اسے دبا لیا۔جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوگیا۔جس نے اَپنے مقاصد کے پانے کیلئے کوئی راستہ کھلا نہ پایا اَور حیران رہ گیا۔ان معنوں کی رُو سے یہ نام صفاتی طور پر کسی ایسی رُوح کو دیا گیا ہے جو اس قسم کی کیفیات اَپنے اَندر رکھتی ہے۔اَور یا پھر یہ صفاتی نام کسی اَیسے انسان کا ہے جس کا نام خواہ کچھ ہو مگر اسکی دِلی کیفیت کے لحاظ سے وہ اس قسم کے نام پانے کا مستحق تھا۔اَور قرآن کریم نے اسے ابلیس کا نام دیا ہے۔

ابلیس اَور شیطان دو الگ وجود ہیں۔حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے والا ابلیس ہے۔اَور حضرت آدمؑ کو دُکھ میں ڈالنے والا شیطان ہے۔ابلیس تو اس وجود کا نام رکھا گیا ہے جو فرشتوں کے مقابل پر بدی کا محرک ہے۔اَور شیطان ایک عام نام ہے۔اُس ابلیس کو بھی شیطان کہہ سکتے ہیں اَور ان تمام لوگوں کو بھی جو ابلیس کے نائب کے طور پر اَور اُس کے ورغلائے ہوئے اس دُنیا کے پردے پر بدیوں کی رہنمائی کرتے ہیں اَور نبیوں اَور ان کی تعلیم کا مقابلہ کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں کسی انسان کو ابلیس کے نام سے یاد نہیں کیا گیا جہاں بھی ابلیس کا ذکر ہے۔فرشتوں کے مقابلہ کرنے والے وجود کے متعلق یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ یا بدی کی محرّک روح کیلئے استعمال ہوا۔غرض شیطان کا لفظ قرآن کریم میں ارواح خبیثہ کیلئے استعمال ہوا ہے۔جو دلوں میں وساوس ڈالتے ہیں اور انسانوں کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے۔لیکن اِبلیس کا لفظ صرف اُس ہستی کے لئے استعمال ہوا ہے۔جس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ پس ابلیس سے مراد تو وہ رُوح خبیثہ ہے جو فرشتوں کے مدِّ مقابل ہے اور دلوں میں وساوس ڈالتی ہے۔اَور شیطان اسے بھی کہتے ہیں اَور اس کے اُن اظلال کو بھی جو انسانوں میں سے اس جیسے کام کرتے ہیں۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو دو ناموں سے یاد کیا ہے۔ 1-ابلیس 2-شیطان۔ اِبلیس کے معنی مایوس اَور حیران کے ہیں۔ اَور شیطان کے معنی حق سے دُور ہونے والے یا حق سے دور کرنے والے کے اَور جلنے والے کے ہیں۔ پہلا نام اس وجود کا ابلیس رکھا گیا ہے۔اَور دُوسرا نام شیطان رکھا گیا ہے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 330 تا 331)

5. فرشتوں کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم اور اس کا مطلب

(تفسیر صغیر سورۃ الاعراف صفحہ نمبر 189 آیت 12)

ترجمہ: اَور ہم نے تمہیں (پہلے مبہم شکل میں) پیدا کیا تھا۔ جس کے بعد تم کو (تمہارے مناسبِ حال) صورتیں بخشی تھیں اور پھر ملائکہ سے کہا تھا آدم کی اطاعت کرو۔ اس پر فرشتوں نے تو آدم کی اطاعت کی مگر اِبلیس (نے نہ کی)۔ وہ اطاعت گزاروں میں سے نہیں بنا۔ آیت 7:12

تفسیر صغیر صفحہ نمبر 357۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت 62

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو کہا تھا (کہ) تم آدم کے ساتھ مل کر سجدہ کرو تو انھوں نے اس حکم کے مطابق آدم کے ساتھ مل کر سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے (نہ کیا تھا)۔ اس نے کہا تھا (کہ) کیا میں اس (بشر) کے ساتھ (مل کر) سجدہ کروں جسے تو نے کیچڑ سے پیدا کیا ہے۔ (آیت 17:62)

تفسیر صغیر۔ صفحہ نمبر 406۔ سورۃ طٰہٰ۔ آیت 117

ترجمہ: اَور (یہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم (کی پیدائش کے شکریہ میں خدا) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا۔ 20:117 (تفسیر صغیر۔ صفحہ نمبر۔ 325۔ سورۃ الحجر آیت 30۔ حاشیہ نمبر 3)

ترجمہ: پس جب میں اسے مکمل کر دوں اَور اس (کے دل) میں اَپنا کلام ڈال دوں تو تم سب اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے (اللہ کے حضور) گر جانا۔ 15:30

حاشیہ: آدم کے ساتھ سجدہ میں گر جانا۔ جس طرح آدم صرف خدا کی پرستش کرے گا تم بھی صرف خدا کی پرستش کرنا۔ (حاشیہ تفسیر صغیر صفحہ: 421)

6. حضرت آدم کو شجرہ سے دُور رہنے کا حکم اَور شجرہ ممنوعہ سے مراد

ترجمہ: اَور اے آدم (میں تجھ سے کہتا ہوں کہ) تو اَور تیری ساتھی جنت میں رہو۔ پس تم جہاں سے چاہو کھاؤ (اور پیو) اور اس ممنوعہ) درخت کے قریب نہ جانا۔ ورنہ تم ظالم ہو جاؤ گے۔ 7:20

اور ہم نے (آدم سے) کہا کہ اَے آدم! تو اَور تیری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے جہاں چاہو بافراغت کھاؤ۔ مگر اس (یعنی فلاں) درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ 2:36

ترجمہ: اَور اَے آدم (میں تجھ سے کہتا ہوں کہ) تو اَور تیرا ساتھی جنت میں رہو۔ پس تم جہاں سے چاہو کھاؤ (اَور پیو) اَور اس (ممنوعہ) درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالم ہو جاؤ گے۔ (7:20)

ان آیات کی تفسیر میں بتایا گیا ہے کہ حضرت آدم کو اوران کی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم دیا تھا اور اسی جنت کے بارے میں قرآن میں بتایا گیا تھا کہ اَے آدم تو اس میں نہ بھوکا رہے گا نہ پیاسا رہے گا اور نہ ننگا رہے گا اَور نہ دُھوپ کی تکلیف اُٹھائے گا۔ اَور ساتھ ہی فرمایا کہ تو اس میں سے جہاں سے چاہے گا بافراغت کھائے گا۔

جس جنت کا ان آیات میں ذکر ہے۔ وہ دُنیاوی جنت ہے اَور حضرت آدم کی جنت کا یہ علاقہ عراق میں ہے۔ کیوں کہ قدیم تمدن کے لحاظ سے اس علاقہ میں ضروریات زندگی سہولت کے ساتھ اَور کثرت سے ملتی تھیں۔ اور یہی وہ ارضی جنت تھی جس کی بنیاد تمدن کے ذریعہ حضرت آدم علیہ اسلام کے زمانہ سے رکھی گئی تھی۔ اس علاقہ میں تمام ضروریات زندگی اس وقت کے لحاظ سے باآسانی اور بافراغت ملتی تھیں اسی لئے ایسے علاقہ کو جنت کا نام دیا گیا اور وہ لوگ جو اس جنت سے مراد وہ جنت لیتے ہیں جو بعد الموت نیک انسانوں کو ملے گی وہ غلط تصور ہے۔ اور اس غلط تصوّر کی تین وجوہات ہیں۔

1- قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ آیت 2:31 میں فرماتا ہے۔ میں زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں اور یہ امر خلاف عقل ہے حضرت آدم کو انتظام تو دُنیا کا سپرد کیا گیا ہو اور رکھا انہیں آسمان پر گیا ہو۔

2- قرآن مجید میں سورۃ الحجر 15:49۔ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جنت اخروی میں نہ تو انسانوں کو کسی قسم کی تھکان ہوگی اور نہ وہ اس میں سے نکالے جائیں گے لیکن آدم علیہ السلام کو جس جنت میں رکھا گیا وہ اس سے نکالے گئے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کی جنت ارضی تھی نہ کہ آسمانی۔

3- حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں شیطان کا داخل ہونا ثابت ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی بعد الموت والی جنت میں شیطان کو اور اس کی ذرّیت کو بھی داخل کر دیا جائے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم کی

جنت دُنیاوی جنت تھی نہ کہ آسمانی جنت۔اور جنت کا یہ علاقہ عراق میں تھا شجرہ سے مراد وہ امور اَور بدیاں ہیں جن سے آدم علیہ السلام کو دُور رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو ایک ایسے مقام میں رہنے کا حکم دیا جو نہایت آرام دہ تھا اور بمنزلہ جنت کے تھا اور ایسی شریعت عطا کی جو اس دنیا کو جنت بنا دینے والی تھی اور ایسی بیوی اور ساتھی بخشے جو مطیع اور فرمانبردار تھے اور ہر قسم کے آرام کا موجب ہو کر اس زندگی کو جنت میں تبدیل کر دینے والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور کو مدّنظر رکھتے ہوئے آدم علیہ السّلام سے کہا کہ اب تو اور تیرے ساتھی اس جنت میں رہو اور اسی استعارہ کو مدّ نظر رکھتے ہوئے نظام کی خرابیوں اور بُرے ساتھیوں کو ایک درخت قرار دے کر فرمایا کہ ایک طرف تو اس جنت میں رہنے کا ہم تم کو حکم دیتے ہیں اور دوسری طرف اس کے مخالف صفات والے درخت سے بچنے کا حکم دیتے ہیں۔پس حضرت آدم کی جنت سے مراد باغ اور ابلیس اور اس کی ذریت سے مراد شجرہ ممنوعہ ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 335 تا 339)

<u>7۔حضرت آدم کے جنت کے پتوں سے ڈھانپنے سے مراد:</u>

سورۃ الاعراف:

ترجمہ آیت۔پھر ان دونوں کو دھوکہ دے کر اَپنے مقام سے ہٹا دیا۔پھر جب ان دونوں نے اس ممنوعہ درخت سے کچھ چکھ لیا تو ان کے ننگ ان پر ظاہر ہو گئے۔اَور وہ لگے جنت کی زینت کے سامانوں کو اپنے اُوپر چمٹانے۔اَور ان دونوں کو ان کے ربّ نے بلایا (اَور کہا) کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اَور یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا کھلا دشمن ہے۔7:23

حاشیہ تفسیرِ صغیر:

جب انسان بدی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا ضمیر اس کو بتاتا ہے۔کہ دیکھ تو کتنا کمزور تھا۔اس کام نے تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔اَور اگر تو یہ کام نہ کرتا تو تیرا کوئی خاص نقصان نہیں تھا تب انسان کو ہوش آتی ہے اَور وہ جنت کی زینت کے سامانوں یعنی ان اعمال سے جن کی وجہ سے انسان جنت میں جاتا ہے وہ اَپنی بدیوں کو ڈھانپنے کی کوشش کرتا ہے اَور توبہ سے اَپنے گناہوں کو دُھوتا ہے۔قرآن کریم میں **ورق الجنۃ** کے لفظ ہیں جس کے معنے مفسرین نے غلطی سے پتہ کے کیے ہیں حالانکہ اس کے معنے زینت کے بھی ہیں اور یہی ہم نے کیے ہیں۔مطلب یہ کہ جن کاموں سے جنت میں زینت ملتی ہے۔

وہ کام آدم اَور حوّا نے کرنے شروع کیے تاکہ ان کی کمزوریاں چھپ جائیں۔یہ مراد نہیں کہ بدی کرنے والے لوگوں کو واقعہ میں کوئی لفظی الہام ہوتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں شرم اور ندامت پیدا ہوتی ہے تو اس کی فطرت صحیحہ اس کو بتاتی ہے کہ جو خُدا تعالیٰ نے کہا تھا وہ سچ تھا۔اَور جو کچھ اس نے کیا تھا۔وہ غلط تھا تب وہ دُعاؤں اور استغفار میں لگ جاتا ہے۔اَور خُدا کا فضل حاصل کر لیتا ہے۔(تفسیر صغیر صفحہ:245)

<u>8۔حضرت آدم شجرہ کے قریب جانے سے گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے:</u>

(تفسیر صغیر صفحہ نمبر 406 سورۃ طٰہٰ آیت 116)

ترجمہ:اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک امر کی تاکید کی تھی۔مگر وہ بھول گیا اَور ہم نے خوب جانچ لیا کہ اس کے دل میں ہمارا حکم توڑنے کے متعلق کوئی پختہ اِرادہ نہیں تھا۔

تشریح۔اس آیت میں "**لم نجد لہٗ عزمً**" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی۔جس میں حضرت آدمؑ کے عزم اور ارادے کا کوئی دخل نہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سورۃ الاعراف آیت 6 میں فرماتا ہے کہ جب شیطان اپنے اخلاص کا جُبہ پہن کر آدمؑ کے پاس گیا تو وہ آدمؑ اس کے ساتھیوں کے سامنے قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ میں تو اب آپ لوگوں کا بڑا خیر خواہ ہوں۔پس شیطان نے منافقانہ رنگ میں آدمؑ کو اَپنے اخلاص اَور فدائیت کا یقین دلایا۔اس پر حضرت آدمؑ نے یہ اجتہاد کیا کہ یہ شخص پہلے ابلیسی روح اَپنے اَندر رکھتا تھا مگر اب اس نے یہ راستہ چھوڑ دیا ہے اس لئے اس سے اَب تعلق رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔اس اجتہادی غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس حالتِ اَمن میں وہ

رہتے تھے اس سے انہیں نکلنا پڑا۔ شیطان نے حضرت آدمؑ کو بغیر اس کے کہ اس کا اپنا ارادہ ہوتا پھسلا دیا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد پنجم، ششم سورۃ طٰہٰ آیت 60 صفحہ نمبر 471)

<u>9۔ حضرت آدمؑ کو خدا تعالیٰ کے دو ہاتھوں سے پیدا کرنے کا مطلب:</u>

تفسیرِ صغیر صفحہ نمبر 604 سورۃ ص آیت 76 حاشیہ نمبر 1

ترجمہ: (اللہ نے) فرمایا اے ابلیس تجھے کس نے اس بات سے روکا کہ جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا اس کی فرمانبرداری کرتا، کیا تو نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا یا تو واقعہ میں میرے حکم ماننے سے بالا ہے۔38:76

حضرت آدمؑ کو خدا تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صفات حضرت آدم کے اندر جمع کر دی تھیں۔

<u>10۔ حضرت آدمؑ کو تمدّن کے قیام کے لیے سب سے پہلی تعلیم:</u>

تفسیرِ صغیر صفحہ نمبر 406 سورۃ طٰہٰ آیت 119۔120

ترجمہ: یقیناً اس (جنت) میں تیرے لیے یہ (مقدر) ہے کہ تو بھوکا نہ رہے (اور نہ تیرے ساتھی)۔ اور تو ننگا نہ رہے۔20:119

اور نہ تُو پیاسا رہے اور نہ دُھوپ میں جلے۔20:120

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمدّن کے قیام کے لئے جو سب سے پہلی تعلیم دی گئی تھی۔ اس کا قانون ایسا تھا کہ جس کے لاگو ہونے کے بعد ایسا نتیجہ نکلنا تھا کہ ہر انسان کو زندگی کی بنیادی ضروریات مہیا ہونی تھیں اور ایک جنت نظیر معاشرہ تشکیل پانا تھا۔

(تفسیرِ صغیر صفحہ نمبر 406 حاشیہ نمبر 1)

<u>11۔ حضرت آدمؑ کو ہجرت کا حکم</u>

(تفسیرِ صغیر صفحہ نمبر 12 سورۃ البقرۃ آیت نمبر 37،39)

ترجمہ: اور (اس کے بعد یوں ہوا کہ) شیطان نے اُس (درخت) کے ذریعہ سے ان (دونوں) کو (ان کے مقام سے) ہٹا دیا اور (اسی طرح) اُس نے انہیں (اس حالت) سے جس میں وہ تھے نکال دیا اور ہم نے (انہیں) کہا کہ (یہاں سے) نکل جاؤ۔ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں اور یاد رکھو کہ تمہارے لیے ایک مقررہ وقت تک اسی زمین میں جائے رہائش اور سامانِ معیشت مقدر ہے۔2:37

(تب) ہم نے کہا (جاؤ) سب کے سب اس میں سے نکل جاؤ (اور یاد رکھو کہ) اگر پھر کبھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں نہ کوئی آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ (وہ سابقہ کوتاہی پر) غمگین ہوں گے۔2:39

تفسیر کبیر آیت 37۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو شجرہ ممنوعہ سے دُور رہنے کا حکم دیا تھا لیکن شیطان نے منافقانہ انداز اختیار کر کے اور قسمیں کھا کھا کر حضرت آدمؑ کو اور ان کے ساتھیوں کو یقین دلایا کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے۔ اور مخلص ہے۔ اور حضرت آدمؑ نے یہ اجتہاد کیا کہ گویا یہ شخص پہلے ابلیس کا ظل تھا لیکن اب یہ قسمیں کھاتا ہے کہ وہ ہمارا مخلص خادم ہے۔ اب اس سے تعلق رکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔ اور آپ نے اس سے تعلق رکھ لیا حضرت آدمؑ کا یہ اس سے تعلق رکھنا ہی آپ کا شجرہ ممنوعہ کے قریب جانا تھا۔ شیطان نے حضرت آدمؑ سے کہا کہ آپ کو شجرہ ممنوعہ سے بچنے کی حکمت پر غور کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے پہلے آپکو شجرہ ممنوعہ سے دُور رہنے کا اسلئے کہا تھا کہ آپ فرشتے ہو جائیں اور ہمیشہ کی زندگی پائیں مگر اب حالات بدل گئے ہیں اور اب اللہ تعالیٰ کی غرض اور اس کا منشاء اس درخت سے دُور رہ کر نہیں بلکہ اس کے قریب جا کر پورا ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنے کیلئے اور اس کے حکم کی رُوح کو مقدم رکھتے ہوئے اب آپ کو اس درخت کے قریب جانا چاہئے۔ حضرت آدمؑ اس کے دھوکے میں آ گئے اور اس کی بات کو مان لیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنت دُکھ کا مقام بن گئی۔ جنت سے مراد یہی ہے کہ جو اطمینانِ قلب اور ذہنی سکون حضرت آدم کو حاصل تھا وہ بے چینی میں بدل گیا اور حضرت آدمؑ کی جنت کی حالت میں فرق آ گیا اور وہ ایک وقت کیلئے تکلیف کا مقام بن گئی۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ آیت 37 صفحہ نمبر 343 تا 345)

تشریح آیت نمبر 39۔ حضرت آدم کی جنت میں صرف حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی نہ تھے بلکہ حضرت آدم کے اتباع بھی تھے۔ اس آیت میں وعدہ کیا

گیا ہے کہ آدم کی اولاد میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو لوگوں کو نیکی اور ہدایت کی طرف بلاتے رہیں گے۔ اور ایسے لوگ جو ہدایت کو مان لیں گے وہ اسی دُنیا میں جنت میں آجائیں گے۔ یعنی ان کے دلوں میں ایسی ایمانی قوّت پیدا ہو جائے گی کہ ہر حالت میں ان کے دل مطمئن رہیں گے اور انھیں کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔ اور حضرت آدمؑ کے بعد بھی وحی الٰہی کا سلسلہ جاری رہے گا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرہ صفحہ نمبر 347 تا 348)

<u>12۔ حضرت آدم کی جنت۔</u>

تفسیر صغیر صفحہ نمبر 12 سورۃ البقرۃ

ترجمہ: ''اور ہم نے (آدمؑ سے) کہا (کہ) اے آدم تُو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ اور اس میں سے جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ مگر اُس یعنی فلاں درخت کے قریب نہ جانا۔ ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے'' ۔2:36

تشریح۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ایک ایسے مقام میں رہنے کا حکم دیا جو نہایت آرام دہ تھا اور جنت کے مشابہ تھا۔ اور ایسی شریعت عطا کی جو اس دُنیا کو جنت بنا دینے والی تھی اور ایسی بیوی اور ساتھی بخشے جو مطیع اور فرمانبردار تھے۔ اور ہر قسم کے آرام کا موجب ہو کر اس زندگی کو جنت میں تبدیل کر دینے والے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمام اُمور کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے آدمؑ سے کہا کہ اَب تُو اور تیرے ساتھی اس جنت میں رہو۔ اور اسی طرح نظام کی خرابیوں اور بُرے ساتھیوں کو ایک درخت قرار دے کر فرمایا کہ ایک طرف تو اس جنت میں رہنے کا ہم تم کو حکم دیتے ہیں اور دوسری طرف اس کے مخالف صفات والے درخت سے بچنے کا حکم دیتے ہیں۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اوّل سورۃ البقرۃ۔ صفحہ نمبر 339)

<u>13۔ حضرت آدمؑ کے تراب سے پیدا کیے جانے کا مطلب۔</u>

تفسیرِ صغیر صفحہ نمبر 87 سورۃ آلِ عمران آیت 60۔ حاشیہ نمبر 3۔4

ترجمہ: (یاد رکھو) عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک یقیناً آدم کی طرح ہے۔ اسے (یعنی آدم کو) اُس نے خشک مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس کے متعلق کہا کہ تُو وجود میں آجا۔ تو وہ وجود میں آنے لگا۔ 3:60

حضرت آدمؑ کے تراب سے پیدا کیے جانے کا مطلب ہے۔ کہ حضرت آدمؑ ایسی مٹی سے پیدا ہوئے تھے جس میں الہام کی آمیزش نہ تھی۔ باقی وجودوں کی طرح آدم بھی ماں باپ سے پیدا ہوئے۔

<u>14۔ آدم سے مراد بنو آدم۔</u>

تفسیرِ صغیر صفحہ نمبر 87 سورۃ آل عمران آیت 60۔ حاشیہ نمبر 4

آدم سے مراد ابنائے آدم ہیں۔

<u>15۔ آدم کے دو بیٹوں کی تمثیل اور اس تمثیل سے مراد بنو اسرائیل و بنو اسماعیل۔</u>

ترجمہ: اور تُو (یعنی محمد ﷺ) انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر سنا۔ یعنی اس وقت کا واقعہ جب کہ ان دونوں نے ایک قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی تو قبول کر لی گئی۔ اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ جس پر اُس نے اَپنے بھائی سے کہا کہ میں تجھے ضرور قتل کر دونگا۔ اُس نے کہا اللہ صرف متقیوں کی قربانی قبول کیا کرتا ہے۔ 5:28

حاشیہ نمبر 1۔ اس تمثیل میں بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ بنو اسرائیل محمدی نبوت کی وجہ سے قابیل کی طرح مسلمانوں سے بغض رکھتے تھے۔ حالانکہ قربانی قبول کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ خود قربانی دینے والے کا کام نہیں۔ (تفسیرِ صغیر صفحہ 146۔ سورۃ المائدہ آیت 28)

☆☆☆☆☆☆

آدابِ دُعا

"قبولیت دُعا کے واسطے چار شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ شرط اوّل یہ ہے کہ اِتقاء ہو۔ دوسری شرط دل میں درد ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وقتِ اَصفٰی میسّر آوے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ پوری مدّت دُعا کی ہو۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ: 536)

"انسان کی دُعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے غفلت کو چھوڑ دے۔ جس قدر قُرب الٰہی انسان حاصل کرے گا اسی قدر قبولیت دُعا کے ثمرات سے حصّہ لے گا۔" (ملفوظات جلد 4 صفحہ: 287)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

سورۃ البقرہ

ترجمہ: اَور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ابراہیمؑ کو اس کے ربّ نے بعض باتوں کے ذریعہ سے آزمایا اور اس نے ان کو پورا کر دکھایا (اس پر اللہ نے) فرمایا کہ مَیں تجھے یقیناً لوگوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں (ابراہیم نے) کہا اور میری اولاد میں سے بھی (امام بنائیو) (اللہ نے) فرمایا (ہاں مگر) میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔2:124

اَور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اُٹھا رہا تھا اور (اس کے ساتھ) اسمٰعیل بھی (اور وہ دونوں کہتے جاتے تھے کہ) اَے ہمارے ربّ ہماری طرف سے (اس خدمت کو) قبول فرما۔ تو ہی (ہے جو) بہت سننے والا (اور) بہت جاننے والا ہے۔2:128

اَور اَے ہمارے ربّ! (ہماری یہ بھی التجا ہے کہ تو) اِنہی میں سے ایک اَیسا رسول مبعوث فرما جو اُنھیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اَور اُنھیں کتاب اَور حکمت سکھائے اَور اُنھیں پاک کرے۔ یقیناً تو ہی غالب (اَور) حکمتوں والا ہے۔2:131

کیا تجھے اس شخص کی خبر نہیں پہنچی جو اس (غرور کی) وجہ سے کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی ابراہیم سے اس کے ربّ کے متعلق بحث کرنے لگ گیا تھا (یہ اس وقت ہُوا) جس وقت ابراہیم نے (اُسے) کہا کہ میرا ربّ وہ ہے جو زندہ کرتا اَور مارتا ہے (اس پر) اُس نے کہا (کہ) مَیں بھی زندہ کرتا اَور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا (کہ اگر یہ بات ہے) تو اللہ (تو) سورج کو مشرق (کی طرف) سے لاتا ہے (اب) تُو اسے مغرب کی طرف سے لے آ۔ اس پر وہ (کافر) مبہوت ہو (کررہ) گیا۔ اَور (یہ ہونا ہی تھا کیونکہ) اللہ ظالم لوگوں کو (کامیابی کی) راہ نہیں دکھاتا۔2:259

(اَور اس واقعہ کو بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اَے میرے ربّ! مجھے بتا کہ تُو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے۔ فرمایا کہ کیا تو ایمان نہیں لا چکا؟ (ابراہیم نے) کہا کیوں نہیں (ایمان تو بیشک حاصل ہو چکا ہے) لیکن اَپنے اطمینانِ قلب کی خاطر (مَیں نے یہ سوال کیا ہے) فرمایا۔ اچھا! تُو چار پرندے لے اَور اُن کو اپنے ساتھ سِدھا لے۔ پھر ہر ایک پہاڑ پر اُن میں سے ایک (ایک) حِصّہ رکھ دے۔ پھر اُنھیں بُلا۔ وہ تیری طرف تیزی کے ساتھ چلے آئیں گے اَور جان لے کہ اللہ غالب (اَور) حکمت والا ہے۔2:261

سورۃ الانعام

ترجمہ: اَور (یاد کرو) جب ابراہیم نے اَپنے باپ آزر سے یہ کہا کہ کیا تو (بعض) بتوں کو معبود بناتا ہے۔ مَیں تجھے اور تیری قوم کو کھلی (کھلی) گمراہی میں پاتا ہوں۔6:75

(ایک دن ایسا ہُوا) کہ جب رات نے اُس پر پردہ ڈال دیا تو اس نے ایک ستارہ دیکھا (اسے دیکھ کر) اس نے کہا کہ کیا یہ میرا ربّ (ہو سکتا) ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا، تو اُس نے کہا کہ مَیں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔6:77

سورۃ التوبہ

ترجمہ: اَور ابراہیم کا استغفار اَپنے باپ کے لئے صرف اس وجہ سے تھا کہ اُس نے اُس سے ایک وعدہ کیا تھا۔ مگر جب اس پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اُس وعدہ سے پوری طرح دست بردار ہو گیا۔ ابراہیم بہت ہی نرم دل اَور عقل مند تھا۔ 9:114

سورۃ ہود

ترجمہ: اَور اس کی بیوی (بھی پاس ہی) کھڑی تھی۔ اس پر وہ بھی گھبرائی تب ہم نے اس کی تسلّی کے لیے اس کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب (کی پیدائش) کی بشارت دی۔11:72

ترجمہ: اَور ہمارے فرستادے یقیناً ابراہیم کے پاس خوشخبری لائے تھے (اَور) کہا تھا کہ (ہماری طرف سے آپ کو) سلام ہو۔ اس نے کہا (تمہارے لئے بھی ہمیشہ کی) سلامتی ہو۔ پھر (وہ) ایک بھُنا ہوا بچھڑا جلدی سے لے آیا۔11:70

پس جب اس نے اُن کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس (کھانے) تک نہیں پہنچتے تو (اس نے) ان کے (اس) فعل کو غیر معمولی سمجھا اور اس (فعل) سے خطرہ محسوس کیا۔(اس پر) انھوں نے کہا (کہ) تُو خوف نہ کر ہمیں تو لوط کی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔11:71

پس جب ابراہیم سے گھبراہٹ دور ہوگئی اور اسے خوشخبری ملی تو (اس وقت) وہ لُوط کی قوم کے متعلق ہمارے ساتھ جھگڑنے لگا۔11:75

سورۃ ابراہیم

ترجمہ: اَے ہمارے ربّ! مَیں نے اپنی اَولاد میں سے بعض کو تیرے معزز گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی لا بسایا ہے اَے میرے ربّ! (مَیں نے اَیسا اِس لئے کیا ہے) تا وہ عمدگی سے نماز اَدا کریں۔پس تُو لوگوں کے دل اُن کی طرف جھکا دے اَور اُنھیں مختلف پھلوں سے رزق دیتا رہ تا کہ وہ (ہمیشہ تیرا) شکر کرتے رہیں۔14:38

سورۃ الانبیاء

ترجمہ: جب اس نے اَپنے باپ اَور اپنی قوم سے کہا، یہ کیا مجسّمے ہیں جن کے آگے تم بیٹھے رہتے ہو۔21:53

اَور اُس نے کہا، خدا کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو مَیں تمہارے بتوں کے خلاف ایک پکّی تدبیر کروں گا۔21:58

پھر اُس نے اُن (بتوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سوائے ان میں سے بڑے کے تا کہ وہ (ایک دفعہ پھر) اس کے پاس آئیں۔21:59

اس پر انھوں نے کہا کہ ہمارے معبودوں سے یہ کام کس نے کیا ہے ایسا کرنے والا یقیناً ظالموں میں سے ہے۔21:60

(تب کچھ دوسرے لوگوں نے) کہا۔ہم نے ایک نوجوان کو جس کا نام ابراہیم ہے ان کی کمزوریاں بیان کرتے سُنا ہے۔21:61

(اس پر وہ غصّے میں آکر) کہنے لگے۔اس شخص کو جلا دو اَور اَپنے معبودوں کی مدد کرو، اگر تم نے کچھ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔21:69

اَور ہم نے اُسے بھی اَور لوط کو بھی اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے تمام جہانوں کے لئے برکتیں رکھی تھیں۔21:72

سورۃ الحج

ترجمہ: اَور تمام لوگوں میں اعلان کر دے کہ وہ حج کی نیت سے تیرے پاس آیا کریں پیدل بھی اَور ہر ایسی سواری پر بھی جو لمبے سفر کی وجہ سے دُبلی ہوگئی ہو (ایسی سواریاں) دُور دُور سے گہرے راستوں پر سے ہوتی ہوئی آئیں گی۔22:28

سورۃ الشعراء

ترجمہ: اُنھوں نے کہا ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں اَور ان کے آگے بیٹھے رہتے ہیں۔26:72

اَور بعد میں آنے والے لوگوں میں ایک ہمیشہ قائم رہنے والی تعریف مجھے بخش۔26:85

سورۃ العنکبوت

ترجمہ: اَور ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا تھا پس وہ ان میں نو سو پچاس سال تک رہا، سو اس کی قوم کے لوگوں کو طوفان نے آلیا اَور وہ ظالم تھے۔29:15

اس (نصیحت) کے بعد لُوط اُس پر ایمان لے آئے اَور (ابراہیم نے) کہا، مَیں تو اپنے رب کی طرف ہجرت کر کے جانے والا ہوں وہ یقیناً غالب (اَور) بڑی حکمت والا ہے۔29:27

اَور ہم نے اُسے اسحاق اَور یعقوب بخشے، اَور اُس کی ذُریّت کے ساتھ نبوّت اَور کتاب مخصوص کر دی اَور ہم نے اس کو دُنیا میں بھی اس کا اجر بخشا۔اَور آخرت میں بھی وہ نیک بندوں میں شامل کیا جائے گا۔29:28

سورۃ الصّٰفّٰت

ترجمہ: اَور اسی کی جماعت میں سے ابراہیم بھی تھا۔37:84

پھر اس نے ستاروں کی طرف دیکھا۔37:89

اَور کہا کہ مَیں بیمار ہونے والا ہوں۔37:90

پس وہ لوگ اُسے چھوڑ کر چلے گئے۔37:91

پھر چپکے سے اپنے دائیں ہاتھ سے ایک کاری ضرب اُن پر لگائی۔37:94

اَور اُنھوں نے اس سے ایک چالا کی کرنی چاہی مگر ہم نے ان کو نہایت رُسوا

کر دیا۔37:99

اَور ابراہیم نے کہا، میں اَپنے ربّ کی طرف جاؤں گا وہ مجھے ضرور کامیابی کا رستہ دکھائے گا۔ 37:100

تب ہم نے اس کوایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔37:102

پھر جب وہ لڑکا اس کے ساتھ تیز چلنے کے قابل ہو گیا تو اس نے کہا اے میرے بیٹے! مَیں نے تجھے خواب میں دیکھا ہے کہ (گویا) مَیں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ پس تو فیصلہ کر کہ اس میں تیری کیا رائے ہے۔ (اس وقت بیٹے نے) کہا اَے میرے باپ جو کچھ تجھے خدا کہتا ہے وہی کر تو انشاء اللہ مجھے اَپنے ایمان پر قائم رہنے والا دیکھے گا۔37:103

اَور ہم نے اُسے اسحاق کی بھی خبر دی تھی جو نبی تھا اور صالحین میں سے تھا۔37:113

سورۃ الممتحنہ

ترجمہ: تم کو نہ تو تمہارے رحمی رشتے اَور نہ اَولادیں قیامت کے دن نفع پہنچا سکتی ہیں۔ اُس دن خدا ہی فیصلہ کرے گا اَور اللہ تمہارے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔60:4

ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں تمہارے لئے ایک اچھا نمونہ موجود ہے جبکہ انہوں نے اَپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اَور اللہ کے سوا تمہارے معبودوں سے کلّی طور پر بیزار ہیں۔ ہم تمہاری باتوں کا اِنکار کرتے ہیں اَور ہمارے اَور تمہارے درمیان عداوت اَور بُغض اُس وقت تک کے لئے ظاہر ہو گیا ہے کہ تم خدا پر ایمان لاؤ۔ ہاں ہم ابراہیم کے وعدہ کو جو اس نے اَپنے باپ سے کیا تھا مستثنیٰ کرتے ہیں، وہ یہ تھا کہ مَیں تیرے لئے استغفار کروں گا۔ لیکن اللہ کے مقابلہ میں تیری کسی قسم کی مدد پر مَیں قادر نہیں، (اَور ابراہیم نے یہ بھی کہا کہ) اَے ہمارے ربّ! ہم تجھ پر توکّل کرتے ہیں اَور تیری طرف جھکتے ہیں اَور تیری طرف ہی ہم کو لوٹ کر جانا ہے۔60:5

سورۃ مریم، سورۃ صٓ، سورۃ الذاریات میں بھی حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہے۔

تفسیرِ کبیر سے تفصیل:

فرماتا ہے کہ اَب تُو خدا تعالیٰ کے عزیز اَور رحیم ہونے کے ثبوت میں ان کو ابراہیم کا واقعہ سُنا جس نے اَپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی اَور بتوں کی پرستش سے اُسے روکا۔

حضرت ابراہیمؑ ایک بُت پرست بلکہ ایک بُت ساز گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اَور چلڈیا کے ایک شہر اُورک دیم کے رہنے والے تھے اُن کے خاندان کے لوگوں کا گزارا ہی بتوں کے چڑھاوؤں اَور بُت فروشی پر تھا۔ والدین بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اَور چچا کی آغوش میں اُنہوں نے پرورش پائی تھی جس نے اُن کے ہوش سنبھالتے ہی اَپنے بیٹوں کے ساتھ آپ کو بھی بُت فروشی کے کام پر لگا دیا۔ حقیقت سے نا آشنا چچا کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس دل کو خالق کون ومکاں چُن چکا ہے اُس میں بتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ پہلے ہی دن ایک اَمیر گاہک جو اَپنی عمر کی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا اَور تھا بھی مالدار بُت خریدنے کے لئے آیا، بُت فروش چچا کے بیٹے خوش ہوئے کہ آج اچھی قیمت پر سودا ہو گا۔ بوڑھے اَمیر نے ایک اچھا سا بُت چنا اَور قیمت دینے ہی لگا تھا کہ اُس بچہ کی توجہ اُس گاہک کی طرف ہوئی اَور اُس نے سوال کیا کہ اَے بوڑھے تم قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہو تم اس چیز کو کیا کرو گے؟ اُس نے جواب دیا کہ گھر لے جاؤں گا اَور ایک صاف اَور مطہر جگہ پر رکھ کر اس کی عبادت کروں گا۔ یہ سعید بچہ اس خیال پر اَپنے جذبات نہ روک سکا اَور پوچھا تمہاری عمر کیا ہو گی؟ اس نے اَپنی عمر بتائی اَور اس بچہ نے نہایت حقارت آمیز ہنسی ہنس کر کہا کہ تم اِتنے بڑے ہو اَور یہ بت تو ابھی چند دن ہوئے میرے چچا نے بنوایا ہے کیا تمہیں اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے شرم نہ آئے گی۔ نہ معلوم اس بوڑھے کے دل پر توحید کی کوئی چنگاری گری یا نہ گری لیکن اُس وقت اُس کا بُت کو خریدنا مشکل ہو گیا اَور وہ بت وہیں پھینک کر چلا گیا۔ اس طرح ایک اچھے گاہک کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بھائی سخت ناراض ہوئے اَور اُنہوں نے اَپنے باپ تارہ کو اطلاع دی جس نے اس بچہ کی خوب خبر لی۔ یہ پہلی تکلیف تھی جو اس پاکباز ہستی نے توحید کے لئے اُٹھائی۔ مگر باوجود چھوٹی عمر اَور کم سنی کے زمانہ کے یہ سزا جوشِ توحید

کوسرد کرنے کی بجائے اُسے اَور بھی بھڑکانے کا موجب ہوئی۔ سزا نے فکر کا دروازہ کھولا اَور فکر نے عرفان کی کھڑکیاں کھول دیں۔ یہاں تک کہ بچپن کی طبعی سعادت جوانی کا پختہ عقیدہ بن گئی اَور آخر اللہ تعالیٰ کا نور ذہنی نور پر گر کر الہام کی روشنی پیدا کرنے کا موجب ہوگیا۔ اَور خدا تعالیٰ نے آپ کو انبیاء کی اصلاح کے لئے نبوت کے مقام پر سرفراز فرمایا۔

چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے تمام خاندان کا گذارا ہی بُتوں کی فروخت پر ہوتا تھا اَور تارہ خود بھی بُت پرست تھا اِس لئے اس نے اَور اس کے بیٹوں نے اُن کو مشورہ دیا کہ ہم بت پُرست ہیں اَور ہمارا گزارا ہی اسی پر ہے۔ اگر ہم نے بتوں کی پرستش نہ کی تو ہمارا رزق بند ہو جائے گا مگر آپ نے نہایت دلیری سے جواب دیا کہ جن بتوں کو انسان اَپنے ہاتھ سے گھڑتا ہے ان کو میں ہرگز سجدہ نہیں کرسکتا۔ اس جواب کی اہمیت کا اندازہ صرف وہی کرسکتا ہے جسے قربانی کرنے کا موقع ملا ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کو اَپنے زمانہ کے لوگوں میں شرک کو مٹانے کے لیے بڑی جدو جہد کرنا پڑی آپ کے زمانہ میں شرک فلسفیانہ مضمون بن گیا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے اَپنی قوم کو صرف یہی نصیحت نہیں فرمائی، بلکہ آپ نے ان پانچ اُمور کی طرف توجہ دلائی:

اوّل بے جان بت کچھ نہیں کرسکتے دوم رزق اور خیر و برکت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ سوم صرف اسی کی عبادت کرو چہارم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر و قیمت کا احساس پیدا کرو اَور شکر بجالاؤ۔ پنجم تم مرنے کے بعد خُدا کے حضور دوبارہ اُٹھائے جاؤ گے اسلئے اسکو خوش کرنے والے کام کرو۔

یہ اُمور ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے انہیں صرف بتوں کی پرستش سے نہیں روکا بلکہ اس فلسفہ کا بھی رَدّ کیا ہے جو اس بُت پرستی کے پیچھے اس زمانہ میں کام کررہا تھا اَور انہیں بتایا ہے کہ پتھر کے بے جان بُتوں نے تمہیں کیا دینا ہے تم اگر کچھ لینا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو جو اَپنے اندر تمام طاقتیں رکھتا ہے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد پنجم سورۃ العنکبوت صفحہ 602-618)

میں اس پر دلیل سے قائم ہوں اَور میں تمہارے گھروں کی طرف لوٹ جانے کے بعد تمہارے بتوں کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا۔ چنانچہ اس نے بڑے بت کو چھوڑ کر باقی بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ شائد وہ خدا تعالیٰ کی طرف لوٹیں اس پر اس کی قوم کے لوگ بہت بگڑے اَور کہا کہ ہمارے معبودوں سے یہ کام جس نے کیا ہے وہ بڑا ظالم ہے جو لوگ ابراہیمؑ سے بحث کر کے آئے تھے انہوں نے کہا کہ ایک نوجوان ان بتوں کی بُرائی سے ذکر کرتا تھا اُس کا نام ابراہیمؑ ہے۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا اَے ابراہیمؑ یہ سب کیا تیری کرتوت ہے ابراہیمؑ نے کہا کہ ہاں یہ کام کسی نے تو ضرور کیا ہو گا بغیر کسی کے کرنے کے آپ ہی آپ نہیں ہوسکتا یا یہ بُت جو سب سے بڑا ہے اس سے پوچھو مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟ یہ جواب سن کر وہ بولے ابراہیمؑ تم جانتے ہو کہ یہ تو بولتے نہیں تب حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا خدا تعالیٰ کے سوا اُن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو جو تمہیں کچھ نفع بھی نہیں دیتے اَور نہ نقصان دیتے ہیں۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد پنجم سورۃ انبیاء صفحہ 529-530)

اس کے بعد بھی جب ابراہیمؑ سے اس زمانہ کے لوگوں نے مسلسل یہ باتیں سنیں کہ بتوں کی پرستش ترک کردو اَور خدائے واحد کی عبادت کرو تو اُنہوں نے ایک دوسرے کو آپ کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا اَور کہا کہ آؤ اَور اس کو قتل کر دو یا اس کو آگ میں ڈال کر جلا دو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے آگ سے بچالیا۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں اِس طریق کا ذکر کرتے ہوئے جس سے کام لے کر آپ کو بچالیا گیا تھا فرماتا ہے: ہم نے اس آگ سے کہا کہ! اَے جسمانی آگ تیرے اَندر ایک روحانی آگ داخل ہو رہی ہے اَب تیرا کام یہ ہے کہ اس آگ کے مقابلہ میں سرد ہو جا۔ ابراہیمؑ کے دل میں میری محبت کی آگ بھڑک رہی ہے اور میرے عشق کی آگ کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جس طرح سورج کے مقابلے میں شمعیں ماند پڑ جاتی ہیں اِسی طرح میری محبت کی آگ کے مقابلہ میں تیری آگ کوئی حثیت نہیں رکھتی پس ابراہیمؑ کے لئے سرد ہو جا۔ چنانچہ اِسی وقت بادل آیا اور برسا اَور وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اَور یہ معجزہ دیکھ کر اُس کی قوم کے بعض لوگوں کے دِلوں میں ایمان پیدا ہوگیا اَور اسی کے لئے سلامتی کے سامان پیدا ہو گئے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد پنجم سورۃ العنکبوت صفحہ 602-618)

اَور پھر حضرت ابراہیمؑ کو اس واقعہ کے بعد بادشاہ نمرود کے سامنے پیش کیا

گیا جو سورج کو سب سے بڑا دیوتا سمجھتا تھا۔ وہاں آپ کی اس سے جو بحث ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے:

قرآن کریم کے مطابق بحث خدائے واحد کے بارہ میں تھی۔ بحث میں بادشاہ نے کہیں کہہ دیا کہ دیکھ مَیں تجھے تباہ کر دوں گا کیونکہ مَیں حاکم ہوں۔ آپؑ نے فرمایا تباہی یا آبادی تو خدا کے اختیار میں ہے۔

طالمود میں یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نمرود سے یہ بحث کنعان میں آنے سے پہلے ہوئی تھی۔ خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے جو یہ کہا کہ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ میرا ربّ وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ تو اس سے اُن کی مراد ظاہری موت اور حیات نہیں تھی۔ بلکہ کامیابی اور ناکامی، اور عزّت اور ذلّت، اور آبادی اور بربادی مراد تھی۔ چونکہ آپ سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہو چکا تھا کہ وہ آپ کو کنعان کا ملک دے گا اور آپ کی اولاد کو غیر معمولی ترقی حاصل ہو گی اِس لئے آپ نے فرمایا کہ میرا ربّ وہ ہے جو احیاء اور اماتت کی صفت اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے کامیاب کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ناکام کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غلبہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے شکست دے دیتا ہے۔ اس پر اُس نے کہا اَنَا اُحْيٖ وَ اُمِيْتُ۔ یہ بات تو میرے اختیار میں بھی ہے کہ میں جسے چاہوں ترقی دے دوں اور جسے چاہوں ذلیل کر دوں۔ جیسا کہ اُوپر بتایا جا چکا ہے سورج اُن کا سب سے بڑا دیوتا سمجھا جاتا تھا اور بادشاہ بھی اس کی پرستش کرتا تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُسے جواب میں کہا کہ خدا تعالیٰ نے تو یہ سلسلہ جاری کیا ہوا ہے کہ وہ سورج کو مشرق سے چڑھاتا ہے اور اس طرح دُنیا کو نفع پہنچاتا ہے۔ لیکن اگر دُنیا کو نفع پہنچانا تیرے اختیار میں ہے تو یہ جو سورج چڑھا ہوا ہے اِس کو مغرب سے مشرق کی طرف لوٹا دے۔ وہ دن کا وقت تھا اور سورج چڑھا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اِسے واپس لوٹا دے یعنی اسے پیچھے کو لے جا، یا یہ کہا کہ اسے مغرب سے چڑھا لا گویا انہوں نے اُسے کہا کہ اِس پر اپنی حکومت قائم کر کے دکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مدّعا یہ تھا کہ اگر دُنیا کا نفع و نقصان تمہارے ہاتھ میں ہے تو پھر سورج کیا کرتا ہے اور اگر سورج نفع و نقصان پہنچانے اور مالک ہونے کا تمہارا دعویٰ باطل ہے اِس پر جیسا کی تاریخ بتاتی ہے وہ مبہوت ہو کر لاجواب ہو گیا۔ کیونکہ اگر وہ جواب دیتا تو وہ یہ کہتا کہ مَیں نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ سورج ہی پہنچاتا ہے اور ترقی اور تنزل اُس کے اختیار میں نہیں۔ اور اگر وہ ایسا کہتا تو اس سے اُس کا دعویٰ باطل ہو جاتا کہ اَنَا اُحْيٖ وَ اُمِيْتُ۔ اور اگر وہ یہ کہتا کہ مَیں ہی یہ تمام کام کرتا ہوں سورج نہیں کرتا اور نفع نقصان بھی میرے ہی اختیار میں ہے سورج کے اختیار میں نہیں تو اس پر اُس کی قوم دشمن ہو جاتی کیونکہ وہ سورج کی پرستش کرتی تھی بلکہ وہ خود بھی سورج کا پرستار تھا اِس وجہ سے وہ کوئی جواب نہ دے سکا اور خاموش ہو گیا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 594-593)

جوزیفسؔ مشہور یہودی مورؔخ پرانی کتب سے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ابراہیم پہلے آدمی تھے جنہوں نے دلیری سے خدا کے خالق ہونے اور ایک ہونے کا اعلان کیا اور کہا کہ سب ستارے خدا کے قبضہ میں ہیں اور اسی کے حکم کے ماتحت حرکت کرتے ہیں چونکہ ان کی قوم ستارہ پرست بھی تھی ان کی ستارہ پرستی کی مخالفت نے جلد نیز کا غصہ بھڑکا دیا اور ان کو اپنا ملک چھوڑ کر کنعان جانا پڑا۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے زراعت کے بعض عمدہ طریق ایجاد کئے اور اَپنے باپ تارہ (سورۃ انعام میں ان کے والد کا نام آذر کہا ہے تو پھر یہ تارہ کون ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے والدین تو بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اور آپ کے چچا نے آپ کو پالا تھا اس کا نام بائبل میں تارہ لکھا ہے لیکن اصل نام آذر تھا جو بگڑتے بگڑتے تارہ ہو گیا) کو توحید کی تعلیم دی تو اس نے آپ کو لوگوں کے ڈر کی وجہ سے خاموش رہنے کا حکم دیا جب ابراہیمؑ کے بھائی بھی مخالف ہو گئے تو آپ نے بتوں کو آگ لگا دی اور انکا بھائی جل مَرا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکڑی کے بت تھے۔

لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ نئے سال کے چاند کو دیکھ کر اگلے سال کی فراخی کے بارے میں اندازہ لگا رہے تھے کہ الہام ہوا کہ خُدا کی مرضی کے مقابلہ میں ستاروں کا اثر کیا حقیقت رکھتا ہے۔ آخر بہت دُعاؤں کے بعد آپ نے

اپنی قوم کو چھوڑ دیا تا کہ اعلیٰ صداقتوں کو دُنیا میں قائم کریں۔
بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سال کی عمر میں آپ کو علم ملا اور بعض میں دس اور بعض میں چالیس لکھا ہے فلسطینی ربّیوں کے لٹریچر میں آپ کے زمانہ کے بادشاہ کا نام نمرود بتایا ہے چاند تارے کا واقعہ یوں بیان کیا کہ (نمرود کو نجومیوں نے بتایا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت تباہ کر دے گا) اور ابراہیم کے باپ نے ڈر کے مارے ان کو تین سال تک چھپائے رکھا جب وہ بورے سے باہر نکلا تو سورج کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا خدا ہے چاند اور ستاروں کو اس کا نوکر سمجھا جب سورج ڈوب گیا تو چاند کو ربّ اور سورج ستاروں کو اس کا نوکر بنا دیا جب صبح کو چاند بھی چلا گیا تو کہا ان میں کوئی میرا ربّ نہیں ہوسکتا خدا کوئی اور ہوگا اِس پر اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ میں بتوں کو نظر چڑھاؤں گا اور پوچھا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے باپ نے کہا کہ یہ بڑا بت ہمارا خُدا ہے آپ نے اچھا کھانا بنوایا اور اس کے سامنے رکھا اور جب دو دفعہ اس نے نہ کھایا اور نہ جواب دیا تو آگ لگا دی جب تارہ آیا تو اس نے پوچھا یہ کس نے کیا ہے آپ نے کہا بڑا چھوٹوں پر ناراض ہوگیا تو اس پر ان کو بھی غصہ آ گیا تو انہوں نے آگ لگا دی تو وہ کہنے لگا کہ بیوقوف یہ نہ تو سنتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ چل سکتے ہیں تو آگ کیسے لگا سکتے ہیں پھر اُنہوں نے کہا پھر تم ایک زندہ خدا کو کیوں نہیں مانتے اِس پر نمرود نے اُسے بلایا اور کہا کہ میں خدا اور دُنیا کا حاکم ہوں اس پر ابراہیم نے کہا کہ اگر تو خدا ہے تو سورج کو مشرق کی بجائے مغرب سے نکال کر دکھا اور تو نہ اَپنے باپ کو مرنے سے بچا سکا اور نہ خود بچ سکتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے انہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ سے فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو بتوں کی بیچارگی کی طرف توجہ دلائی اور اُن سے پوچھا کہ بتاؤ کیا یہ تمہیں کوئی نفع دیتے ہیں یا تمہارے دشمنوں کو ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے شرمندہ ہو کر کہا کہ نتیجہ تو کچھ نہیں نکلتا لیکن ہم نے اَپنے باپ دادوں کو ایسا کرتے دیکھا تو ہم بھی اَیسے کرنے لگ گئے حضرت ابراہیمؑ نے انہیں جواب دیا کہ تم مجھے ان معبودوں کی حالت تو بتاؤ جن کی تم پرستش کرتے ہو یعنی تم بھی اور تمہارے پہلے باپ دادا بھی تمہارے یہ معبود میرے دشمن ہیں سوائے ربّ العالمین خدا کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اگر یہ بُت اَپنے اَندر کوئی طاقت رکھتے تو کیا یہ سب مل کر مجھ اکیلے پر غالب نہ آ جاتے۔
یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پتھر کے بے جان بتوں کو دُشمن کیوں کہا گیا ہے اِس کا جواب یہ ہے کہ تم تو سمجھتے ہو کہ وہ معبود ہیں مگر میں ان کی عبادت نہیں کرتا اس لئے لازماً وہ میرے دشمن ہوں گے سوائے ربّ العالمین خدا کے جس کی میں عبادت کرتا ہوں پس اَب ہم دیکھ لیں گے کہ ربّ العالمین خُدا میری مدد کر کے مجھے بچاتا ہے یا تمہارے معبود میری دشمنی کر کے مجھے ہلاک کرتے ہیں لیکن یہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے اِس لئے کہ اُن میں کوئی طاقت نہیں۔ چنانچہ نتیجہ نے بتا دیا کہ ربّ العالمین خُدا نے ابراہیمؑ کو بچا لیا اور اُس کی قوم کے معبود اُس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔ اِسی طرح اُس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو حضرت ابراہیمؑ کو ماننے والے تھے وہ کامیاب ہو گئے اور اُن کے دُشمن تباہ ہوگئے۔
پھر ربّ العالمین کے الفاظ استعمال فرما کر حضرت ابراہیمؑ نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ میں جس خدا پر ایمان رکھتا ہوں وہ ایک زندہ اور طاقتور خدا ہے مگر تمہارے معبودوں میں تو جان ہی نہیں اُنہوں نے کسی کی کیا مدد کرنی ہے؟
ربّ العالمین کہہ کر حضرت ابراہیمؑ نے اِس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ میرا خدا زندہ خُدا ہے جس سے ہر زمانہ کے لوگ ویسا ہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جیسے پہلے لوگ فائدہ اُٹھاتے رہے ہیں۔
ربّ العالمین کے الفاظ میں یہ پیشگوئی بھی مخفی تھی کہ یہ دین آخر ایک عالمگیر صورت اختیار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اَیسا نبی مبعوث ہوگا جو ساری دُنیا کی طرف ہوگا اور جس کی فیض رسانی کے دائرہ سے کوئی نفس بھی باہر نہیں رہے گا۔
آپ نے اَپنی قوم کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ تمہیں اَپنی پیدائش کے مقصد پر غور کرنا چاہئے اور اَپنی زندگی کو رائیگاں نہیں کرنا چاہئے۔
حضرت ابراہیمؑ نے چونکہ اللہ تعالیٰ پر ایک بہت بھاری اُمید کا اظہار کیا تھا

اِس لئے آپ نے سمجھا کہ اَب میرا فرض ہے کہ میں خود بھی اُس کے آستانہ پر جُھک جاؤں اور اُس سے دُعا کروں کہ وہ میری اِس خواہش کی تکمیل کے سامان پیدا فرمائے اَور مجھے اَیسی توفیق بخشے کہ میں اس کے پیغام کو اَحسن طریق پرلوگوں کو پہنچاتا چلا جاؤں۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اَے میرے ربّ مجھے حکم عطا فرما اَور مجھے نیک اَور پاک لوگوں میں شامل کر دے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ تو خدا کے نبی تھے اَور جو شخص دُنیا کا راہنما بنا کر بھیجا گیا جس کے متعلق لوگوں کو یہ کہا گیا کہ اگرتم نجات حاصل کرنا چاہتے ہو اس کی اقتداء کرو تو اس نے یہ دُعا کیوں کی کہ مجھے صالحین کے ساتھ شامل کی جیو؟ درحقیقت حضرت ابراہیمؑ نے یہ دُعا مانگ کر دُنیا کو ایک بہت بڑا اسبق سکھایا ہے کہ کسی شخص کو خواہ کتنا بلند مقام حاصل ہو چکا ہو یہ کبھی نہیں سوچنا چاہئے کہ اس نے ترقی کے تمام مدارج طے کر لئے ہیں کیونکہ جب بھی یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوگا وہ تنزلی کی طرف گرنا شروع ہو جائے گا۔اِس لئے مومنوں کو روحانی مدارج طے کرتے وقت یہ اَمر ہمیشہ مدّ نظر رکھنا چاہئے کہ وہ کسی مقام کو انتہائی مقام نہ سمجھ لیں اَور کسی مقام پر پہنچ کر وہ یہ خیال نہ کر لیں کہ اب ہمیں گرنے کا کوئی خطرہ نہیں۔

اگر حضرت ابراہیمؑ یہ دُعا نہ مانگتے تو لوگ یہ خیال کر لیتے کہ ہمیں بھی اَیسی کسی دُعا کی ضرورت نہیں۔

پھر آپ دُعا کرتے ہیں کہ اَے خُدا آخری زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں میرے لئے دُعا کی تحریک پیدا کر دے لیکن وہ عارضی نہ ہو بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ہو اَور یہ زبانی طور پر ہی نہیں بلکہ باطنی طور پر بھی میرے نیک کام دُنیا میں قائم رہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی اس دُعا کو تمام مذاہب میں سے صرف مسلمانوں نے پورا کیا، ہوسکتا ہے کہ ابراہیمؑ کے اَپنے بیٹے اَور پوتے آپ کے لئے دُعا کرتے ہوں لیکن بہت ساری نسلیں گزر جانے کے بعد روحانی اَور جسمانی اَولاد اُن کو بھول گئی لیکن مسلمان تیرہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی ہر نماز میں آپ کے لئے دَرُود شریف پڑھتے ہیں۔

پھر آپؑ نے اَپنے باپ آذر کے لیے خدا سے دُعا کی کہ اَے خُدا میرے باپ کو معاف کر دے کیونکہ وہ ہدایت اَور راستی کے طریق سے منحرف ہو جانے والے لوگوں میں سے تھا۔

یہاں لفظ اَب استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد ان کے چچا ہیں کیونکہ آپؑ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے اور آپ کے چچا نے پالا جب آپ نے ان کو تبلیغ کی تو اس نے آپ کو دھمکی دی کہ اَے ابراہیم اگر تو باز نہ آیا تو میں تمہیں سنگسار کر دونگا بہتر ہے تو میری نظروں سے اوجھل ہو جا اس پر آپ نے کہا کہ بے شک آپ سختی کر رہے ہیں مگر پھر بھی میں اَپنے خدا سے آپ کے لئے رحم کی دُعا کرونگا۔

لیکن جب آپ کو خدا نے بتایا کہ مشرکوں کے لیے رحم کی دُعا کرنا ایمان لانے والوں کی شان کے خلاف ہے چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں آپ کا اَپنے چچا کے لئے استغفار صرف اس لئے کیا تھا کہ آپ نے اُن سے وعدہ کیا تھا مگر جب خدا نے آپ پر ظاہر کر دیا تو آپ بکلّی طور پر اس سے بیزار ہو گئے۔ابراہیمؑ یقیناً بڑا ہی دَردمند دل رکھنے والا اور بُردبار انسان تھے۔

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف قرآنِ کریم یہ بتاتا ہے کہ جب اُن پر اَپنے اَب کے متعلق حقیقت واضح ہوگئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دُشمن تھا یعنی شرک کی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا تو وہ اس کے لئے مغفرت کی دُعا کرنے سے پوری طرح دست بردار ہو گئے مگر دوسری طرف قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت یہ دُعا کی اَے میرے ربّ تو مجھے بھی اَور میرے والدین کو بھی قیامت کے دن مغفرت کے دامن میں چھپالی جیو اَور ہمارے گناہوں کو بخش دی جیو۔یہ ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر اُنہوں نے اس وقت کی جب کہ حضرت اسمٰعیلؑ اَور حضرت اسحاقؑ جوان ہو چکے تھے اَور چونکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اَور حضرت اسحاقؑ دونوں کی پیدائش آپ کے بڑھاپے کے زمانہ میں ہوئی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا آخری عمر میں اَپنے والدین کے حق میں دُعا کرنا یہ بتاتا ہے کہ چونکہ زمانہ فترت میں انتقال ہو چکا تھا اس لئے اُنہوں نے اُن کے

لئے دُعا کر دی۔لیکن ان کے چچا نے چونکہ نبوت کا زمانہ پایا اَور اُسے توحید کی تبلیغ بھی کی گئی لیکن پھر بھی وہ اَپنے شرک پر مصر رہا اَور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا اسلئے حضرت ابراہیمؑ اَپنے وعدہ سے دست بردار ہو گئے۔

اَور یہ اَمر بھی قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ انبیاء کی بعثت سے پہلے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں بوجہ اس کے کہ اُن پر حجّت تمام نہیں ہوتی اُن کا معاملہ ان لوگوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے جن پر نبی کے زمانہ میں حجّت تمام ہو۔لیکن اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ صرف ان لوگوں پر حجّت ہوگی جو نبی کے زمانہ میں تھے بلکہ انبیاء کی حیات دو طرح ہوتی ہے ایک اس کی حیات جسمانی ہوتی ہے اور ایک اس کی حیات فیضانی ہوتی ہے۔پس نبی کی حیات جو فیضانی ہوتی ہے اس میں جتنے لوگ ہوں سب پر حجت تمام ہوتی ہے کیونکہ نبی کے زیر سایہ اَور زیر تعلیم لوگوں کے ذریعہ وہ ایسے نشانات دیکھتے ہیں جن سے زندہ خدا کا ثبوت مل جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں: اَے میرے ربّ! مجھے اس دن کی رسوائی سے محفوظ رکھ جس دن تمام لوگ اَپنے اَپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے اُٹھائے جائیں گے۔اَور جس دن اِنسان کو نہ اُس کا مال اَور نہ ہی بیٹے کام آئیں گے۔وہی شخص فائدہ میں رہے گا جو اللہ کے پاس ایک پاک اَور بے عیب اَور مطمئن دل لیکر حاضر ہوگا۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 سورالشعراء صفحہ 204-152)

حضرت ابراہیمؑ نے یہ دُعا بھی کی کہ اَے میرے ربّ اس جگہ کو اَمن والی جگہ بنا اَور مجھے اَور میرے بیٹوں کو اس بات سے دُور رکھ کہ ہم معبودانِ باطلہ کی پرستش کریں۔اس دُعا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اس بات کا علم رکھتے تھے کہ مکہ کے علاقوں میں شرک پھیلنے والا ہے تبھی تو اُنہوں نے یہ دُعا کی۔

حالانکہ جس وقت آپ نے یہ دُعا کی اس وقت مکہ میں شرک کا نام و نشان نہیں تھا صرف اسمٰعیلؑ کا گھر آباد تھا یا وہ لوگ بستے تھے جو ان کے تابع تھے۔اس دُعا سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ توحید اَور شرک کے دَور دُنیا پر آتے رہتے ہیں اَور موحد قومیں مشرک ہو جاتی ہیں اَور مشرک موحد ہو جاتی ہیں۔ اس دُعا سے یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ابراہیمؑ شرک کر سکتے تھے اگر نہیں تو اُنہوں نے یہ دُعا کیوں کی کہ خدایا مجھے شرک سے بچا۔اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی طاقتیں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ جو اللہ نے اسے دی ہیں مثلاً کوئی شخص یہ دُعا نہیں کرتا کہ اَے خدا میرے دو سر ہو جائیں۔دوسری طاقت وہ ہے جو انسان کو **کسباً یا وھباً** ملتی ہیں یعنی وہ انہیں آپ ترقی کر کے حاصل کرتا ہے یا خُدا تعالیٰ کا خاص فضل دوسرے انسانوں سے ممتاز کر کے عطا کرتا ہے۔اَیسی طاقتوں میں چونکہ تنزلی کا اِمکان ہوتا ہے تو اُن کے لئے دُعا جاری رکھی جاتی ہے۔اِس نکتے کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں لوگوں نے یہ دھوکا کھایا ہے کہ گویا وہ گنہگار تھے جو انہیں توبہ اَور استغفار کے لئے کہا گیا۔

حالانکہ ان کے توبہ استغفار کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جس مقام طہارت پر وہ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک موہبت ہے اور اس کے جاری رکھنے کے لئے وہ دُعا کرتے ہیں۔کیونکہ اس کا تسلسل اللہ تعالیٰ کا فضل چاہتا ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد سوم سورۃ ابراہیم صفحہ 484-483)

اَور یاد کر جب ہم نے ابراہیمؑ کو بیت اللہ کی جگہ پر رہائش کا موقع دیا اَور کہا کہ کسی چیز کو ہمارا شریک نہ بناؤ اَور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اَور کھڑے ہو کر عبادت کرنے والوں کے لئے اَور رکوع کرنے والوں کے لئے اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے جس قربانی کا مطالبہ کیا تھا اور جس کی وجہ سے اسماعیلؑ کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑا اس کی اصل غرض یہ تھی کہ وہ بڑے ہو کر بیت اللہ کی حفاظت اَور دینِ ابراہیمی کی خدمت کریں۔اَور ان کے ذریعہ وہ اولاد پیدا ہو جس کے ہاتھوں خُدا تعالیٰ اَپنے دین کا آخری دَور قائم کرنا چاہتا تھا پس دَرحقیقت حضرت اسماعیلؑ کو جس دن بیت اللہ چھوڑا گیا اسی دن آپؐ کی آمد کا اعلان کیا گیا۔

کیونکہ بیت اللہ نے رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر کا آخری گھر ہونا تھا۔اَور اس کی تیاری حضرت اسمٰعیلؑ کے زمانہ سے شروع کر دی گئی۔دُنیا میں جب بھی کوئی بڑا کام ہونے لگتا ہے تو پہلے سے اس کی تیاری شروع کر دی جاتی ہے۔رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا چونکہ

مکّہ میں ظہور ہونا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق دو ہزار سال پہلے حضرت اسمٰعیلؑ کے ذریعہ تیاری شروع کردی۔

فرماتا ہے کہ یاد رکھو ہم نے خانہ کعبہ کی تعمیر ابراہیمؑ کے زمانہ میں اس تعلیم کے لئے شروع کی کہ وہ اس گھر کو شرک سے پاک رکھیں اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ کو اور اسماعیلؑ کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس گھر کو صاف کرو کیونکہ یہاں میرا وہ نبی آنے والا ہے جس کے نور سے دُنیا منور ہوگی۔

یہاں پر اَیسے نیک لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اللہ کے نام کو روشن کرنے کے لئے اَپنے جذبات کی انتہائی قربانی دی کہ ان میں ہر شخص زندہ ابراہیمؑ بن گیا آپؐ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آپؐ ابوابراہیمؑ بھی تھے اور آپؐ کی قوتِ قدسیہ سے آپ کی روحانی اَولاد میں ہزاروں ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور اُنہوں نے وہی نظارہ پیش کیا جو حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیا تھا۔

حج حضرت ابراہیمؑ کے اُس سچے اخلاص کے واقعہ کو بھی زندہ کرتا ہے جس کا نمونہ آج سے چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیمؑ نے دکھایا۔اَور جس کے نتائج آج تک دُنیا کو نظر آرہے ہیں۔اُور کی سرزمین میں آج سے چار ہزار سال پہلے ایک مشرک گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا جو خاندان کے مشرک ہونے کے باوجود نورانی دِل رکھتا تھا اَور بچپن ہی سے بتوں سے نفرت کرتا تھا جب اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی بڑھتی ہوئی ضلالت دیکھی تو ایک وجود ابراہیم ان کی رہنمائی کے لئے چنا اَور اُسے اَپنے فضل سے ممسوح کیا اَور اُسے کہا کہ جا اَپنے بیٹے کی قربانی کرتا کہ لوگ نیکی اَور تقویٰ کی پنیری لگائیں اَور پاکیزگی وطہارت کا چشمہ پھوڑا جائے۔آپؑ نے کہا بہت اچھا میں تیار ہوں۔اُنہوں نے اَپنے بیٹے کو جو بڑھاپے میں نصیب ہوا تھا اس وادیٔ ذی ذرع میں لاکر چھوڑ دیا،جس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ وہاں کھانے پینے کا سامان نہیں تھا۔ایسی پُرخطر اَور بھیانک وادی میں حضرت ابراہیمؑ نے صرف اِس لئے اَپنے بیٹے اَور اس کی والدہ کو چھوڑا تا کہ خدا کا ذکر بلند ہو اَور اس کی کھوئی ہوئی عظمت دُنیا میں قائم ہو۔صرف ایک تھیلی کھجور اَور ایک مشکیزہ پانی اس ماں بچے کو دیا گیا جن کے متعلق یہ الٰہی فیصلہ تھا کہ اَب وہ ہمیشہ یہاں رہیں گے جب ابراہیمؑ نے سوچا کہ یہ ختم ہو جانے کے بعد یہاں پر صرف ریت کے ذرّوں اَور آفتاب کی چمک کے اَور کوئی چیز میرے بچے اَور بیوی کے لیے نہیں یہ سوچ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو اَور رِقت طاری ہوگئی حضرت ہاجرہ سمجھ گئیں کہ بڑی بات ہے اَور کہنے لگی کہ آپ کہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں یہاں تو نہ پینے کے لئے اَور نہ کھانے کے لیے کوئی غذا ہے آپؑ نے جواب دینا چاہا مگر رِقت کی وجہ سے آواز نہ نکل سکی تب حضرت ہاجرہؓ نے کہا کہ کیا آپؑ خدا کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں یا اَپنی مرضی سے۔اِس پر اُنہوں نے آسمان کی طرف اَپنے ہاتھ اُٹھالئے اس کا مطلب یہ تھا کہ میں خدا کی رضا کے لئے کر رہا ہوں اس جواب کو سن کر یقین اَور ایمان سے پُر ہاجرہ جو اَپنی جوانی کی عمر میں تھی اَور جس کا ایک ہی بیٹا تھا رُک گئی اَور کہنے لگی اگر خدا کی منشاء ہے تو خدا ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا جب پانی اَور غذا ختم ہوئی یہ جانتے ہوئے بھی یہاں کچھ نہیں آپ بچے کی پیاس سے بڑھتی ہوئی تکلیف سے کہ شاید کوئی آدمی یا آبادی یا پانی نظر آئے۔اُنہوں نے جس حد تک اِنسانی نظر کام کر سکتی تھی دیکھا مگر اُنہیں کہیں پانی نظر نہیں آیا۔تب وہ اِسی گھبراہٹ میں اُتریں اَور ڈورتی ہوئی دوسرے ٹیلے پر چڑھ گئیں۔اِسی کرب واضطراب کی حالت میں حضرت ہاجرہؓ سات دفعہ دوڑیں اَور آخران کا دل بیٹھنے لگا کہ اَب کیا ہوگا اس پر معاً خدا کا الہام نازل ہوا کہ جا اَور بچے کو دیکھ خدا نے تیرے بچے کا سامان پیدا کر دیا ہے حضرت ہاجرہؓ واپس آئیں تو دیکھا جہاں بچہ پیاس سے تڑپ رہا تھا وہاں پانی کا چشمہ پھوٹ رہا تھا جسے ہم زمزم کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام آپ نے خوشی میں رکھا کیونکہ زمزم اس گیت کو کہتے ہیں جو خوشی میں گایا جاتا ہے اَب غذا کی فکر تھی اتفاقاً ایک قافلہ راستہ بھول گیا اَور اُسی جگہ پہنچ گیا جہاں آپ بیٹھی تھیں اُنہوں نے جب چشمہ دیکھا تو کہا کہ اَب ہم یہاں آپ کی رعایا بن کر رہیں گے۔آپ ہمیں یہاں بسنے کی اجازت دے دیں۔حضرت ہاجرہؓ نے انہیں اجازت دے دی اَور وہ وہاں حضرت ہاجرہؓ کی رعایا بن کر رہنے لگے اَور پیشتر اس کے اسمٰعیلؑ جوان ہوتا خدا نے اُسے بادشاہ بنادیا۔

آج تک حج کے ایاّم میں حضرت ہاجرہؓ کے اس واقعہ کے یادگار کے طور پر

سات دفعہ صفا اور مروا پر ہر حاجی کو سات دفعہ دوڑنا پڑتا ہے۔
حضرت ابراہیمؑ نے بیتُ اللہ نہیں بنایا تھا بلکہ وہ پہلے سے بنا ہوا تھا آپ نے اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر انہی نشانوں پر اس کی دوبارہ تعمیر کی تھی۔
اس کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ رؤیا میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں جس کی تعمیل میں انہوں نے حضرت اسمٰعیلؑ کو ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں جا کر چھوڑ دیا اور اس طرح عملی رنگ میں اپنے ہاتھوں انہیں ذبح کر دیا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد ششم صفحہ 25,26,51,107)
حج دراصل اس عظیم الشان قربانی کی یاد کو بھی تازہ کرتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاجرہؑ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کے قریب ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں چھوڑ کر سرانجام دی تھی بعض لوگ غلطی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ وہ اپنے بچے حضرت اسمٰعیلؑ کی گردن پر چھری پھیرنے کے لئے تیار ہو گئے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کی یادگار حج کی صورت میں قائم کر دی۔ حالانکہ اگر یہ دُرست ہوتا تو چونکہ یہ واقعہ شام میں ہوا تھا۔ اس لئے حج کا اصل مقام شام ہوتا نہ کہ حجاز اور لوگ وہاں جمع ہو کر خدا تعالیٰ کو یاد کرتے اور کہتے ابراہیمؑ نے کس قدر قربانی کی تھی لیکن خدا تعالیٰ نے حج کے لئے مکہ مکرمّہ کو چُنا اور منیٰ اور مزدلفہ اور عرفات میں جانا اور وہاں مناسک حج بجالانا ضروری قرار دیا۔ پس میرے نزدیک حج کا تعلق آپ کا چھُری پھیرنے کیلئے تیار ہو جانے والے واقعہ سے نہیں بلکہ اِس واقعہ سے ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کو خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ایک ایسی وادی میں لا کر پھینک دیا۔ جہاں پانی کا ایک قطرہ تک نہ تھا اور کھانے کے لئے ایک دانہ تک نہ تھا جب انسان حج کے لئے جاتا ہے تو اس کی آنکھوں کے سامنے یہ نقشہ آجاتا ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرنے والے بچائے جاتے ہیں۔ اور اُن کو اللہ تعالیٰ غیر معمولی عزت دیتا ہے اور حج کرنے والے کے دل میں بھی خدا تعالیٰ کی محبت بڑھتی اور اُس کی ذات پر یقین ترقی کرتا ہے پھر وہ اپنے آپ کو اس گھر میں دیکھ کر جو ابتدائے دُنیا سے خدا تعالیٰ کی یاد کے لئے بنایا گیا ہے۔ ایک عجیب روحانی تعلق اُن لوگوں سے محسوس کرتا ہے جو ہزاروں سال پہلے سے اس روحانی مسلک میں پروئے چلے آتے ہیں جس میں یہ شخص پرویا ہوا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کی محبت کا رشتہ جو سب کو باندھے ہوئے ہے خواہ وہ پرانے ہوں یا نئے۔ اِسی طرح بیت اللہ کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کا نقشہ، انسانی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اُسے احساس ہوتا ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے غیر معمولی طور پر چاروں طرف سے لوگوں کو اس گھر کے گرد جمع کر دیا ہے۔ اسی طرح بیت اللہ کے گرد چکر لگاتے وقت جب انسان دیکھتا ہے کہ ہزاروں لوگ اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں اور ہزاروں ہی اس کے گرد نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ تو اُس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ مَیں دُنیا سے کٹ کر خدا تعالیٰ کی طرف آ گیا ہوں۔ اور میرا بھی اب یہی کام ہے کہ مَیں اُسکے حضور سر بسجود رہوں۔ پھر سعی بین الصفا و مروۃ میں حضرت ہاجرہؓ کا واقعہ انسان کے سامنے آتا ہے اور اُس کا دل اس یقین سے بھر جاتا ہے کہ انسان اگر جنگل میں بھی خدا تعالیٰ کے لئے ڈیرہ لگا دے تو خدا تعالیٰ اُسے کبھی ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ اُس کے لئے خود اپنے پاس سے سامان مہیا کرتا اور اُسے معجزات اور نشانات سے حصہ دیتا ہے۔
اسی طرح مشعر الحرام جو پہاڑی ہے محمد رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ایک مخلصانہ عقیدت اور ابراہیمؑ کے جذبات ہمارے دلوں میں پیدا کرتی ہے کیونکہ یہ وہ مقام ہے جہاں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خاص طور پر دُعائیں کیا کرتے تھے۔ پھر حج بیت اللہ میں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ہاجرہؓ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے واقعاتِ زندگی انسان کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور اس کے اندر ایک نیا ایمان اور عرفان پیدا ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 450.451)
پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم بھی دیا کہ تم شدت کے ساتھ مقامِ ابراہیم کو عبادت گاہ بناؤ۔ یا جہاں اُنہوں نے خانہ کعبہ کو بنانے کیلئے قیام کیا تھا اس میں سے کسی جگہ نماز پڑھو۔ یا یہ کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ پر یعنی جہاں وہ عبادت کرتے تھے تم بھی طواف کے بعد اس شکریہ میں کہ خدا نے اس گھر کو دُنیا کے جمع کرنے اور اَمن کو قائم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے نماز پڑھو۔

مقامِ ابراہیمؑ کعبہ کے پاس ایک خاص جگہ ہے جہاں طواف بیت اللہ کے بعد مسلمانوں کو دو سُنّتیں پڑھنے کا حکم ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے بعد اس جگہ شکرانہ کے طور پر نماز پڑھی اور اس سنت کو جاری رکھنے کیلئے وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے ۔لیکن مَیں سمجھتا ہوں۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى میں جس اَمر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ عبادت اَور فرمانبرداری کے جس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے تم بھی اِسی مقام پر اَپنے آپ کو کھڑا کرنے کی کوشش کرو۔لوگ غلطی سے مقامِ ابراہیمؑ سے مراد صرف جسمانی مقام سمجھ لیتے ہیں۔حالانکہ ابراہیمؑ کا اصل مقام وہ مقامِ اخلاص اَور مقامِ تقویٰ تھا جس پر کھڑے ہو کر اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اَور اُسی رنگ میں دین کیلئے قربانیاں بجالاؤ جس رنگ میں ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی اَور جس رنگ میں ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کیلئے قربانیاں کیں۔پس یہاں مقام ابراہیم سے مراد کوئی جسمانی مقام نہیں بلکہ رُوحانی مقام مراد ہے ۔ہماری زبان میں بھی کہتے ہیں کہ تم نے میرے مقام کو نہیں پہچانا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 168)

عیدالاضحیہ۔اس عید میں حضرت ابراہیمؑ کو یاد کیا جاتا ہے: ہم اگرچہ اُمّت محمدؐیہ میں سے ہیں مگر ہم بھی عیدالاضحیہ کے موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو یاد کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اسلام میں کوئی دن مقرر نہیں کیا گیا کہ جس سے ان کے کسی فعل کی یادتازہ ہو۔لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کے لئے ایک خاص دن مقرر کر دیا گیا ہے۔پس امامت سے مراد نبوت نہیں بلکہ اُن کا اُسوہ ہے اَور مطلب یہ کہ ہم تجھے تمام لوگوں کے لئے ایک نمونہ بنائینگے اَور لوگ تیری اقتدار کرتے رہیں گے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 157)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی عظیم قربانی: یہ انبیاء ہی کی شان ہے کہ وہ کام کے ساتھ ساتھ دعائیں بھی کرتے چلے جاتے ہیں۔لوگ تھوڑا سا کام کرتے ہیں تو فخر کرنے لگ جاتے ہیں۔اَور کہتے ہیں کہ ہم نے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھو کہ وہ اَپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔پھر وہ بڑا ہوتا ہے۔تو اُسے ایک ایسے جنگل میں چھوڑ آتے ہیں جہاں نہ کھانے کا کوئی سامان تھا نہ پینے کا۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 179)

ابراہیمؑ کا اللہ سے سوال: جب ابراہیمؑ نے کہا تھا۔کہ اَے میرے ربّ! مجھے بتا کہ تو مُردے کس طرح زندہ کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کیا تو ایمان نہیں لاچکا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کے جواب میں بَلٰى کہا۔جس سے اِس سے عقیدہ کا اظہار مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ مُردے زندہ کرسکتا ہے اور مَیں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ وہ اَیسا کرسکتا ہے گویا انہوں نے اس کے متعلق کسی شک کا اظہار نہیں کیا بلکہ اِقرار کیا کہ خدا تعالیٰ یہ کام کرسکتا ہے اَور مجھے اِس پر کامل ایمان حاصل ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 601)

ملتِ ابراہیمؑ کی اتباع میں نجات ہے: اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں یہود اَور نصارٰی کو جو زور دیتے ہیں کہ ہدایت پانا چاہو تو ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ پھر ڈانٹا ہے کہ کیا کسی مذہب کا نام لینے سے نجات حاصل ہو سکتی ہے؟ نجات حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ ملّتِ ابراہیم کی اتباع کی جائے اور ابراہیمؑ کا طریق یہ تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم بھی ملا۔انہوں نے اُس کو قبول کرلیا۔یہی دینِ ابراہیمؑ ہے اَور اسی کی پیروی ہر اُس قوم پر فرض ہے جو ابراہیمؑ کی بزرگی کی قائل ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 209)

ابراہیمؑ کی دس آزمائشوں کا ذکر: فرماتا ہے۔تم اُس وقت کو بھی یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اَندرونی نیکی اَور تقویٰ کو لوگوں پر ظاہر کرنا چاہا۔تا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مخفی رُوحانی طاقتیں اَور قابلیتیں اُن کو معلوم ہو جائیں۔چنانچہ ان قابلیتوں کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو کچھ احکام دئے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن احکام کو پورا کر دیا۔اَور اِس طرح دُنیا کو معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اطاعت اَور فرمانبرداری کی جو اعلیٰ طاقتیں ودیعت ہیں وہ دوسروں میں نہیں ہیں۔مثلاً اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا وہ اَپنے اکلوتے بیٹے کو خدا تعالیٰ کی راہ میں ذبح کر دیں۔جب وہ ظاہری طور پر اس پر عمل

کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ ہماری یہ مراد نہیں بلکہ کچھ اور مراد ہے۔اور پھر اللہ تعالیٰ کا منشاء اس رنگ میں ظاہر ہوا کہ اُس نے انہیں حکم دیا کہ وہ ہاجرہ اور اسمٰعیل کو ایک وادیٔ غیرذی زرع میں چھوڑ آئیں۔چنانچہ وہ اُنہیں وہاں چھوڑ آئے۔اور اُس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔اور اِس طرح دُنیا کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہر بات پر لبیک کہنے والے ہیں۔ خواہ بادیٔ النظر میں وہ کتنی ہی بھیانک اور خوفناک کیوں نہ ہو۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 156)

مکہ آباد ہو اس کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے دُعائیں کیں جن میں سے چند کا ذکر ہے: حضرت ابراہیمؑ کی دعا: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ. (سورہ بقرہ آیت 129) یعنی اَے ہمارے ربّ! مجھ ابراہیم کو اور میرے بیٹے اسماعیل کو اَپنے حضور میں مسلم قرار دے اسی طرح ہماری اَولاد میں سے بھی ایک بڑی جماعت پیدا کر جو تیرے حضور میں مسلم کہلائے ان پیشگوئیوں کے مطابق آپؐ نے اعلان کیا کے میرے خدا نے میری اُمت کا نام مسلم اور میرے مذہب کا نام اِسلام رکھا ہے۔

حضرت ہاجرہؓ کہنے لگی۔تو پھر خُدا ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا جب پانی اور غذا ختم ہوئی یہ جانتے ہوئے بھی یہاں کچھ نہیں آپ بچے کی پیاس سے بڑھتی ہوئی تکلیف سے کہ شاید کوئی آدمی یا آبادی یا پانی نظر آئے آپ کرب و اضطراب سے سات دفعہ دوڑیں اور انکا دل بیٹھنے لگا کہ اب کیا ہوگا اس پر معاً خدا کا الہام نازل ہوا کہ جا اور بچے کو دیکھ خدا نے تیرے بچے کا سامان پیدا کر دیا ہے جب آپ واپس آئیں تو دیکھا یہاں بچہ پیاس سے تڑپ رہا تھا۔وہاں پانی کا چشمہ پھوٹ رہا تھا جسے ہم زمزم کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام آپ نے خوشی میں رکھا کیونکہ زمزم اس گیت کو کہتے ہیں جو خوشی میں گایا جاتا ہے اَب غذا کی فکر تھی اتفاقاً ایک قافلہ راستہ بھول گیا اور اسی جگہ پہنچ گیا یہاں آپ بیٹھی تھیں انہوں نے جب چشمہ دیکھا تو کہا کہ اَب ہم یہاں آپ رعایا بن کر رہینگے اسی لئے حج کے دوران آپ کی قربانی تازہ کرنے کے لئے سات دفعہ صفا اور مروا پر دوڑتے ہیں۔

یہاں ایک اَور بات کی وضاحت بھی ضروری ہے وہ یہ کہ بیت اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ نے نہیں کی تھی بلکہ وہ پہلے سے بنا ہوا تھا۔حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر صرف پہلے نشانوں پر اس کی دوبارہ تعمیر کی تھی۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد ششم صفحہ 25,26,51,107)

حضرت ابراہیم علیہ السلام دُعا مانگتے ہوئے فرماتے ہیں۔اَے خُدا! اِس گھر کی آبادی تیرے بندوں سے وابستہ ہے۔مگر محض لوگوں کی آبادی کوئی چیز نہیں۔اصل چیز یہ ہے کہ اِس سے تعلق رکھنے والے نیک ہوں۔پس ہم جو بیت اللہ کو بنانے والے ہیں۔اور جو دو افراد ہیں ہماری پہلی دُعا تو یہ ہے کہ تو خود ہمیں نیک بناؤ اور پھر ہماری اَولاد میں سے ہمیشہ ایک گروہ اَیسا موجود رہے جو تیرا مطیع اور فرمانبردار ہو۔وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا اور ہمارے مناسب حال ہمیں عبادت کے طریق بتا۔اصل بات یہ ہے کہ انسان کے دل میں خواہ کتنا ہی اخلاص ہو۔اگر اسے طریق معلوم نہ ہو کہ کس طرح کسی گھر کو آباد رکھنا ہے تو پھر بھی وہ غلطی کر سکتا ہے۔اس لئے وہ دُعا کرتے ہیں کہ اَے خُدا نہ صرف ہمارے دِلوں میں ایمان قائم رکھ بلکہ وقتاً فوقتاً ہمیں یہ بھی بتاتا رہیو کہ ہم نے کِس طرح اِسے آباد رکھنا ہے اَور ہم وہ کونسا طریقِ عبادت اختیار کریں جس سے تو خوش ہو اَور یہ گھر آباد رہ سکے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 182-181)

یہاں ایک بات کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ درحقیقت ابراہیمی دُعا کے دو حصّے تھے۔ایک حصّہ تو اُن میں رسول بھیجنے کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔اَور دوسرا حصّہ ایک پاکیزہ اَور مقدس جماعت تیار کرنے کے متعلق تھا۔ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مطلب نہ تھا کہ رسول تو آ جائے مگر قوم بیشک گمراہ ہی رہے یا رسول تو آ جائے مگر قوم کو تقدیس حاصل نہ ہو۔پس ضروری تھا کہ ابراہیمی دُعا کو پورا کرنے کے لئے جہاں رسول بھیجا گیا وہاں دُعا کے دوسرے حصّوں کو بھی پورا کیا جاتا اَور ایک اَیسی پاکیزہ جماعت قائم کی جاتی جو خُدا تعالیٰ کے دین کیلئے ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ رہنے والی ہو۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 277)

حضرت ابراہیمؑ کی دُعا میں خاص ترتیب: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عزیز وحکیم صفات کے واسطہ سے دُعا کی تھی کہ جو کچھ میں مانگ رہا ہوں اَپنے خیالات کے مطابق مانگ رہا ہوں مگر مجھے معلوم نہیں کہ اُس

وقت کی کیا ضرورت ہوگی۔ پس تُو اَپنی طاقت اَور حکمت سے کام لے کر جس چیز کی اُس وقت ضرورت ہو وہ دیجیو۔ لیکن یہاں خدا تعالیٰ نے وَیُعَلِّمُکُمْ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ فرما کر اِس دُعا کی قبولیت کا ذکر کر دیا۔ کہ ابراہیمؑ نے عزیز اَور حکیم دو صفات کے واسطہ سے جو دعا مانگی تھی وہ پوری ہوگئی۔ اَور نہ صرف یہ کہ نبی وہ کام کر رہا ہے جو ابراہیمؑ نے کہے بلکہ ایسے رنگ میں کر رہا ہے کہ پہلے کسی نبی نے نہیں کئے۔ کیونکہ اِس زمانہ کی ضرورت ایسی ہی درجہ کی تعلیم چاہتی تھی پس دُعائے ابراہیمی کامل طور پر پوری ہوگئی۔

ابراہیمی سُنت کی تجدید کی ضرورت: اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے اَور یہ ہدایت دی ہے کہ تمہارا بھی ایک امام ہونا چاہئے تا کہ اِس طرح سنّتِ ابراہیمی تم میں زندہ رہے۔ دَرحقیقت اِن دونوں آیات (سورۃ البقرہ آیت 165-166) میں دو اماموں کا ذکر کیا گیا ہے پہلے فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اے ابراہیم مَیں تجھے امام بنانے والا ہوں۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ اَے خدا! میری ذریّت کو بھی اس مقام سے سرفراز فرما۔ کیونکہ اگر مَیں مر گیا تو کام کِس طرح چلے گا۔ خُدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری اَولاد میں سے تو ظالم بھی ہونے والے ہیں۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ان ظالموں کے سپرد یہ کام کیا جائے۔ ہاں ہم تمہاری اَولاد کو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ سنتِ ابراہیمی کو ہمیشہ قائم رکھیں جو لوگ ایسا کریں گے ہم اُن میں سے امام بناتے جائیں گے اَور وہ خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ انعامات سے حصہ لیتے چلے جائیں گے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 169)

سورۃ کوثر دُعائے ابراہیمی کا جواب ہے: ایک دفعہ بعض دوستوں نے مجھ سے خواہش کی کہ مَیں انہیں قرآن کریم پڑھاؤں۔ چنانچہ مَیں نے سورۃ البقرہ شروع کی جب مَیں اس آیت پر پہنچا کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ تو یکدم میرے دل میں بجلی کی طرح ڈالا گیا۔ کہ یہ آیت اس سورۃ کے مضامین کی کنجی ہے اَور اس سورۃ کے تمام مضامین اس آیت کی تشریح ہیں۔ بلکہ انہیں بیان بھی اِسی ترتیب سے کیا گیا ہے جس ترتیب سے دُعائے ابراہیمی میں ان کا ذکر آتا ہے۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مزید یہ اَمر کھولا کہ سورۃ کوثر دُعائے ابراہیمی کا جواب ہے جس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں آتا ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 191-190)

دُعائے ابراہیمی اسلام کی صداقت کا بہت بڑا ثبوت ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ اَے خُدا! تو اِن میں ایسا رسول بھیج جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اَور انہیں کتاب اَور حکمت سکھائے اَور ان کا تزکیہ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کو قبول فرماتے ہوئے محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نسلِ اسمٰعیل میں سے مبعوث فرما دیا۔ اَور وہ تمام کام آپؐ نے کر دکھائے جن کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواہش کی تھی۔ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اَپنے آپ کو دُعائے ابراہیمی کا مصداق قرار دیا ہے اَور آپ نے فرمایا ہے، اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرٰھِیْمَ (جامع البیان جلد اوّل صفحہ 435) یعنی میں وہ شخص ہوں جو اَپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی دُعاؤں کے مطابق دُنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا کیا گیا ہوں۔ پس یہ ایک بڑی دُعا ہے جو اِسلام اَور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ اس جگہ خُدا تعالیٰ کی دو صفات عزیز اَور حکیم کا اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ دُعائے ابراہیمی کا ایک حصہ صفت عزیز سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا صفت حکیم سے۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ اور یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ والا حصہ صفت عزیز کے ماتحت ہے، کیونکہ غالب خدا ہی بندوں تک پہنچ سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 195)

حضرت ابراہیمؑ کی قوم کی چار مرتبہ ترقی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی چار ترقیوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا تھا کہ آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تم کو میری طاقتوں پر ایمان نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ایمان تو ہے وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ یہ زبان کا ایمان ہے، مَیں دیکھتا ہوں کہ آپ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اَور اقرار کرنا پڑتا ہے کہ کرتے ہیں مگر

دل کہتا ہے کہ یہ طاقت میری اَولاد کی نسبت بھی استعمال ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ نشان اَپنے نفس میں بھی دیکھوں اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری قوم چار دفعہ مُردہ ہوگی اَور ہم اُسے چار دفعہ زندہ کریں گے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اُن کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز بلند ہوئی اَور یہ مردہ زندہ ہوا۔ دوسری مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ کی آواز بلند ہوئی۔ اَور یہ مُردہ زندہ ہوا۔ تیسری مرتبہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ وہی آواز بلند ہوئی اَور اس مردہ قوم کو زندگی ملی۔ اَور چوتھی بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ابراہیمی آواز پھیلی اَور وہی مردہ زندہ ہوا۔ چار دفعہ ابراہیمی نسل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آوازیں دیں اَور چاروں دفعہ وہ دوڑ کر جمع ہوگئی۔ پہلا پرندہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلایا اَور اطمینانِ قلب حاصل کیا وہ موسوی اُمّت تھی دوسرا پرندہ عیسوی اُمت تھی۔ تیسرا پرندہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جلالی ظہور کی حامل اَور مظہر محمدی جماعت تھی۔ اَور چوتھا پرندہ آپ ؐ کے جمالی ظہور کی مظہر جماعت احمدیہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کو راحت پہنچائی اَور آپ نے کہا کہ واقعی میرا خدا زندہ کرنے والا ہے بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ کا بھی یہی مطلب تھا کہ حضور زبان تو اقرار کرتی ہے اَور مَیں ہر روز دیکھتا ہوں کہ آپ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اس کا مجھے کس طرح اِنکار ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر میری اَولاد ہدایت نہ پائے تو مجھے اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہوسکتا۔ پس اِطمینانِ قلب کے لئے مَیں نشان مانگتا ہوں۔ میری عقل وفکر میرے ہوش وحواس اَور میرا مشاہدہ کہتا ہے کہ آپ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ مگر دل کہتا ہے کہ مَیں خود کیا تعریف کروں جب تک یہ پتہ نہ لگے کہ میری اَولاد میں یہ نشان ظاہر ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ تمہاری اَولاد کو چار دفعہ زندہ کیا جائے گا اَور چار بار اُس پر فضل نازل ہوگا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت۔ دوسری دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت۔ تیسری دفعہ رسول کریم ﷺ کے وقت اور چوتھی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اَولاد پر خدا تعالیٰ نے اَپنا خاص فضل نازل کیا ہے۔ اَور انہیں رُوحانی لحاظ سے زندہ کر دیا غرض اِس میں قریب اَور بعید دونوں زمانوں کے لئے پیشگوئی کی گئی تھی جو اَپنے اَپنے وقت میں بڑی شان سے پوری ہوئی۔ اَور خدا تعالیٰ کا عزیز اَور حکیم ہونا ظاہر ہوگیا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 603)

ابراہیمی عہد کی ظاہری علامت جسے عیسائیوں نے ترک کر دیا: اس عہد کا ظاہری نشان جو ختنہ کی صورت میں قائم کیا گیا تھا بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا اَور یہ قوم خدا تعالیٰ کے انعامات کی وارث رہی۔ مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگئے تو بنی اسرائیل کا وہ حصہ جو اُن پر ایمان نہ لایا تھا اس گروہ سے کٹ گیا جس کو انعامات کا وعدہ دیا گیا تھا اَور صرف وہی لوگ انعامات کے مستحق رہ گئے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ لیکن آگے چل کر اُنہوں نے بھی عہد توڑ دیا۔ اَور ختنہ جو اس عہد کا ایک ظاہری نشان تھا اُسے ترک کر دیا۔ غرض اس قوم کا کچھ حصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اِنکار کی وجہ سے خدائی انعامات سے محروم ہوگیا اَور جنہوں نے مانا تھا اُنہوں نے ختنہ چھوڑ کر اَور شریعت کو لعنت قرار دے کر اَپنے آپ کو خدائی فضلوں سے محروم کر لیا۔ اَور یہ وعدہ بنو اسحاق سے بنو اسمٰعیل کی طرف منتقل ہوگیا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ 161.162)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں: اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ صرف کتب الٰہی اور انبیاء ہیں۔ خدا کے مقدس رسولوں کی پاک تعلیم اور کتب الٰہیہ کی سچی پیروی کے سوا خدا کی رضا مندی ممکن نہیں۔ خدا کی پہچان اور اس کی ذات، صفات اور اسماء کا پتہ خدا کی کتابوں اور اس کے رسولوں کے بغیر لگ ہی نہیں سکتا۔ خدا کے اوامر ونواہی اور عبادت وفرمانبرداری کے احکام معلوم کرنے کا ذریعہ کتب الٰہیہ ہی ہیں جو خدا کے پاک رسولوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں۔ (خطبات نور صفحہ:308)

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السّلام کا ذکر سورۃ الصّٰفّٰت ،سورۃ انعام ،سورۃ العنکبوت ،سورۃ الشعراء،سورۃ الانبیاء،سورۃ ہود،سورۃ النمل،سورۃ الحجر،سورۃ القمر میں ہے۔

سورۃ الصّٰفّٰت

ترجمہ: اَور لوط بھی یقیناً مرسلوں میں سے تھا۔37:134

(چنانچہ یاد کرو اس وقت کو) جب کہ ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو بھی سب کے سب کو ایک بڑھیا عورت کے سوا جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی نجات دی۔37:135.136

سورۃ انعام

ترجمہ: اَور ہم نے اس کو (یعنی ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب دیئے تھے ہم نے (ان) سب کو ہدایت دی تھی اور (اس سے) پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی تھی اَور اس (یعنی ابراہیم) کی اَولاد میں سے داؤد اور سلیمان اَور ایوب اَور موسیٰ اَور ہارون کو (بھی) اَور اسی طرح ہم اچھی طرح کام کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔6:85

اَور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو (بھی ہدایت دی تھی) اَور ان سب کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی۔6:87

سورۃ الانبیاء

ترجمہ: اَور ہم نے اسے لوط (بھی بخشا) جسے ہم نے حکم بھی عطا کیا اَور علم بھی۔اَور اس کو اس بستی سے نجات دی جو کہ نہایت گندے کام کرتی تھی۔وہ (یعنی لوط کے شہر کے رہنے والے)ایک بُری قوم یعنی نافرمان تھے۔21:75

سورۃ العنکبوت

"ترجمہ: اس (نصیحت) کے بعد لوط اس پر ایمان لے آئے اَور (ابراہیمؑ نے) کہا ،کہ میں تو اَپنے ربّ کی طرف ہجرت کر کے جانے والا ہوں وہ یقیناً غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے۔29:27

اَور لوط کو بھی (ہم نے رسول بنا کر بھیجا) جب کہ اس نے اَپنی قوم سے کہا کہ تم ایک ایسی بدی کرتے ہو جس کا اِرتکاب دُنیا میں تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔29:29

کیا تم (عورتوں کو چھوڑ کر) مردوں کے پاس آتے ہو اور ڈاکے مارتے ہو۔اور اپنی مجالس میں ناپسندیدہ حرکتیں کرتے ہو۔اِس پر اُس قوم کا جواب اِس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اُنہوں نے کہہ دیا کہ اگر تو سچّے لوگوں میں سے ہے تو اللہ کا عذاب ہم پر نازل کر دے۔29:30

اس پر لُوط نے کہا، اے میرے ربّ ! مفسد قوم کے خلاف میری مدد کر۔29:31

اَور جب ہمارے رسول ابراہیمؑ کے پاس بشارت لائے. تو انہوں نے کہا ۔ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ اس کے باشندے ظالم ہیں۔29:32

(ابراہیم نے جواب میں) کہا کہ اس (بستی) میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ انہوں نے کہا ہم اس (بستی) کے رہنے والوں کو خوب جانتے ہیں۔ہم اس (یعنی لوط) کو اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے جو پیچھے رہنے والوں میں شامل ہو جائیگی نجات دیں گے۔29:33

اَور جب ہمارے رسول لوطؑ کے پاس آئے تو ان کی وجہ سے اُسے دُکھ پہنچا نیز اُن کی وجہ سے اُسکا دل تنگ ہو گیا۔اور (اُس کی اس حالت کو دیکھ کر اُن پیغام لانے والوں نے) کہا۔کسی (آئندہ) بات کا خوف نہ کر اور نہ کسی گذشتہ واقعہ پر افسوس کر۔ہم تجھ کو اور تیرے گھر والوں کو سوائے تیری بیوی کے جو پیچھے رہنے والوں میں شامل ہو جائے گی ،نجات دینے والے ہیں۔29:34

ہم اس بستی پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔29:35

سورۃ الشعراء

کیا تمام مخلوق میں سے تم نے نروں کو چُن لیا ہے۔26:166

اورتم اُن کو چھوڑتے ہو جن کو تمہارے ربّ نے تمہاری بیویوں کی حیثیت سے پیدا کیا ہے (صرف یہی نہیں کہ تم ایسا فعل کرتے ہو) بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) تم (انسانی فطرت کے) تقاضوں کو ہر طرح توڑنے والی قوم ہو۔ 26:167

انہوں نے کہا، اَے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو تُو ملک بدر کئے جانے والوں میں شامل ہو جائے گا۔ 26:168

(لوط نے) کہا (بہر حال) میں تمہارے عمل کو نفرت سے دیکھتا ہوں۔ 26:169

اَور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی۔ اور جن کو (خدا کی طرف سے) ہوشیار کر دیا جاتا ہے (لیکن پھر بھی بعض نہیں آتے)۔ ان پر برسائی جانے والی بارش بہت بری ہوتی ہے۔ 26:174

سورۃ الحجر

ترجمہ: انہوں نے کہا (کہ) ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف (ان کی ہلاکت کے لئے) بھیجا گیا ہے۔ 15:59

ہاں اس کی بیوی کے متعلق ہمارا اندازہ ہے کہ وہ پیچھے رہنے (اور ہلاک ہونے) والوں میں سے ہوگی۔ 15:61

پھر جب (ہمارے) بھیجے ہوئے لوگ آل لوط کے پاس آئے۔ 15:62

تو اس نے (انہیں) کہا (کہ) آپ (اس علاقہ میں) اجنبی (معلوم ہوتے) ہیں۔ 15:63

سو تم رات کے آخری حصّے میں (کسی وقت) اَپنے گھر والوں کو لیکر (یہاں سے) چلے جاؤ۔ اور (خود) ان کے پیچھے (پیچھے) رہو اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں جانے کا حکم تمہیں دیا جاتا ہے (سب وہاں) چلے جاؤ۔ 15:66

اَور اس کے شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے اس (یعنی لوط) کے پاس آئے (اس خیال سے کہ اَب اسے پکڑنے کا موقعہ مل گیا ہے)۔ 15:68

انہوں نے کہا کیا ہم نے تمہیں ہر ایرے غیرے کو اپنے پاس ٹھہرانے سے روکا نہ تھا۔ 15:71

اُس نے کہا (کہ) اگر تم نے (میرے خلاف) کچھ کرنا (ہی) ہو تو میری بیٹیاں (تم میں موجود ہی) ہیں (جو کافی ضمانت ہیں) 15:72

سورۃ النمل

ترجمہ: کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت کی نیت سے آتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم ایک جاہل قوم ہو۔ 27:56

پس اس کی قوم کا جواب صرف یہ تھا کہ (اے لوگو) لوط کے خاندان کو اَپنے شہر سے نکال دو۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو بڑا نیک بننا چاہتے ہیں۔ 27:57

نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اس (لوط) کو اور اس کے خاندان کے لوگوں کو سوائے اسکی بیوی کے نجات دی۔ ہم نے اس (بیوی) کو پیچھے رہ جانے والوں میں گن چھوڑا تھا۔ 27:58

اَور ہم نے ان پر ایک بارش برسائی اَور جن کو عذاب کا پیغام پہنچ چکا ہو، ان کی بارش بہت بری ہوتی ہے۔ 27:59

سورۃ ھود

ترجمہ: اور اس کی قوم (غصہ سے) اس کی طرف بھاگتی ہوئی آئی اور (یہ پہلا موقعہ نہ تھا) پہلے (بھی) وہ (لوگ نہایت خطرناک) بدیاں کرتے تھے۔ اس نے کہا اے میری قوم یہ میری بیٹیاں (جو تمہارے ہی گھروں میں بیاہی ہوئی) ہیں۔ وہ تمہارے لئے (اور تمہاری آبرو کے بچانے کے لئے) نہایت پاک (دل اور پاک خیال) ہیں پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اَور میرے مہمانوں (کی موجودگی) میں مجھے رُسوا نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی (بھی) سمجھدار (آدمی) نہیں ہے؟ 11:79

اُنھوں نے کہا کہ تُو یقیناً معلوم کر چکا ہے کہ تیری لڑکیوں کے متعلق ہمیں کوئی بھی حق (حاصل) نہیں ہے اور جو (کچھ) ہم چاہتے ہیں اُسے تو جانتا ہے۔ 11:80

اس نے کہا کاش مجھے تمہارے مقابلہ میں (کسی قسم کی) قوت (حاصل) ہوتی (تو میں تمہارا مقابلہ کرتا) لیکن اگر یہ نہیں تو یہی صورت باقی ہے کہ میں ایک زبردست جائے پناہ کی طرف جھکوں۔ 11:81

ترجمہ: (اس پر) انھوں نے کہا (یعنی مہمانوں نے) کہ اے لوط! ہم یقیناً

تیرے ربّ کے فرستادہ ہیں۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ تجھ تک ہرگز نہیں پہنچیں گے (ان کی تباہی کا وقت آچکا ہے) اسلئے تورات کے کسی حصّے میں اپنے گھر والوں کو لیکر تیزی سے (یہاں سے) چلا جا اور تم میں سے کوئی (فرد بھی) اِدھر اُدھر نہ دیکھے (اس طرح سے تم محفوظ رہو گے) ہاں تیری بیوی ایسی ہے کہ جو (عذاب) اُن پر آیا (ہوا ہے) وہ اس پر بھی یقیناً آنے والا ہے۔ ان کا مقررہ وقت (آئندہ) صبح ہے (اور) کیا صبح قریب نہیں ہے؟ 11:82

سورۃ القمر

ترجمہ: لوط کی قوم نے بھی نبیوں کو جھٹلا دیا تھا۔ 54:34

ہم نے ان کے تباہ کرنے کیلئے بھی کنکروں سے بھری ہوئی ہوا چلائی (جس نے آلِ لوط کے سوا سب کو تباہ کر دیا) ہاں صبح کے وقت (جب وہ عذاب آیا تو) ہم نے لوط کے خاندان کو بچالیا۔ 54:35

سورۃ التحریم

ترجمہ: اللہ کافروں کی حالت نوح اور لوط کی بیویوں کی مانند بیان کرتا ہے وہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں۔ مگر ان دونوں نے ان دونوں (بندوں) کی خیانت کی تھی اور وہ دونوں الٰہی عذاب کے وقت ان (بیویوں) کے کسی کام نہ آسکے۔ اور ان دونوں عورتوں سے کہا گیا تھا کہ جہنم میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں چلی جاؤ۔ 66:11

تفسیر از تفسیر کبیر

وَلُوطاً اٰتَیْنَاہُ حُکْماً وَّ عِلْماً: یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نبیوں کی بعثت کی بڑی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اس چشمۂ فیض تک پہنچائیں جس سے سیراب ہوئے بغیر اُن کی روحانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اُن کو وابستہ کر دیں اور اس سے اس کو مضبوط پیوند کر دیں۔ اور یہ بات علوم روحانیہ کے حصول کے بغیر کبھی سرانجام نہیں دی جاسکتی۔ وہی شخص رُوحانی امور میں لوگوں کو ہدایت دے سکتا ہے جسے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور اُس کے قُرب کے ذرائع اُسے معلوم ہوں۔ پس مدعی ماموریت کے لیے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ خود اُس کو علمی اور روحانی علوم عطا فرمائے جو اس زمانہ کے لحاظ سے بے نظیر ہوں یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ اٰتَیْنَاہُ حُکْماً وَّ عِلْماً اور اسی طرح کئی انبیاء کے بارہ میں فرمایا کہ ہم نے اپنے علم سے نوازا تھا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 536)

ہمیشہ حضرت ابراہیمؑ کے ذکر سے ہی حضرت لوطؑ کا ذکر شروع کیا جاتا ہے اتفاقی طور سے نہیں بلکہ یہ ذکر عمداً کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں تفصیلی طور پر حضرت لوطؑ کا واقعہ آیا ہے وہاں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر سے ہی ان کا ذکر شروع کیا گیا ہے۔ اور اس سے یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے ماتحت رسول تھے۔ اس واقعہ کو آدم علیہ السلام کے واقعہ کے بعد اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ اہل مکہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کی ذرّیت میں سے سمجھتے تھے۔ اور حضرت لوطؑ ان کے رشتہ دار تھے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 4 صفحہ 85)

حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے اور پہلے عراق کے رہنے والے تھے اب جس جگہ وہ رہ رہے تھے وہ فلسطین تھا۔ (تفسیر صغیر صفحہ 365 حاشیہ نمبر 2 سورۃ ہود)

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے آگ سے زندہ نکل آنے کا معجزہ دیکھ کر جو لوگ آپ کی طرف راغب ہوئے تھے اُن میں سے ایک حضرت لُوطؑ بھی تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بھائی حاران کے بیٹے تھے۔ (پیدائش باب 12 آیت 5) چنانچہ فرماتا ہے کہ اس نظارہ کو دیکھنے کے بعد لوطؑ ابراہیمؑ پر ایمان لے آیا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ: 619)

بائبل سے معلوم ہوتا ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ پر جب عراق میں ظلم ہوئے اُن کے چچازاد بھائیوں نے اُنہیں دُکھ دیا تو خدا تعالیٰ نے اُن سے کہا کہ یہاں سے ہجرت کر کے فلسطین چلے جائیں۔ صرف لوطؑ آپؑ پر ایمان لائے تھے۔ آپؑ حضرت لوطؑ کو ساتھ لے کر چلے گئے۔ (تفسیر کبیر جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 53 سورۃ مریم)

بائبل کے بیان کے مطابق حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھائی حاران کے بیٹے تھے۔ اُور سے جو عراق کا قصبہ تھا حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کر کے کنعان یعنی فلسطین کے ملک کی طرف چلے آئے۔ یہاں سے حضرت ابراہیمؑ سے الگ ہو کر صدوم نامی بستی میں رہنے لگے۔

(اس سے ملتا جلتا مفہوم تفسیر کبیر جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۸۶ سورۃ الحجر میں بھی ہے۔) (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 3 صفحہ نمبر ۲۳۲ سورۃ ھود)

حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حاران کی طرف جو کہ بالائی عراق میں واقعہ ہے تشریف لے گئے اور وہاں سے کنعان کی طرف خدا تعالیٰ کے حکم سے آپؑ نے ہجرت کی اور یہ زمین آئندہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کے لئے مقرر کر دی گئی۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابراہیمؑ اور لوطؑ دونوں کو نجات دی۔ اور کامیاب کر کے فلسطین میں لے گیا۔ (تفسیر کبیر جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 532) (سورۃ ھود میں بھی حضرت لوطؑ کی ہجرت کا ذکر ہے۔)

جب وہ لوگ وہاں سے چل کر ہمارے رسول حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے تو اُن کو دیکھ کر اُسے بڑی تکلیف ہوئی اور اُس کا دل تنگ ہو گیا کیونکہ اُس کی قوم کے لوگوں نے غیر قوموں کے آدمیوں کی مہمان نوازی سے اُسے منع کیا ہوا تھا۔ (سورۃ العنکبوت آیت نمبر 36 صفحہ 625 تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 7 صفحہ نمبر)

حاشیہ تفسیر صغیر: نمبرا سِیءَ بِھِمْ وَ ضَاقَ بِھِم ذَرْعًا اسکے معنے یہ نہیں کہ مہمان نوازی کا خیال لوطؑ کو بُرا لگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت لوطؑ کی قوم نے اُن کو منع کیا تھا کہ وہ غیر معروف مسافروں کو گھر میں نہ لایا کریں۔ اس لئے حضرت لوطؑ کو یہ رسول دیکھ کر دُکھ پہنچا اور اُن کا دل تنگ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری قوم مجھے مہمان نوازی سے روکے اور مہمانوں کو دُکھ دے۔ (سورۃ العنکبوت آیت 34 صفحہ 518 تفسیر صغیر)

مطلب یہ ہے کہ جب وہ لوگ حضرت لوطؑ کے پاس آئے تو انہیں ان سے بہت تکلیف ہوئی اور انہوں نے اُن کے فعل سے مخلصی کی کوئی صورت نہ پائی۔ یا اُنہیں مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے بہت دقت پیش آئی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ اللہ کے رسول جن کا ذکر ہے حضرت لوطؑ کے پاس مہمان آ کر ٹھہرے اور باوجود حضرت لوطؑ کے ٹلانے سے نہ ٹلے اور بن بلائے مہمان بنے رہے۔ تو اس سے حضرت لوطؑ کے دل کو تکلیف ہوئی اور اسی جگہ اس تکلیف کا ذکر ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں یہ بات غلط ہے میرے نزدیک بائبل میں جو واقعہ لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ اور اسی کی طرف اس جگہ اشارہ ہے۔ جب یہ لوگ حضرت لوطؑ کی بستی کے پاس پہنچے تو حضرت لوطؑ نے ان لوگوں کو اپنے گھر چلنے کی دعوت دی اُنہوں نے اس سے انکار کیا غالباً اس امر سے ڈر گئے ہونگے کہ انہیں تکلیف ہوگی مگر حضرت لوطؑ نے اصرار کیا انہوں نے اصرار پر انکار کیا اس پر حضرت لوطؑ کو تکلیف ہوئی۔ (تفسیر کبیر جلد نمبر 3 صفحہ 227 آیت نمبر 78 کی تفسیر)

حاشیہ تفسیر صغیر: نمبرا: بائبل اور قرآن مجید کے مطابق وہ لوگ حضرت لوطؑ کو روکتے تھے کہ وہ مسافروں کو گھر نہ لائیں۔ مگر حضرت لوطؑ مہمان نوازی سے مجبور تھے پس جب وہ روکنے کے باوجود مہمان مسافروں کو گھر لائے تو ان کی قوم خوشی سے دوڑتی ہوئی آئی کے اب لوطؑ قابو آ گیا ہے اور اب اسے سزا دینے کا موقعہ ہم کو مل جائے گا۔ (سورۃ الحجر تفسیر صغیر آیت 68 صفحہ نمبر 328)

اس زمانہ میں ان بستیوں اور دوسری بستیوں میں کچھ جھگڑے تھے اور وہ ڈرتے تھے کہ باہر سے آدمی آ کر شہر پر حملہ نہ کروا دیں۔ اس لئے وہ لوگ حضرت لوطؑ کو اجنبی مہمان لانے سے روکتے رہتے تھے۔ مگر چونکہ علاقہ خطرناک تھا۔ حضرت لوطؑ کو جب اجنبی ملتے وہ انہیں اپنے گھر لے آتے تا رات کو وہ راستہ پر لُٹ نہ جائیں۔ اس دفعہ حضرت لوطؑ جو مہمان لائے تو آپؑ کی قوم نے فیصلہ کیا کہ اب ضرور لوطؑ کی اچھی طرح خبر لینی چاہئے اور چونکہ حضرت لوطؑ کو کسی بہانہ سے بستی سے نکالنا چاہتے تھے وہ خوش بھی ہوئے کہ اب حضرت لوطؑ قابو آ گئے ہیں۔ اب ہم ان کو یہاں سے چلے جانے پر مجبور کر سکیں گے۔ (سورۃ الحجر تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 4 جلد صفحہ 95)

حضرت لوطؑ چونکہ سنتِ انبیاء کے مطابق مہمان نواز تھے وہ مسافروں کو لے آئے کہ باہر رہیں گے تو لوٹے جائینگے۔ یہ لوگ اُن کو منع کرتے۔۔۔۔ اس دفعہ جب پھر حضرت لوطؑ آنے والے رسولوں کو لے آئے تو یہ لوگ ایک طرف تو غصہ سے بھر گئے کہ ہماری ہدایت کے خلاف یہ اجنبیوں کو لے آئے ہیں اور دوسری طرف خوش بھی ہوئے کہ اب لوطؑ کو پکڑنے کا بہانا مل جائے گا اور یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ اور جب یہ لوگ دوڑتے ہوئے حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے تو چونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ پہلے بھی مجھے مہمان لانے سے روکتے رہے ہیں اس لئے وہ اس پہلے سلوک کی وجہ سے جو وہ لوگ ان سے کیا کرتے تھے۔

حضرت لوطؑ چونکہ جانتے تھے کہ یہ لوگ پہلے بھی مجھے مہمان لانے سے روکتے

رہے ہیں۔اس لئے پہلے سلوک کی وجہ سے آپؑ ڈرے کہ کہیں مہمانوں کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کریں اوران لوگوں سے کہا کہ میری بیٹیاں یہاں موجود ہیں۔وہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہیں۔یعنی اگر مہمانوں کورُسوا کرکے نکالوگے تواس میں تمہاری بدنامی ہے تم کوخوف ہے کہ باہر کےلوگوں سے مل کرمیں تمہیں نقصان نہ پہنچاؤں تو میری بیٹیاں تمہارے اَپنے گھروں میں موجود ہیں۔تم ان کوسزا دے کرمجھ سے بدلہ لے سکتے ہو۔ اس طرح تمہاری بدنامی نہیں ہوگی۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلدنمبر3 صفحہ نمبر229 سورۃ ہود)

حضرت لوطؑ کی دو بیٹیاں اس شہر کےلوگوں میں بیاہی ہوئی تھیں۔ (عہدنامہ قدیم پیدائش باب آیت نمبر15 تا19) مسلمان مفسرین اس جگہ غلطی سے یہ معنی کرتے ہیں کہ میری لڑکیوں سے اَپنی شہوت پوری کرواَور میرے مہمانوں کو نہ چھیڑو۔ یہ ایک خطرناک خیال ہےاَورایک نبی کی ذات پرحملہ ہے آیت کامفہوم صاف ہےان لوگوں کوجیسا کہ قران مجیداَور بائبل سے ثابت ہے کہ یہ غصہ تھا کہ لوطؑ اجانب (غیرلوگ) کو کیوں لائے۔ یہ خواہش نہ تھی کہ انہیں اَپنی شہوت کا شکار بنائیں اَورجیسا کہ بائبل کہتی ہے کہ دولڑکیاں پہلے سے اُن میں بیاہی ہوئی تھیں ان کی طرف اشارہ کرنالوطؑ کو بیوقوف بنانا ہے۔حضرت لوطؑ صرف یہ کہتے ہیں کہ ان لڑکیوں کی موجودگی سے تم سمجھ سکتے ہو کہ میں یا میرے مہمان تم سے کوئی غداری نہ کریں گے پس خواہ مخواہ گھبراتے کیوں ہو۔(سورۃ ھود آیت نمبر79 تفسیر صغیر صفحہ 366 حاشیہ نمبر1)

حضرت لوطؑ کی قوم نے بھی حضرت صالحؑ کی قوم کی طرح رات کے وقت منصوبہ کرکے اُن کو گھر سے نکالنا اوراُن کے مہمانوں کو ذلیل کرنا چاہا تھا۔ اسی مشابہت کی وجہ سے اس واقعہ کو یہاں بیان کیا گیا ہے اور درحقیقت یہ تمام واقعات رسول کریمؐ کے لئے بطور پیشگوئی کئے جارہے ہیں۔ چنانچہ رسول کریمؐ کے ساتھ بھی حضرت لوطؑ کی قسم کا واقعہ پیش آیا۔حضرت لوطؑ کی قوم نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ اُن کواُن کے شہر سے نکال دیں یہی فیصلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوم نے بھی کیا تھا دونوں کا الزام ایک ہی تھا گووجوہ مختلف تھیں۔جب حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کوپیغامِ خُدا پہنچایا اَوراُن کو باہر سے آنے والےلوگوں پرظلم کرنے فساد کرنے اورجنسی معاملات میں بے راہ روی اختیار کرنے سے منع کیا تو بجائے اس کے وہ اپنی اصلاح کرتے انہوں نے حقارت سے حضرت لوطؑ کے ماننے والوں کے متعلق یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ لوگ بڑے نیک بنے پھرتے ہیں۔یعنی حقیقتاً وہ نیک نہیں مگر ہمارے افعال پراعتراض کرکے یہ لوگ اَپنی بڑائی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد7 سورۃ النمل صفحہ 407 تا408)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوطؑ کو بھی رسول بنا کر بھیجا اَوراس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایک خاص بدی میں مبتلا ہو جوتم سے پہلے کسی اورقوم میں نہیں پائی گئی۔کیاتم عورتوں کو چھوڑ کرمردوں کے پاس آتے ہو۔اَورڈاکے ڈالتے ہو۔اَوراَپنی مجالس میں بے حیائی کی باتیں کرتے ہو۔اَورخدا تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

حضرت لوطؑ کی قوم اس نصیحت کے باوجوداَپنی حرکات سے باز نہ آئی بلکہ اُس نے لوطؑ سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگرتم سچّے ہوتو کوئی نشان لاؤاورہم پرعذاب نازل کرو۔آخرلوطؑ نے تنگ آکراپنے ربّ سے دُعا کی کہ خدایا مجھے مفسد قوم کے خلاف مدد دے۔(تفسیر کبیر جلدنمبر7 سورۃ العنکبوت صفحہ نمبر260.261)

حضرت لوطؑ کا یہ مطلب ہے کہ اگرطاقت ہوتی تو میں تمہارامقابلہ کرکے بدی سے روکتا مگر طاقت نہیں ہے۔بس اب یہی ذریعہ ہے کہ میں خدا کی پناہ ڈھونڈوں۔اَورتمہارے لئے عذاب طلب کروں۔مگرمیں ابھی دیرکرتا ہوں تاکہ تم ہدایت پاجاؤ۔جب اس دَردمندانہ اپیل کی طرف بھی لوگوں نے توجہ نہ کی تو خداتعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اس قوم کی تباہی کی دُعا کی۔

جب ان لوگوں نے یعنی مہمان جوحضرت لوطؑ کوعذاب کی خبر دینے آئے تھے آپؑ کی بات سُنی کہ وہ ان لوگوں کے لیے خدا تعالیٰ کے حضور بددُعا کرنا چاہتے ہیں توانہوں نے اس امرکو جسے اس وقت تک چُھپائے رکھا تھا ظاہر کردیا اَور بتا دیا کہ اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے ہم وہی بتانے آئے ہیں۔صرف تمہارے اہل عذاب سے بچائے جائینگے۔اور باقی شہرتباہ کیا جائے گا۔اہل میں سے بھی بیوی نہیں بچ سکے گی۔اورعذاب صبح کے وقت تک آجائے گا۔
(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلدنمبر3 صفحہ 231)

حضرات ابراہیمؑ کے زمانہ میں جب فرشتے اُن کے پاس لوطؑ کی بستی کی

ہلاکت کی خبر لے کر آئے یا انسان آئے جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے لوطؑ کی قوم کو تباہ کرنے کا حکم دیا ہے تو اس خبر کو سُن کر آپ کو درد پہنچا تو آپؑ نے دعا کرنی شروع کر دی۔

(قوم لوط کو عذاب سے بچنے کے لیے حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کا ذکر تفسیر کبیر جلد نمبر 4 سورۃ الحجر صفحہ نمبر 92 میں بھی ہے۔)(تفسیر کبیر جلد نمبر 5 سورۃ المریم صفحہ نمبر 126)

جب حضرات ابراہیمؑ کو یہ خبر ملی کہ لوطؑ کی تباہی کا فیصلہ کیا جا چکا ہے تو یُجَادِلُنَا فِی قَوْمِ لُوطٍ (ترجمہ) حضرت ابراہیمؑ قوم لوطؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ سے جھگڑنے لگے یعنی انہوں نے دُعا کرنی شروع کر دی کہ الٰہی اس قوم کو بچا لے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 6 سورۃ المومنون صفحہ نمبر 163)

حضرت لوطؑ نے جب کہا کہ آپ تو مسافر اور راہ گیر معلوم ہوتے ہیں تو انہوں نے کہا ہم راہگیر نہیں ہیں بلکہ اس چیز کی خبر لے کر آئے ہیں جس کے بارہ میں یہ لوگ شک کر رہے ہیں یعنی عذاب کی خبر لے کر آئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کی خبر لوطؑ کی قوم کو آپؑ کے ذریعہ سے مل چکی ہوئی تھی کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم یہ بتانے آئے ہیں کہ اب عنقریب ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جس میں یہ لوگ شک کرتے رہے ہیں گویا عذاب کی خبر تو پہلے ہی اس قوم کو دی جا چکی ہے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 4 صفحہ 91 سورۃ الحجر 55)

حاشیہ نمبر 3: یعنی یہ پیغام لانے والے لوگ جس جگہ کا تم کو پتہ دیں وہاں چلے جاؤ کہ یہی ہمارا منشا ہے۔(سورۃ الحجر آیت نمبر 66 تفسیر صغیر)

یہ سوال کہ پہلے وہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس کیوں آئے اور کیوں نہ سیدھے حضرت لوطؑ کے پاس چلے گئے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے والوں میں سے تھے وہ تابع نبی تھے۔اُس زمانہ میں نبوت براہ راست مِلا کرتی تھی کسی سابق نبی کے فیض سے نبوت حاصل نہیں ہوتی تھی۔چونکہ حضرت لوطؑ نبوت سے پہلے حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لا چکے تھے اور آپؑ کے ساتھ ہجرت کر کے وہ شام میں آئے تھے اس لیے اُن کی قوم کی تباہی کی خبر بھی پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو ہی دی۔پس چونکہ حضرت لوطؑ علیہ السلام اس علاقہ سے پوری طرح واقف نہیں تھے بلکہ اُس ملک میں سدوم والوں کے دشمن بھی موجود تھے۔اگر براہِ راست اُن پر الہام ہوتا کہ یہاں سے نکل جاؤ تو وہ گھبراتے کہ جاؤں کہاں۔سو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تسلّی کے لئے یہ تدبیر کی کہ اِردگرد کے بعض نیک لوگوں کو الہام کیا کہ لوطؑ کے پاس جاؤ اور اُن کو بتا دو کہ اُن کی قوم پر عذاب آنے والا ہے اور انہیں حفاظت کے ساتھ کسی محفوظ مقام تک پہنچا دو۔کیونکہ وہ اس علاقہ سے واقف نہیں۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 7 صفحہ 622 تا 623 سورۃ العنکبوت)

مرسلوں نے حضرت لوطؑ کو رات کے آخری حصّہ میں یہاں سے نکلنے کو کہا۔ اِس احتیاط میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے تا دشمن پیچھا نہ کر سکیں۔

حضرت لوطؑ پر ایمان لانے والے دس سے کم افراد تھے اس لئے آپؑ کو ہدایت تھی کہ ان سب کے پیچھے رہیو۔اس میں رحم کا پہلو ہے کیونکہ عذاب سے اصلی حفاظت نبی کو ہوتی ہے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 4 صفحہ 92 تفسیر 57 سورۃ الحجر)

حضرت لوطؑ کا مطلب یہ ہے کہ اگر طاقت ہوتی تو تمہارا مقابلہ کر کے بدی سے روکتا مگر طاقت نہیں ہے۔اب یہی ذریعہ ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈوں حدیث میں ہے ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا خدا تعالیٰ کی رحمتیں ہوں حضرت لوطؑ پر وہ بار بار رُکنِ شدید کی پناہ لیتے تھے۔اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

(سورۃ ھود تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر۳ صفحہ 231 تفسیر 81)

یہ مشرک اَپنے سفروں میں اس بستی کے پاس سے گزرتے ہیں جس پر ہم نے تکلیف دہ بارش نازل کی تھی مگر پھر بھی وہ اس کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے۔اس جگہ قریہ سے مراد قوم لوطؑ کی بستی ہے۔

اور اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ سے یہ مراد ہے کہ زلزلہ سے خدا تعالیٰ نے اُن کو تہہ و بالا کر دیا۔جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یعنی ہم نے اُس کی اُوپر والی سطح کو نچلی سطح بنا دیا اور اُن پر سنگریزوں سے بنے ہوئے پتھروں سے بارش برسائی۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 6 سورۃ الفرقان صفحہ 502)

حضرت لوطؑ کی قوم کے وطن پر بھی ایک شدید زلزلہ آیا تھا جس سے زمین کا تختہ اُلٹ گیا تھا شدید زلزلوں میں ایسا ہوتا ہے کہ مٹی سینکڑوں فٹ اُوپر جا کر پھر گرتی ہے۔گویا مٹی اور پتھروں کی بارش ہوتی ہے۔

(سورۃ اعراف آیت نمبر 85 تفسیر صغیر صفحہ 201 حاشیہ 14)

اَتَوْا عَلَی الْقَرْیَۃِ سے یہ مراد ہے کہ جب یہ لوگ اَپنی تجارتی اغراض کے لئے

حجاز سے شام جاتے ہیں تو عین راستہ پر انہیں قومِ لوط کی بستی دکھائی دیتی ہے۔اس بستی کی عبرتناک تباہی کو دیکھ کر چاہئے تھا کہ ان کے دل لرز جاتے اور یہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو قبول کر لیتے مگر یہ ایسے سخت دِل لوگ ہیں کہ ان کھنڈرات کو دیکھنے کے باوجود کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے اور اللہ کے رسول کی تکذیب کرتے چلے جاتے ہیں۔(تفسیر کبیر جلد نمبر 6 سورۃ الفرقان صفحہ 503)

اس میں قوم لوطؑ کی بستیوں کے پاس سے گزرنے والے راستہ کے ہمیشہ قائم رہنے کی طرف اشارہ ہے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 103)

حضرت لوطؑ کی بستیاں عین اس راستہ پر واقع ہیں جو عرب سے شام کو جاتا ہے۔اَے کفار تمہارے قافلے شام کو آتے جاتے عین اس کے پاس سے گزرتے ہیں پھر تم عبرت نہیں حاصل کرتے۔(تفسیر کبیر جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 100)

حضرت لوطؑ کو حکم کہ پیچھے مُڑ کر نہ دیکھیں اور اس کی حکمت۔حاشیہ نمبر 2:اس حکم سے لوطؑ کے بیوی بچوں پر احسان کیا کہ اگر مڑ کر دیکھیں گے تو شاید پیچھے رہ جانیوالی بیاہتا لڑکیوں اور دامادوں کی وجہ سے کسی کو ابتلاء نہ آجائے۔

(سورۃ الحجر آیت نمبر 66 تفسیر صغیر)

حضرت لوطؑ کی بیوی کا مجرم ہونا تفسیر کبیر جلد نمبر 6،سورۃ النور صفحہ نمبر 290 حاشیہ نمبر 16 کی تفسیر میں حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی بیویوں کو مجرم قرار دیا ہے۔تو کیا حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کو بھی مجرم قرار دیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ آیت نمبر 26 سورۃ النور کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس آیت کا مفہوم ہے کہ بُری باتیں بُرے مردوں کے لئے ہیں اور بُرے مرد بُری باتوں کے لئے ہیں اور پاک باتیں پاک مردوں کے لئے ہیں اور پاک مرد پاکباتوں کے لئے ہیں چنانچہ اسی آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ پاک مرد اور پاک عورتیں ان الزاموں سے جو اُن پر لگائے جاتے ہیں پاک ہیں۔یعنی وہ اپنے اعمال کی وجہ سے نظر آتی تھی کہ وہ پیچھے رہ جائے گی۔(تفسیر کبیر صفحہ دوسرا ایڈیشن 491 سورۃ النمل آیت نمبر 58)

حضرت لوطؑ کے واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے واقعات سے مشابہت ہے۔

یعنی جو لوگ فراست سے کام لیتے ہیں ان کے لئے اس واقعہ میں نشانات ہیں یعنی وہ دیکھ سکتے ہیں کہ اس واقعہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے واقعات سے مشابہت ہے۔پس آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دشمنوں کو بھی اسی طرح تباہ کیا جائے گا۔جس طرح حضرت لوطؑ کے دشمنوں کو تباہ کیا گیا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 99 سورۃ الحجر)

حضرت لوطؑ کے دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دشمنوں سے شریف تھے۔سورۃ ھود میں ہے کہ جب حضرت لوطؑ نے کہا کہ میری بیٹیاں تم میں موجود ہیں۔اگر میں غداری کروں تو تم ان کے ذریعے سے مجھے دُکھ دے سکتے ہو۔اور چونکہ کوئی باپ اپنی بیٹیوں کا دُکھ برداشت نہیں کرسکتا اِس لئے سمجھ لو کہ کم سے کم ان کے خیال سے ہی میں تم کو دھوکہ نہ دوں گا۔تو اس پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ تجھ کو معلوم ہے کہ تیری لڑکیوں کو دُکھ دینے کا ہمیں حق حاصل نہیں۔تو ہمارے لئے خطرہ پیدا کرے اور دُکھ ہم تیری لڑکیوں کو دیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دشمن اپنی شرارت کے جوش میں اِس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ان کی لڑکیوں کے ذریعہ سے دُکھ دیتے تھے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 97 تا 98 سورۃ الحجر)

آدابِ دُعا

دُعا کرنے والے کی حالت بھی قبولیت دُعا میں مدومعاون ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنے اللہ سے اس کے حضور ہتھیلیاں پھیلا کر سوالی بن کر دُعا مانگا کرو اور جب دُعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ منہ پر پھیر لو۔اسی طرح فرمایا کہ تمہارا ربّ بہت ہی کریم اور حیا دار ہے۔جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دُعا کرتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ وہ ان ہاتھوں کو خالی واپس لوٹا دے۔

(ترمذی)(اسوۂ انسان کامل صفحہ 125.126.127)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

قرآن کریم حضرت اسمٰعیلؑ کے صحیح حالات بیان کرتا ہے۔حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے تھے۔حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا خواب۔ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے نہ کہ حضرت اسحاقؑ۔حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح ہونے سے مراد ان کا مکہ کی آب وگیاہ وادی میں چھوڑے جانا۔حضرت اسمٰعیلؑ رسول اور نبی تھے۔حضرت اسمٰعیلؑ صادق الوعد تھے۔حضرت اسمٰعیلؑ کو اَپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کرنا۔

سورۃ مریم

ترجمہ: اورتو قرآن کے مطابق اسمٰعیل کا بھی ذکر کر۔وہ یقیناً سچے وعدوں والا تھا اور رسول (اور) نبی تھا۔آیت 55

ترجمہ: اپنے اہل کو نماز کی تاکید کرتا رہتا تھا اور اَپنے ربّ کے نزدیک پسندیدہ وجود تھا۔آیت 56

سورۃ الصّٰفّٰت

ترجمہ: پھر جب وہ لڑکا اس کے ساتھ تیز چلنے کے قابل ہوگیا تو اُس نے کہا اَے میرے بیٹے! میں نے تجھے خواب میں دیکھا ہے کہ (گویا) میں تجھے ذبح کررہا ہوں۔پس تو فیصلہ کر کہ اس میں تیری کیا رائے ہے (اس وقت بیٹے) نے کہا اَے میرے باپ جو کچھ تجھے خدا کہتا ہے وہی کر تو انشاء اللہ مجھے اپنے ایمان پر قائم رہنے والا دیکھے گا۔37:103

پھر جب وہ فرمانبرداری پر آمادہ ہو گئے اَور اس (یعنی باپ) نے اس (رضامندی ظاہر کرنے والے بیٹے) کو ماتھے کے بل گرالیا۔37:104

اور ہم نے اس (یعنی اسمٰعیل) کا فدیہ ایک بڑی قربانی کے ذریعے دیا۔37:108

سورۃ ابراہیم

اَے ہمارے ربّ! میں نے اَپنی اَولاد میں سے بعض کو تیرے معزز گھر کے پاس ایک اَیسی وادی میں جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی لا بسایا ہے اَے میرے ربّ! (میں نے اَیسا اس لئے کیا ہے) تا وہ عمدگی سے نماز ادا کریں۔پس تو لوگوں کے دل اُن کی طرف جھکا دے اَور انہیں مختلف پھلوں سے رزق دیتا رہ تا کہ وہ (ہمیشہ تیرا) شکر کرتے رہیں۔14:38

تشریح تفسیر صغیر سورۃ الصّٰفّٰت صفحہ 591 آیت نمبر 108.104.103

اس خواب کے اصل معنی یہ تھے کہ تجھے مکہ کی بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ کر آنے والا ہوں جو ایک قسم کی موت ہے۔اور یہ تعبیر لفظاً پوری ہوئی گو چھری سے ذبح کرنا لفظاً پورا نہ ہوا۔

جو معنے ہم نے اُوپر استعمال کئے وہ قرآنی الفاظ کے خلاف نہیں۔کیونکہ قرآنی الفاظ میں بھی استعارۃً مکہ میں اسمٰعیل کو چھوڑ آنے کو موت کے قائم مقام بتایا گیا ہے اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں حضرت اسمٰعیل کا ظاہری طور پر ذبح کیا جانا نہ قرآن سے ثابت ہے اَور نہ بائبل سے۔بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرنے لگے تو انہیں آواز آئی کہ اَے ابراہیم! تو اَپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اَور نہ اسے کچھ کر کیوں کہ میں جان گیا ہوں کہ تو خدا سے ڈرتا ہے۔اَور پھر انھوں نے پیچھے نگاہ کی تو ایک مینڈھا دیکھا جسے انہوں نے اسمٰعیل کی جگہ ذبح کیا (پیدائش باب ۲۲)

حدیثوں میں بھی حضرت اسمٰعیل کو کہیں بھی چھری سے ذبح کرنے کا ذکر نہیں بلکہ یہی ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم ان کو اَور ان کی والدہ کو مکہ میں چھوڑ آئے تھے اَور پھر جب حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام جوان ہو گئے اَور شکار کے لئے جنگلوں میں جانے لگے تو اس زمانہ میں حضرت ابراہیم فلسطین سے اُن کو ملنے گئے تھے۔

آیت نمبر 108- بنواسرائیل کہتے ہیں کہ قربانی کے لئے حضرت اسحاقؑ کو چنا گیا تھا اَور وہی پلوٹھا تھا، مگر قرآن اس کے خلاف حضرت اسمٰعیلؑ کا نام لیتا ہے اَور وہی سچا ہے۔کیونکہ بائبل کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وہ کہتی ہے کہ پلوٹھا یعنی سب سے بڑا بیٹا قربان ہوگا۔اَور بڑا بیٹا بائبل کے مطابق حضرت اسمٰعیل تھے نہ کہ اسحاق۔(پیدائش باب ۱۶ آیت نمبر ۱۵) پس جہاں جہاں بھی قربانی کے ذکر میں بیٹے کا ذکر ہے وہاں حضرت اسمٰعیلؑ ہے نہ کہ کوئی اَور۔جب حضرت

اسمٰعیلؑ نے قربان ہونے پر آمادگی ظاہر کی تو چونکہ خواب کی اصل تعبیر یہ تھی کہ اسماعیل کو ایک آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آؤ، خدا تعالیٰ نے الہام کیا کہ ظاہری قتل کے مقابلہ میں جنگل میں رہ کر ہر وقت کی موت قبول کرنا بہتر فدیہ ہے تم اور تمہارا بیٹا اس فدیہ کو قبول کرو تو خدا تعالیٰ کے مقرب ہو جاؤ گے اور سمجھ لیا جائے گا تم نے اَپنے بیٹے کو ذبح کر دیا ہے اَور تمہارے بیٹے نے خوشی سے ذبح ہونا منظور کر لیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی آخری عمر میں اُن کا پلوٹھا بیٹا اسمٰعیلؑ ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور اس کے بعد اُن کی پہلی بیوی سارہ کے بطن سے اسحاقؑ پیدا ہوا۔ سارہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ماموں کی بیٹی تھی ان کو خیال تھا کہ مَیں خاندانی ہوں اور ہاجرہ باہر کی ہے۔ اس لئے وہ اَپنا درجہ بڑا سمجھتی تھیں۔ اتفاقاً حضرت اسمٰعیل جو بچے تھے ایک دفعہ حضرت اسحاقؑ کی کسی حرکت پر یا کسی اَور وجہ سے قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ حضرت سارہ نے سمجھا کہ اِس نے میری اور میرے بچے کی تحقیر کی ہے اَور قہقہہ مارا ہے شاید یہ بھی خیال کیا کہ یہ اس بات پر خوش ہے کہ یہ بڑا بیٹا ہے اور یہ وارث ہوگا اَور اسحاقؑ وارث نہیں ہوگا۔ تب انہوں نے غصّہ میں آکر حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے کہا کہ اس کو اور اس کی ماں کو گھر سے نکال دو کیونکہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میرے بیٹے کے ساتھ یہ تیرا بیٹا وارث ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے پہلے تو اِس بات کو بُرا منایا۔ اَور اِس کام سے رُکے۔ مگر خُدا تعالیٰ جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو مکہ سے ظاہر کرنا چاہتا تھا اُس نے حضرت ابراہیمؑ کو وحی کی کہ جو کچھ تیری بیوی سارہ کہتی ہے وہی کر۔

(پیدائش باب 21)

چنانچہ خُدا کے حکم کے ماتحت حضرت ابراہیم علیہ السّلام حضرت ہاجرہ اَور حضرت اسمٰعیلؑ کو وادیٔ حرم میں چھوڑ گئے اور سارہ اور اسحاقؑ کے سپرد کنعان کا علاقہ کر دیا گیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل نے مکّہ میں بڑھنا شروع کیا اور وہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اسمٰعیلؑ کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مگر یہ رقابت یہیں ختم نہیں ہوگئی بلکہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش پر ان کی ماں سے کہا تھا۔ اُسی طرح ہوا کہ

"اس کا ہاتھ سب کے خلاف اَور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے۔" (پیدائش باب 16 آیت 12)

یعنی ایک زمانہ تک اسماعیلی نسل تھوڑی ہوگی اور اسحاقؑ کی نسل زیادہ ہوگی اَور وہ سب کے سب مل کر اسماعیلی سِلسلہ کی مخالفت کرینگے اَور کوشش کرینگے کہ وہ کامیاب نہ ہو۔ قُرآنِ کریم میں اس کا یوں ذکر فرمایا ہے کہ، یعنی اہلِ کتاب میں سے بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اسمٰعیلی نسل یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اُسے چھوڑ کر پھر کافر ہو جائیں اور یہ بغض محمد رسول اللہ ﷺ کے قصور کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کے اَپنے دلوں سے پیدا شدہ بغض کی وجہ سے ہے اور رقابت کی وجہ سے ہے۔ وہ سارہ اور ہاجرہ کی لڑائی کو دو ہزار سال تک لمبا لے جانا چاہتے ہیں۔ پس اُن کی اس خواہش کی بنیاد کسی جذبۂ خلوص پر نہیں بلکہ اُن کے حسد پر ہے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ: 112)

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو مکّہ میں بھجوایا۔ تو فرمایا کہ اس کے بھائیوں کی تلوار ہمیشہ اس کے مقابلہ میں اَور اس کی تلوار اِن سب کے مقابلہ میں اُٹھی رہے گی۔ یعنی ساری دُنیا اس کی دشمن ہوگی۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ: 107)

بائبل سے اس اَمر کا ثبوت ملتا ہے کہ فاران سے مکّہ کے پہاڑ ہی مُراد ہیں۔ چنانچہ پیدائش باب 21 آیت 20 میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے متعلق لکھا ہے۔:" وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ اَور اُس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت اُس سے بیاہنے کو لی۔"

اَور صرف مکّہ ہی ایک شہر ہے جس کے رہنے والے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو اپنے شہر کا بانی سمجھتے ہیں اَور یہ صرف ایک روایت ہی نہیں بلکہ قوموں کی قومیں اَپنے آپ کو اُن کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ اَور اُن کے سب آثار وہاں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ فتوحاتِ اسلام تک کعبہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے بُت بھی پائے جاتے تھے۔ پس مکّہ والوں کے دعوے کو بہرحال تسلیم کرنا پڑے گا۔ ورنہ یہودیوں اَور عیسائیوں کو وہ شہر پیش کرنا چاہئے۔ جس کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے رکھی ہو۔ اَور جس کے رہنے والے اَپنے آپ کو حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی طرف

منسوب کرتے ہوں۔ اَور اگر کوئی ایسا شہر پیش نہ کر سکیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہی وہ فاران ہے جس کے متعلق پیشگوئی کی گئی تھی۔ اس جگہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کا رہنا ثابت ہے اَور پھر اسی جگہ کے متعلق ملّہ والے دعویٰ کرتے ہیں وہ یہاں رہے اور یہیں اُن کے آثار پائے جاتے ہیں لیکن وہ جگہ جسے یہودی اَور عیسائی فاران قرار دیتے ہیں۔ اُس میں رہنے والے لوگ یہ کبھی نہیں کہتے کہ وہاں حضرت اسمٰعیلؑ آ کر رہے تھے۔ حالانکہ لوگ فخر حاصل کرنے کے لئے بلا وجہ بھی ایسی باتوں کو اَپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں پھر وہ چشمہ جو حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے لئے خُدا تعالیٰ نے نکالا تھا وہ بھی ملّہ ہی میں ہے جو اِس بات کا ایک یقینی اَور قطعی ثبوت ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؓ یہیں آ کر آباد ہوئے تھے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ:242)

حدیثوں میں آتا ہے کہ جب حضرت ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ وہاں بس گئے اَور زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑا تو انہی دنوں وہاں سے ایک قافلہ گزرا۔ اُنہوں نے جب دیکھا کہ یہاں پانی کا وافر انتظام ہے تو انہوں نے حضرت ہاجرہؓ سے وہاں سکونت اختیار کرنے کی اجازت لی۔ حضرت ہاجرہؓ نے اُن کی اِس درخواست کو قبول فرما لیا۔ اَور انہیں وہاں پر رہائش کی اجازت دے دی۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ:172.173)

بائبل بیان کرتی ہے کہ جب بنی اسرائیل نے مصر سے ہجرت کی تو وہ لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ مگر قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ صرف ہزاروں میں تھے اَور تاریخ سے اَور بائبل کی تفصیلات سے بھی پتہ لگتا ہے کہ وہ ہزاروں ہی ہو سکتے تھے۔ لاکھوں نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ لاکھوں آدمی اتنی جلدی مصر کے دُور دراز علاقہ سے بحیرۂ قلزم تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ نہ لاکھوں آدمیوں کے لئے سواریاں میسّر آ سکتی تھیں۔ آج کل مشینوں کا زمانہ ہے۔ لیکن پھر بھی اگر تیس چالیس ہزار آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا چاہیں تو ریلیں اور لاریاں اُن کے لے جانے سے عاجز ہو جاتی ہیں کجا یہ کہ گھوڑوں بیلوں اَور گدھوں کا زمانہ ہو اور ایک رات میں لاکھوں آدمی کئی سو میل پر پہنچا دیئے جائیں۔

قُرآنِ کریم بیان کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو خُدا تعالیٰ نے اَپنے ایک بیٹے کو قُربان کرنے کا حکم دیا اَور بائبل بھی یہی بیان کرتی ہے۔ مگر تفصیلات کو دیکھا جائے تو بائبل کا حکم بالکل بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قُرآنِ کریم کا حکم اَپنے اندر بڑی بھاری حکمتیں رکھنے والا دکھائی دیتا ہے۔ بے شک قُرآن اور بائبل کا اس اَمر میں بھی اختلاف ہے کہ بائبل کہتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا نام لیتا ہے لیکن ذبیح اسحاقؑ ہو یا اسماعیلؑ اِس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا بات ایک ہی رہتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو خُدا تعالیٰ نے اَپنے ایک بیٹے کی قربانی کا حکم دیا اور آپ نے اُسے قبول کر لیا۔ لیکن جہاں تک اس واقعہ کے اخلاقی پہلو کا تعلق ہے۔ قُرآنِ کریم کا بتایا ہُوا واقعہ اَپنے اندر بڑی بھاری معقولیت رکھتا ہے۔ لیکن بائبل کے بیان کردہ واقعہ میں کوئی معقولیت دکھائی نہیں دیتی۔ بائبل کہتی ہے کہ:۔ "خُدا نے ابراہام کو آزمایا اور اُسے کہا اَے ابراہام! اُس نے کہا۔ مَیں حاضر ہوں۔ تب اُس نے کہا کہ تُو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اَور جسے تُو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اَور وہاں اُسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو مَیں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔" (پیدائش باب 22 آیت 1,2) بائبل کہتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اَیسا ہی کیا۔ لیکن جب اُنہوں نے اضحاق کو باندھا اَور اُسے قربان گاہ پر لکڑیوں کے اُوپر رکھا اور چُھری لی تا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے۔" تب خداوند کے فرشتہ نے اُسے آسمان سے پکارا کہ اَے ابراہام! اَے ابراہام! اُس نے کہا مَیں حاضر ہوں۔ پھر اُس نے کہا کہ تُو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اَور نہ اُسے کچھ کر۔ کیونکہ مَیں اب جان گیا کہ تُو خُدا سے ڈرتا ہے۔ اس لئے کہ تُو نے اَپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا۔ اَور ابراہام نے نگاہ کی اَور اَپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے تھے۔ تب ابراہام نے جا کر اُس مینڈھے کو پکڑا اَور اَپنے بیٹے کے بدلے سوختنی قربانی کے طور پر چڑھایا۔" (پیدائش باب 22 آیت 9 تا 14)

گویا بائبل کے بیان کے مطابق حضرت اسحاقؑ علیہ السّلام کو کسی شکل میں ذبح نہیں کیا گیا۔ نہ ظاہری رنگ میں اَور نہ تشبیہی رنگ میں اور اس طرح یہ سارا واقعہ بائبل کے بیان کے مطابق ایک کھیل تھا جو نعوذ باللہ خُدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے کھیلا۔ آخر اِس میں کیا لطف تھا کہ پہلے تو خُدا

تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے کہا کہ تُو اسحاقؑ کو ذبح کر اور پھر نہیں منع کر دیا۔ اگر اس واقعہ سے خُدا تعالیٰ کا صرف اتنا ہی منشا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ایمان ظاہر ہو تو کیا خُدا تعالیٰ کو پہلے معلوم نہیں تھا کہ ابراہیمؑ صادق الایمان اور راستباز انسان ہے اور اُسے جو بھی حکم دیا جائے گا وہ اُس کی تعمیل کے لئے فوراً کھڑا ہو جائے گا۔ اور جب کہ خُدا تعالیٰ کو پہلے ہی سے اس بات کا علم تھا تو حضرت اسحاقؑ کو ذبح کرنے کا حکم دینا اور پھر اُس سے رُوک دینا ایک بالکل بے معنے بات بن جاتی ہے۔ اور اِس کی تہہ میں کوئی حکمت نظر نہیں آتی۔ لیکن قُرآنِ کریم بتاتا ہے کہ اسمٰعیلؑ کی قُربانی کا جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو حکم دیا گیا تھا وہ تشبیہی زبان میں تھا۔ یہ مُراد نہیں تھی کہ آپ واقعہ میں اپنے بیٹے کو چھری سے ذبح کر دیں گے بلکہ ذبح سے مُراد اُس کو دین کی خاطر ایسی جگہ پر رکھنا تھا جہاں کھانے پینے کے سامان مہیّا نہیں تھے۔ چنانچہ گو قُرآنِ کریم کے مطابق بھی حضرت اسمٰعیلؑ کو ایک آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ آنا۔ اِس سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس حکم پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے عمل کروایا چنانچہ آج تک مکّہ اسمٰعیلؑ کی نسل سے آباد ہے۔ اور خُدائے واحد کی پرستش کی جاتی ہے اور خُدا تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلایا جاتا ہے۔ پس قُرآنی تشریح کے مطابق یہ قربانی ظالمانہ اور وحشیانہ نہیں تھی۔ بلکہ پُر مغز اور بامعنی قربانی تھی جس سے دُنیا فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ اور اب بھی اسمٰعیلؑ کے ذریعہ اِس بے آب و گیاہ جنگل میں خدائے واحد کا نام بلند کیا جاتا ہے۔ چنانچہ لاکھوں آدمی حج کے موقعہ پر اس وادئ غیر ذی زرع میں جمع ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر شخص بلند آواز سے کہتا ہے کہ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ۔ یعنی اَے میرے خُدا میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ مَیں تیری توحید کو پھیلانے کے لئے حاضر ہُوا ہوں۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ: 436.437)

اس تمام ذکر سے اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ عیسوی سلسلہ کوئی الگ سلسلہ نہیں بلکہ موسوی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور موسوی سلسلہ کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ساتھ ہے جن کے دو بیٹے تھے اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ۔ اسحاقؑ کے متعلق بھی وعدہ تھا کہ خُدا اُسے اور اُس کی نسل کو ترقی دے گا۔ اور اپنا عہد اس کے ذریعہ سے پورا کرے گا۔ اور اسمٰعیلؑ کے متعلق بھی وعدہ تھا کہ خُدا اُسے برکت دے گا۔ اُسے ایک بڑی قوم بنائے گا لیکن بائبل سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ عہدِ ابراہیمی گو اسحاقؑ کے ذریعہ شروع ہونا تھا۔ مگر پورا اُن کے دونوں بیٹوں کے ذریعہ سے ہونا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِسی حکمت کے ماتحت پہلے ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کا ذکر کیا اور پھر موسیٰ کا ذکر کر کے بتایا کہ عیسیٰ تو نسلِ ابراہیمی کے دو سلسلوں میں سے صرف ایک سلسلہ کی آخری کڑی ہے اُسے تم نے آسمان پر کیوں چڑھا رکھا ہے اور کیوں یہ سمجھتے ہو کہ دُنیا کا جو آخری نجات دہندہ آنا تھا وہ مسیح کی شکل میں آچکا۔ تم جانتے ہو کہ ہم نے ابراہیم سے اسحاق کے متعلق بھی وعدہ کیا تھا اور اسمٰعیلؑ کے متعلق بھی وعدہ کیا تھا۔ اسحاق اور اس کی نسل کے ساتھ ہمارا جو وعدہ تھا وہ پورا ہُوا جس کی آخری کڑی کے طور پر مسیح دُنیا میں آیا۔ اَب تم ابراہیم کے دوسرے بیٹے اسمٰعیلؑ کو بھی یاد کرو۔ اس کے متعلق ہم نے ابراہیم سے جو وعدے کئے تھے وہ وعدے بھی ہم نے پورے کرنے تھے یا نہیں۔ ہم نے بنو اسحاقؑ کے ساتھ اَپنے عہد کو پورا کرتے ہوئے موسیٰ جیسا عظیم الشان نبی اُن میں پیدا کر دیا۔ اب اسمٰعیلی وعدوں کو پورا ہونے کا وقت آیا تو ہم نے اس کی نسل میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو پیدا کر دیا۔

غرض اسمٰعیل کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ابراہیمی عہد کے دوسرے ظہور کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا ہے اور عیسائیوں کو بتلایا ہے کہ جس قسم کا درجہ تم عیسیٰؑ کو دیتے ہو اگر وہ درست ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسمٰعیلؑ کے متعلق جو وعدے کئے گئے تھے وہ بھی ختم ہو گئے ہیں اور ابراہیمی دُعائیں بھی ضائع ہو گئی ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ساتھ دو وعدے کئے گئے تھے۔ ایک اسحاقؑ کے متعلق اور ایک اسمٰعیلؑ کے متعلق۔ گو بتایا گیا تھا کہ نسلِ ابراہیمی سے برکتوں کے دو سلسلے جاری ہوں گے ایک سلسلہ اسحاقؑ کے ذریعہ چلے گا۔ اور ایک سلسلہ اسمٰعیلؑ کے ذریعہ چلے گا۔ اسمٰعیل اگرچہ بڑا لڑکا تھا مگر خُدا نے فرمایا کہ مَیں اپنا عہد اسحاق سے شروع کروں گا۔ چنانچہ وہ سلسلہ شروع ہُوا اور اللہ تعالیٰ نے دو ہزار سال تک بنو اسحاق کو

نبوت اَور حکومت عطا فرمائی۔ اَب اگر مسیح پر آ کر یہ تمام سلسلہ ختم ہو جانا تھا تو اس کے معنے یہ تھے کہ اسمٰعیل کے متعلق جو کچھ کہا گیا تھا وہ بالکل جھوٹ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو اس طرف توجہ دلائی کہ تمہارا یہ کہنا کہ عیسٰی ایسے مقام پر تھا کہ جس کے بعد عہدِ ابراہیمی ختم ہو گیا بائبل کے صریح خلاف ہے۔ تمہیں اب اُس دوسرے سلسلہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے جو ہم نے ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے اسمٰعیلؑ کی نسل میں سے جاری کیا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۔ اِن الفاظ میں عیسائیوں اَور یہودیوں پر ایک سخت چوٹ کی گئی ہے۔ فرماتا ہے۔ اسمٰعیلؑ بڑے سچے وعدے کرنے والا تھا۔ مگر تمہارے نزدیک میں ہی جھوٹے وعدے کرنے والا ہوں۔ وہ ہمارے لئے اپنی جان تک دینے کے لئے تیار رہتا تھا۔ خود بائبل میں لکھا ہے کہ "اُس کا ہاتھ سب کے خلاف اَور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اَور وہ اَپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا۔" (پیدائش باب 16 آیت 12) یعنی اس کی زندگی ہمیشہ تلواروں کے سایہ تلے گزرے گی اَور وہ دین کے لئے ہمیشہ اپنے بھائیوں سے نبرد آزما رہے گا۔ اسی طرح بائبل میں حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق آتا ہے کہ "خُدا اس لڑکے کے ساتھ تھا۔" (پیدائش باب 24 آیت 20) گویا بائبل کی شہادت بھی اس امر پر موجود ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ خطرناک حالات میں سے بھی گزرے مگر پھر بھی انہوں نے خُدا کو نہ چھوڑا۔ جب وہ دین کے لئے اس قدر فدائیت کی روح اَپنے اَندر رکھتا تھا اور خُدا تعالیٰ کی خاطر خطرناک سے خطرناک حالات میں اپنے آپ کو ڈالنے کے لئے تیار رہتا تھا تو اے عیسٰی کے ماننے والو! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مَیں اُسے چھوڑ دوں اَور اُن خبروں کو پورا نہ کروں جو اس کی آئندہ کی نسل کے متعلق میں نے دی تھیں۔ گویا میں نے اسمٰعیلؑ کے متعلق دوہری خبریں دیں۔ ایک دفعہ میں نے ابراہیمؑ کے ذریعہ اسمٰعیلؑ اَور اس کی نسل کی ترقی کی خبر دی اور دوسری خود اسمٰعیلؑ کو میں نے اس بارہ میں الہامات کئے اَور اسمٰعیلؑ وہ تھا جو بڑے سچے وعدے کرنے والا تھا مگر اب تم یہ چاہتے ہو کہ میں ابراہیمؑ کو بھی جھوٹا ثابت کروں اَور اسمٰعیلؑ جو بڑا راستباز انسان تھا اس کو بھی جھوٹا ثابت کروں اَور خود بھی جھوٹا بنوں۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:294.295)

حضرت اسمٰعیلؑ کا ختنہ کرانا ایک صاف ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرت اسمٰعیلؑ بھی آپؑ کی اولاد میں سے تھے جس کے ساتھ وہ عہد پُورا ہونا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بنو اسمٰعیلؑ میں ختنہ کا رواج ہمیشہ رہا۔ اَور یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ حکم نہ صرف اسمٰعیل کے لئے بلکہ اس کی اولاد کے لئے بھی سمجھا گیا تھا۔ پس عہد جس طرح حضرت اسحاقؑ کی اولاد کے لئے تھا پس عہد اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کے لئے بھی تھا باقی رہا پیدائش باب 17 آیت 21 کا مطلب کہ "میں اپنا عہد اسحاقؑ سے باندھوں گا۔" سو دوسرے حالات کو مدّنظر رکھ کر آیت کا یہ مطلب ہے کہ اس ابدی عہد کی ابتداء بنو اسحاقؑ سے شروع ہوگی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عہد جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد کے متعلق تھا ابتداء میں بنو اسحاقؑ سے پورا ہوُا۔ لیکن بائبل سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عہد بنو اسمٰعیلؑ کے بارہ میں بھی تھا۔ کیونکہ ختنہ کا حکم انہیں بھی دیا گیا تھا۔ جیسا کہ لکھا ہے:۔ "جب اُس کے بیٹے اسمٰعیل کا ختنہ ہوُا وہ تیرہ برس کا تھا۔" (پیدائش باب 17 آیت 25) اور اسمٰعیلؑ کے متعلق بھی برکت کا وعدہ کیا گیا تھا جیسا کہ لکھا ہے:۔ "اَور اسمٰعیلؑ کے حق میں مَیں نے سُنی۔ دیکھ مَیں اُسے برکت دوں گا۔ اَور اُسے برومند کروں گا اَور اُسے بہت بڑھاؤں گا۔" (پیدائش باب 17 آیت 20) پس ضروری تھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ بھی اس برکت میں شامل ہوتے۔ گو وہ اس عہد میں شامل نہ تھے جو کنعان کے قبضہ کے متعلق تھا۔ کیونکہ وہ وعدہ صرف اسحاقؑ کی نسل کے ساتھ پورا ہونا تھا۔ لیکن یہود و نصاریٰ غلطی سے یہ سمجھنے لگ گئے کہ برکت کا عہد صرف اسحاقؑ کی اَولاد سے تھا۔ حالانکہ ابراہیمی عہد کی دو (2) شکلیں تھیں۔ ایک مجمل اَور ایک مفصّل۔ مجمل عہد تو یہ تھا کہ مَیں تیری نسل سے مراد اسحاقؑ اَور اسمٰعیلؑ دونوں تھے۔ اَور مفصّل عہد آگے دو حصّوں میں منقسم تھا۔ اسحاقؑ کی نسبت تو یہ عہد تھا کہ کنعان کی حکومت اُسے نسلاً بعد نسل حاصل ہوگی اَور اسمٰعیل کی نسبت بائبل صرف اتنا بتاتی ہے کہ خُدا تعالیٰ نے کہا کہ مَیں اُسے برکت دوں گا اَور برومند کروں گا۔ یہ برکت اُسے کس طرح دی گئی؟ اِس کا جواب ہمیں بائبل سے نہیں بلکہ قُرآن کریم سے ملتا ہے۔ قُرآنِ کریم بتاتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے متعلق یہ وعدہ کیا

گیا تھا کہ اُسے اور اُس کی اَولاد کو مکّہ مکرمہ اَور اُس کے گرد و نواح پر حکومت دی جائے گی۔ اَور خُدا تعالیٰ اُن کے مرکز کو ہمیشہ دشمن کے حملہ سے محفوظ رکھے گا اَور تمام علاقہ پر اُن کی روحانی اَور جسمانی حکومت ہو گی۔ اَور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی نسل میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمائے گا۔ جو تمام دُنیا کی ہدایت کا موجب ہو گا۔ پس یہ غلط ہے کہ بنو اسمٰعیلؑ کے ساتھ برکت کا کوئی وعدہ نہ تھا۔ بائبل کی خود اندرونی شہادات بتا رہی ہیں کہ نسلِ اسمٰعیلؑ کی ترقی کا بھی وعدہ کیا گیا تھا۔ اَور ضروری تھا کہ جس طرح بنو اسحاق کو ترقی دی گئی اسی طرح بنو اسمٰعیلؑ کو بھی ترقی دی جاتی۔ اَور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوتا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ :189)

حضرت ابراہیمؑ کے الہام میں یہ اُمور بیان ہیں کہ (1) حضرت اسمٰعیلؑ کی اَولاد بھی حضرت اسحاقؑ کی اَولاد کی طرح بے انتہا ترقی کرے گی حتیٰ کہ گنی نہ جا سکے گی۔ (2) اسے ایسی عظمت ملے گی کہ سب دُنیا اس سے حسد کرے گی۔ (3) باوجود اس کے کہ سب دُنیا اس کی مخالفت کرے گی وہ ان سے دبے گی نہیں بلکہ ان کے مقابل پر عزت کی زندگی بسر کرے گی۔

اس پیشگوئی سے ظاہر ہے کہ بنو اسمٰعیل کے لئے عالمگیر عزت شہرت اَور عظمت مقدّر کی گئی تھی اس قدر کہ اس کے نتیجہ میں دُنیا کی سب قومیں ان سے حسد کرنے لگیں گی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اَپنے متعلق آکر یہی دعویٰ کیا کہ وہ اَیسی عظمت حاصل کریں گے کہ سب دُنیا ان پر حسد کرنے لگے گی خصوصاً بنو اسحاقؑ۔ اَور یہ کہ آپ کو سب دُنیا پر خُدا تعالیٰ غلبہ دے گا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 1 صفحہ :370)

مسیحی مصنّف اِس آیت پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نبی نہ تھے مگر قُرآن نے انہیں نبی کہہ دیا ہے۔ اَور وہ دریافت کیا کرتے ہیں کہ اسمٰعیلؑ کی نبوّت کا کیا ثبوت ہے؟ حالانکہ اگر وہ غور کریں تو یہی سوال اُلٹ کر اُن پر پڑتا ہے کہ اسحاقؑ کی نبوت کا کیا ثبوت ہے جو ثبوت اسحاقؑ کی نبوت کا ہے وہی اسمٰعیلؑ کی نبوت کا ہے موسیٰؑ اَپنے دادا اسحاقؑ کی نبوت کا اعلان کرتے ہیں۔ اَور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اَپنے دادا اسمٰعیلؑ کی نبوت کا اعلان کرتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ بائبل نے بخل سے کام لے کر حضرت اسمٰعیلؑ کی نبوت کا ذکر نہیں کیا۔ اَور قرآنِ کریم جو کبھی کسی صداقت کا انکار نہیں کرتا۔ اُس نے نسلی تعصّبات سے کام نہ لے کر دونوں بزرگوں کی بزرگی کا اقرار کیا ہے۔ آخر نبی اسرائیل کے پاس اسحاقؑ کی نبوّت کا اِس کے سوا کیا ثبوت ہے کہ ایک سچّے نبی نے جس کی نبوت اُن کے خیال میں دلائل سے ثابت ہے۔ اسحاق علیہ السّلام کی نبوت کا اقرار کیا ہے۔ یہی دلیل ایک مسلمان دے گا کہ اسمٰعیل علیہ السّلام کی نبوت کا یہ ثبوت ہے کہ ایک سچے نبی نے جس کی نبوت دُنیا کے تمام انبیاء کی صداقت کے دلائل سے زیادہ وزنی دلائل کے ساتھ ہے اُسے نبی قرار دیا ہے۔ اگر بائبل کی شہادت سے اسحاق علیہ السّلام نبی قرار پا سکتے ہیں تو قرآن کریم کی شہادت سے اسمٰعیل علیہ السّلام کو کیوں نبی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ مسیحی مصنفوں کو حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی نبوت کے ماننے میں سوائے اس کے کوئی عذر نہیں کہ اُن کا ذکر بائبل میں نہیں۔

حالانکہ بائبل سے ثابت ہے کہ اُن کو سارؔہ کے حسد کی وجہ سے وطن چھوڑ کر بے وطنی کی زندگی بسر کرنی پڑی تھی اور جبکہ سارؔہ کو اسمٰعیلؑ سے اس قدر دشمنی تھی کہ اُن کو گھر چھوڑنا پڑا اور وہ بہت دُور ایک ملک میں چلے گئے۔ تو بنی اسرائیل نے اپنی کتب میں اُن کی کب تعریف کرنی تھی اور اُن کی نبوت کا کس طرح ذکر کرنا تھا۔ پس اُن کے حالات کا بائبل میں نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کسی چیز کو عدمِ ذکر اس کے عدمِ وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ مگر موجودہ بائبل بھی ایسے اشارات رکھتی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام سے بھی خُدا تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے تھے۔ اوّل تو اُن کا نام ہی دلالت کرتا ہے کہ وہ خُدا تعالیٰ کے پیارے ہونیوالے تھے۔ کیونکہ آپ کا الہامی نام اسمٰعیلؑ تھا۔ جس کے معنے ہیں خُدا نے سنی۔ اور یہ نام بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ پیدائش باب 16 آیت 11 میں لکھا ہے:

"خداوند کے فرشتے نے اُسے (یعنی حضرت ہاجرہؓ کو) کہا۔ کہ تُو حاملہ ہے اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام اسمٰعیلؑ رکھنا کہ خداوند نے تیرا دُکھ سُن لیا"

اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی بشارت کے ماتحت پیدا ہوا اور الہام میں اس کا نام بھی تجویز ہوا ہو۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خُدا تعالیٰ کا برگزیدہ نہیں تھا خود الہامِ الٰہی کی تکذیب کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆

حضرت اسحاق علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے چھوٹے بیٹے اسحاق علیہ السلام تھے ان کے بیٹے کا نام یعقوب علیہ السّلام تھا جو حضرت یوسف علیہ السّلام کے والد تھے۔(تفسیر کبیر جلد 1 صفحہ:354)

حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم کی جن سورتوں میں ذکر ہے ان آیات کا ترجمہ درجہ ذیل ہے۔

سورۃ ہود

ترجمہ: اور اس کی بیوی (بھی پاس ہی) کھڑی تھی۔اس پر وہ بھی گھبرائی تب ہم نے اس کی تسلّی کے لیے اس کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب (کی پیدائش) کی بشارت دی۔11:72

سورۃ الذّٰریٰت

ترجمہ: اور (دل میں) اُن سے کچھ ڈرا (وہ اس حالت کو سمجھ گئے) اور کہنے لگے، ڈرنہیں۔اور اسے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔51:29

ترجمہ: اتنے میں اس کی بیوی آگے آئی جس کے چہرے پر شرم کے آثار تھے۔پس اس نے زور سے اپنے ہاتھ چہرے پر مارے اور بولی۔مَیں تو بانجھ بڑھیا ہوں۔51:30

سورۃ الصّٰفّٰت

ترجمہ: اور ہم نے اُسے اسحاق کی بھی خبر دی تھی جو نبی تھا اور صالحین میں سے تھا۔37:113

ترجمہ: اور ہم نے اس (یعنی ابراہیم) پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور اُن کی اولاد میں سے بھی کچھ لوگ پورے فرمانبردار تھے اور بعض اپنی جانوں پر کھُلا کھُلا ظلم کرنے والے تھے۔37:114

سورۃ صٓ

ترجمہ آیت 46: اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو، جو بڑے فعاّل اور دُور اندیش تھے۔38:46

تفسیر از تفسیرِ کبیر

حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم السلام کے چھوٹے بیٹے تھے۔آپ کی والدہ کا نام حضرت سارہ تھا۔حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی خوش خبری دی تو اس وقت حضرت سارہ جو بے اولاد تھیں اور اپنی عمر کا ایک حصہ گذار کر بوڑھی ہو چکی تھیں اس بات کو سن کر گھبرائیں اور کہا کہ کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور میرا خاوند بھی بڑھاپے کی حالت میں ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس آیت تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:" اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ الٰہی خبر کا انکار کر رہی تھیں۔ایک عام طبقہ کی مومنہ کے متعلق بھی یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اللہ کی قدرت کا انکار کے رنگ میں تعجب کرے گی۔تو ایک نبی کی مومنہ بیوی کے متعلق کس طرح خیال ہو سکتا ہے کہ وہ خدا کے نشانات کو دیکھنے کے بعد اس کی قدرت پر انکار کے رنگ میں تعجب کرے۔پس ان کا تعجب نعمت کی عظمت کے اظہار کے لئے تھا۔چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بھی ایک جگہ اسی قسم کے الفاظ آتے ہیں۔اور وہ خود ہی تشریح بھی کر دیتے ہیں۔کہ میرا تعجب نعمت کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔نہ کہ اس کے ناممکن ہونے کے خیال سے۔فرمایا، یعنی حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا تم نے باوجود میرے بوڑھے ہو جانے کے مجھے یہ خوش خبری دی ہے۔تم کیسی عجیب وغریب خبر دیتے ہو۔خبر دینے والوں نے کہا ہم نے تجھے یقیناً ایک پوری ہو کر رہنے والی ہی دی ہے۔پس تو مایوس نہ ہو۔حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں کہا میں مایوس نہیں خدا کی رحمت سے تو گمراہ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔" (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 3 صفحہ 266)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی سارہؓ کے بطن سے اسحاقؑ پیدا ہوا۔سارہ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے ماموں کی بیٹی تھی۔ان کو خیال تھا کہ مَیں خاندانی ہوں اور ہاجرہ باہر کی ہے۔اِس لئے وہ اپنا درجہ بڑا سمجھتی تھیں۔

اتفاقاً حضرت اسمٰعیلؑ جو بچے تھے ایک دفعہ حضرت اسحاقؑ کی کسی حرکت پر یا کسی اَور وجہ سے قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔حضرت سارہ نے سمجھا کہ اِس نے میری اَور میرے بچے کی تحقیر کی ہے اَور قہقہہ مارا ہے شاید یہ بھی خیال کیا کہ

یہ اس بات پر خوش ہے کہ یہ بڑا بیٹا ہے اَور یہ وارث ہوگا اور اسحاق وارث نہیں ہوگا تب اُنہوں نے غصّہ میں آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اس کو اَور اس کی ماں کو گھر سے نکال دو کیونکہ مَیں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میرے بیٹے کے ساتھ یہ تیرا بیٹا وارث ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے تو اِس بات کو بُرا منایا۔ اَور اس کام سے رُکے۔ مگر خُدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو وحی کی کہ جو کچھ تیری بیوی سارہ کہتی ہے وہی کر۔

(پیدائش باب 21 آیت 12)

چنانچہ خُدا کے حکم کے ماتحت حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ کو اَور حضرت اسمٰعیل کو وادیٔ حرم میں چھوڑ گئے اَور سارہ اَور اسحاق کے سپرد کنعان کا علاقہ کر دیا گیا۔ (تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ:112)

خدا تعالیٰ نہ صرف یہ کہ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی خبر دی بلکہ اس کے ساتھ ہی حضرت یعقوبؑ کی پیدائش کی خبر بھی دی۔ حضرت یعقوبؑ جو خدا تعالیٰ کے نبی بھی ہیں اَور جن کی نسل سے کئی اَور انبیاء بھی پیدا ہوئے۔

سورۃ ابراہیم کی آیت 38 سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت اسحاقؑ بھی وقف تھے۔ کیونکہ اُن کو بھی دُعا میں شامل کیا گیا ہے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 3 صفحہ:488)

حضرت اسحاقؑ حضرت ابراہیمؑ کے تابع نبی تھے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 3 صفحہ:221)

بائبل میں لکھا ہے کہ "لیکن میں اسحاق سے جس کو سارہ دوسرے سال اسی وقت معین میں جنے گی اپنا عہد قائم کروں گا۔" (پیدائش باب 17 آیت 21)

اس کے صرف یہ معنے ہیں کہ یہ عہد ابتداءً اسحاق کی اولاد کے ذریعہ پورا ہونا شروع ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہُوا کہ پہلے یہ عہد ایک لمبے عرصہ تک بنو اسحاق کے ذریعہ سے پورا ہوتا رہا پھر خُدا تعالیٰ نے اسے بنو اسمٰعیل کی طرف منتقل کر دیا۔ اَور اس اَمر کی وجہ گو اسحاق چھوٹے تھے مگر خُدا تعالیٰ کا عہد پہلے ان کی اَولاد کے ذریعہ سے پورا ہونا شروع ہُوا ہے یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی اَولاد کو وہ نبوت ملنی تھی جو منسوخ نہ ہونے والی تھی اگر ان کے ذریعہ سے پہلے عہد پورا ہوتا تو بنو اسحاق نعمت سے محروم رہ جاتے پس اللہ تعالیٰ نے پہلے بنو اسحاق کو ایک لمبے عرصہ تک نبوت کے انعام سے حصّہ دیا اس کے بعد بنو اسمٰعیل میں وہ نبی مبعوث فرما دیا جو خاتم النّبیّن تھا اَور جس کی شریعت کو کسی اَور شریعت نے منسوخ نہ کرنا تھا بلکہ اس نے قیامت تک دُنیا پر حکومت کرنی تھی۔ (تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 1 صفحہ:370.371)

☆☆☆☆☆☆

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دوست اپنی اپنی اولادوں اور جماعت کے دوسرے نوجوانوں کی اصلاح کریں۔ اپنی اصلاح کریں۔ جھوٹ، چوری، دغا، فریب، دھوکہ، بدمعاملگی، غیبت وغیرہ بدعات ترک کریں۔ حتی کہ اُن کے معاملہ کرنے والا محسوس کرے کہ یہ بڑے اچھے لوگ ہیں۔ اور یاد رکھو کہ اس نعمت کے دوبارہ آنے میں تیرہ سو سال کا عرصہ لگا ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے ہمیں ملی۔ اگر ہم نے اس کی قدر نہ کی اور پھر تیرہ سو سال پر جا پڑی تو اُس وقت تک آنے والی نسلوں کی لعنتیں ہم پر پڑتی رہیں گی۔ اس لئے کوشش کرو کہ اپنی تمام نیکیاں اپنی اولادوں کو دو اور پھر وہ آگے اپنی اولادوں کو دیں۔ اور یہ امانت اتنے لمبے عرصے تک محفوظ چلی جائے کہ ہزاروں سالوں تک ہمیں اس کا ثواب ملتا رہے۔

(الفضل انٹرنیشنل 20.12.2013 صفحہ:9)

حضرت یعقوب علیہ السلام

قرآن پاک میں متعدد جگہ دوسرے انبیاء کے ساتھ حضرت یعقوبؑ کا ذکر بھی آیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور، حضرت یوسفؑ کے باپ تھے۔ آپ کنعان (فلسطین) کے رہنے والے تھے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اس حالت میں جب کہ ان کی کوئی اولاد نہ تھی اور وہ دونوں میاں بیوی عمر کے اس حصہ میں پہنچے ہوئے تھے جب کہ انسان اولاد کی اُمید چھوڑ دیتا ہے خدا تعالیٰ نے نہ صرف بیٹے کی بشارت دی بلکہ ایک ایسے بیٹے کی بشارت دی جو خُدا کا مقرب ہوگا بڑا ہوگا شادی کرے گا اس کی اولاد ہوگی اور وہ اس سے پاک نسل پیدا ہوگی۔

حضرت یعقوبؑ یہود میں خاص حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی قوم کا نسلی امتیاز انہی کے نام سے قائم ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو رؤیا، یا کشف میں اسرائیل کا نام دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔

اسرائیل کے معنے بائبل کے بیان کے مطابق خُدا کا قوی بندہ یا خُدا کا غالب بندہ ہیں۔ لغت میں اسرائیل کے معنی ہیں، خُدا کے جنگجو بہادر، قوی سپاہی یا فرمانبردار کے ہیں۔ (تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 1 صفحہ:354)

سورۃ ہود

ترجمہ: اس کی بیوی (بھی پاس ہی) کھڑی تھی اس پر وہ گھبرائی تب ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب (کی پیدائش) کی بشارت دی۔11:72

سورۃ الانبیاء

ترجمہ: اور ہم نے اسے اسحاق بھی بخشا اور یعقوب بھی بطور پوتے کے (دیا) اور ہم نے سب کو نیک بنایا۔11:72

سورۃ البقرہ

ترجمہ: کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب پر موت (کی گھڑی) آئی (اور) جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے (جواباً) کہا کہ ہم تیرے اور تیرے باپ دادوں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ آیت 134

سورۃ یوسف

ترجمہ: (تو اس وقت کو یاد کر) جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا (تھا) کہ اے میرے باپ! (یقین مانیئے) میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو (بھی رؤیا میں) دیکھا ہے (اور مزید تعجب اس پر ہے کہ) میں نے ان کو اپنے سجدہ کرتے دیکھا ہے۔12:5

اس نے کہا، اے میرے پیارے بیٹے! اپنی (یہ) رؤیا اپنے بھائیوں کے پاس نہ بیان کیجیئو۔ ورنہ وہ تیرے تعلق (ضرور) کوئی (مخالفانہ) تدبیر کریں گے۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔12:6

(یعنی اس وقت کے واقعات میں) جب اُنہوں نے (یعنی یوسف کے بھائیوں نے) ایک دوسرے سے) کہا (کہ) یوسف اور اس کا بھائی یقیناً ہماری نسبت ہمارے باپ کو زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک منضبط جماعت ہیں (اس معاملہ میں) ہمارا باپ (کھلی) کھلی غلطی میں (پھنسا ہوا) ہے۔12:9

اور اُس نے (اُن سے) کہا (کہ) اے میرے بیٹو! تم شہر کے ایک ہی دروازہ سے اکٹھے اندر نہ جانا، بلکہ الگ الگ دروازوں سے اندر جانا۔ اور میں اللہ (کی گرفت) سے بچانے کے لئے کچھ بھی تمہارے کام نہیں آسکتا۔ فیصلہ کرنا (دراصل) اللہ ہی کا کام ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور تمام بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔12:68

اور جب اس طریق کے مطابق جس کا حکم ان کے باپ نے انہیں دیا تھا وہ داخل ہوئے تو وہ غرض پوری ہوگئی جس کیلئے اُنہیں یہ حکم دیا گیا تھا مگر یعقوب

اپنی تدبیر سے اُن (یعنی بیٹوں) کو خدائی تدبیر سے بچا نہیں سکتا تھا۔ ہاں مگر یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جسے اس نے (اس طرح) پورا کر لیا اور چونکہ ہم نے اس کو (یعنی یعقوب کو) علم دیا تھا وہ بڑا علم والا تھا۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ 12:69

اس نے (یعنی یعقوب نے) کہا (کہ یہ بات درست) نہیں (معلوم ہوتی) بلکہ (معلوم ہوتا ہے کہ) تمہارے نفسوں نے کوئی بات خوبصورت کر کے تمہیں دکھائی ہے۔ پس اب میرے لئے یہی رہ گیا ہے کہ اچھی طرح صبر کروں (کچھ) بعید نہیں کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ یقیناً وہی خوب جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ 12:84

اور اُس نے اپنا رُخ پھیر لیا اور (الگ جا کر دُعا کی اَور) کہا اَے (میرے خُدا!) یوسف کے واقعہ پر میں فریاد کرتا ہوں۔ اور غم کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر وہ اپنے غم کو (ہمیشہ اَپنے دل کے) اَندر (ہی) دبائے رکھتا تھا۔ 12:85

اُس نے کہا (کہ) مَیں اَپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ کے حضور کرتا ہوں اور مَیں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔ 12:87

اَے میرے بیٹو! جاؤ اور (جا کر) یوسف اور اس کے بھائی کی جستجو کرو۔ اور اللہ کی رحمت سے نا اُمید مت ہو (اصل) بات یہی ہے کہ اللہ کی رحمت سے کافر لوگوں کے سوا کوئی (انسان) نا اُمید نہیں ہوتا۔ 12:88

تم میرا یہ کرتہ لے جانا اور اُسے میرے باپ کے سامنے (جا) رکھنا (اس سے) وہ (میرے متعلق) سب امور سے واقف ہو جائیں گے اَور تم اَپنا سارا کنبہ (بھی) میرے پاس لے آنا۔ آیت 94

اور جب (ان کا) قافلہ (مصر سے) چل پڑا۔ تو ان کے باپ نے (لوگوں سے) کہا (کہ) اَیسا نہ ہو کہ تم مجھے جھٹلانے لگو تو (میں ضرور کہوں گا کہ) مجھے یوسف کی خُوشبو ضرور آرہی ہے۔ 12:95

اُنہوں نے کہا کہ تو یقیناً اپنی پُرانی غلطی میں (پڑا ہوُا) ہے۔ 12:96

پس جونہی کہ (یوسف کے مل جانے کی) بشارت دینے والا (شخص حضرت یعقوب کے پاس) آیا اُس نے اُس (کرتے) کو اس کے سامنے رکھ دیا جس پر وہ ساری بات سمجھ گیا (اور ان سے) کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ مَیں اللہ کی طرف سے (علم پا کر یقیناً وہ کچھ) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ 12:97

(تب) اُنھوں نے (یعنی حضرت یوسف کے بھائیوں نے) کہا اَے ہمارے باپ! آپ ہمارے حق میں (خُدا سے) ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کریں ہم یقیناً خطا کار ہیں۔ 12:98

اُس نے کہا مَیں (ضرور) تمہارے لئے اَپنے ربّ سے بخشش طلب کروں گا یقیناً وہی (ہے جو) بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ 12:99

پھر جب وہ (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اَپنے ماں باپ کو اَپنے پاس جگہ دی اَور (سب سے) کہا کہ اللہ کی مشیئت کے مطابق تم سب اَمن (اور سلامتی) کے ساتھ مصر میں داخل ہو جاؤ۔ 12:100

اور اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے تخت پر بٹھایا اور وہ (سب) اس کی وجہ سے (خُدا کا شکر کرتے ہوئے) سجدہ میں گر گئے اور اس نے (یعنی یوسف نے) کہا اے میرے باپ! یہ میرے پہلے سے (خواب میں) دیکھی ہوئی بات کی تعبیر ہے۔ اللہ نے اسے پورا کر دیا ہے اَور اس نے مجھ پر (بہت بڑا) فضل کیا ہے کیونکہ اس نے (پہلے) مجھے قید خانہ سے نکالا اَور (مجھے عزت کے مقام پر پہنچا کر اس کے بعد) وہ تمہیں جنگل (کے علاقہ سے (نکال کر اس وقت میرے پاس) لایا جب شیطان نے مجھ میں اَور میرے بھائیوں میں بگاڑ کر دیا تھا۔ میرا ربّ جس سے چاہتا ہے لطف (احسان) کا معاملہ کرتا ہے۔ یقیناً وہی (ہے جو) خوب جانے والا (اَور) حکمت والا ہے۔ 12:101

<u>تفسیر از تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن سورۃ ہود 11:72</u>

بیوی کے گھبرانے سے مراد یہ نہیں کہ اس کو خدا پر بھروسہ نہیں تھا بلکہ اس گھبراہٹ کا تعلق اس بات سے ہے جو اس آیت سے پہلی آیت میں بیان ہوئی تھی یعنی لوط کی قوم پر عذاب کی خبر۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے ایک اور مسئلے کی وضاحت کی کہ ذبیح کون تھا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت

اسحاقؑ اور مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ اور بعض نادان مسلمان بھی یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت اسحاق۔ مگر اگر غور سے اس آیت کو پڑھا جائے تو اس بات کی وضاحت اسی آیت میں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے ساتھ ہی بتا دیا تھا کہ یہ بچہ نہ صرف زندہ رہ کر لمبی عمر پائے گا بلکہ یہ شادی کرے گا اور اس کے نیک اَولاد بھی پیدا ہوگی اور پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہی خدا اس بچے کے بڑا ہونے پر اس کو ذبح کرنے کے لئے کس طرح کہہ سکتا ہے اور اگر کہہ بھی دیا تو حضرت ابراہیمؑ نے یہ کیوں نہ کہا کہ اَے خدا تو خود ہی تو اس کے صاحبِ اَولاد ہونے کی خوشخبری اس کی پیدائش کے ساتھ ہی دے دی تھی اور اب کیوں ذبح کرنے کو کہہ رہا ہے۔ غرض اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ وہ بیٹے حضرت اسحاقؑ نہیں حضرت اسماعیلؑ تھے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن صفحہ 225 جلد سوئم)

تفسیر سورۃ الانبیاء 21:73

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے آپؓ فرماتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ انعام کے طور پر بخشے ایسا ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے بھی وعدہ ہے چنانچہ مسلمانوں کو دُعا سکھائی گئی ہے کہ (درود شریف) یعنی اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر اور آپ کی آنے والی روحانی اَولاد پر اسی طرح فضل نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور اس کی آل پر نازل فرمائے تھے۔ بعض نادانوں کا خیال ہے کہ اس طرح نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقام ابراہیمؑ سے کم ہو جاتا ہے اگر نہیں تو یہ کیسی دُعا ہے کہ ہم بڑے درجے والے کے لئے کم درجے والے کے حوالے سے دُعا کریں نہ صرف اب کرنے کی ہدایت ہے بلکہ قیامت تک کرتے چلے جانے کی نصیحت ہے۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کی دو خوبیاں بیان ہوئی ہیں ایک ذاتی یعنی وہ حلیم تھے صدیق تھے خدا کے مقرب تھے۔ اور دوسری خوبی دی ہے جس کا انعام خدا نے ان کو قومی رنگ میں دیا، وہ یہ کہ انہوں نے خدا سے یہ دُعا مانگی تھی کہ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُسْلِمَةً لَّکَ ۔ (2:129)

یعنی اَے ہمارے خدا ہمیں اپنا سچا فرمانبردار بنائیو۔ اور ہماری ذُریت میں سے بھی ایک ایسی اُمت پیدا کرنا جو تیری رضا کو حاصل کرنے والی اَور تیری راہوں پر چلنے والی ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کو اس رنگ میں قبول فرمایا کہ وہ فرماتا ہے کہ وَاجْعَلْنَا فِی ذُرِّيَّتِنَا النبوۃ والکتاب۔ (العنکبوت 29:28)
ہم نے ابراہیم کی ذریت میں نبوت رکھ دی۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اَپنے عرفان کے مطابق دعائیں کیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے اَپنے عرفان کے مطابق دُعائیں کیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے خدا تعالیٰ سے اتنی دُعائیں کی ہیں کہ مجموعی طور پر تمام انبیاء نے بھی اتنی دُعائیں نہیں کی ہوں گی۔ جس طرح ابراہیمؑ نے جو مانگا خدا نے اس سے بڑھ کر آپ کو دیا اِسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی جو کچھ مانگا ہے اس سے بڑھ کر تمام مخلوق اس کے فیض سے مستفیض ہو۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن صفحہ:532.536 جلد سوئم)

تفسیر سورۃ البقرہ 2:134

اس آیت میں حضرت یعقوبؑ کی اپنے بیٹوں کو توحید پر قائم رہنے کی وصیت اور ہر وقت خدا تعالیٰ کا فرمانبردار رہنے کی ہدایت ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ آپ کی اَولاد نے حضرت یوسفؑ کی مخالفت کر کے عدم ایمان کا ثبوت دیا تھا اَور پھر مصر میں بت پرستی بھی بہت تھی اس لئے حضرت یعقوبؑ نے اس آخری وقت میں پوچھا کہ اب تک تو تم میری پیروی کرتے رہے ہو میرے مرنے کے بعد تم کیا رویّہ اختیار کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا ایمان اَب پختہ ہو گیا ہے ہم پر تمام تجلیات ظاہر ہو چکی ہیں اب ہم خدا تعالیٰ کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں وہ نادانی کا وقت اور تھا جب ہم نے یوسف کی مخالفت کی اَب ہم یہ حماقت نہیں کریں گے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن صفحہ .203 جلد دوئم)

حضرت یعقوبؑ کی بھائیوں کو خواب سنانے سے روکنے کی وجہ

جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ آپ بہت دُور اندیش تھے آپ کو معلوم تھا کہ اس سے بھائیوں میں رشک پیدا ہوگا اَور غصہ میں وہ یہ نہ سوچیں گے کہ خواب دیکھنا انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا اور وہ محض اس وجہ سے کہ اس

کے بڑا ہونے کی بشارت اسے ملی ہے اسے اُپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں گے۔اس بات کی تصدیق بائبل بھی کرتی ہے کہ اس وجہ سے یوسف کے بھائی اس سے خفاء تھے کہ یہ خوابیں بہت دیکھتا ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن صفحہ 282 جلد سوئم)

حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کو زندہ سمجھتے تھے۔

قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ان کی بات کو محض فریب ہی سمجھا بلکہ ان کے بیان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی۔اَور مدد چاہنا بتاتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو اُمید تھی کہ حضرت یوسفؑ زندہ ہیں۔اِسی طرح جب قحط پڑا اَور ان کے بیٹوں نے بتایا کہ غلہ تقسیم کرنے والے نے کہا کہ اگر وہ چھوٹے بھائی کو ساتھ لیکر جائیں گے تو ان کو غلہ زیادہ ملے گا تو اس بات سے آپ کا خیال یقین میں بدل گیا کہ وہ غلہ تقسیم کرنے والا یوسفؑ ہی ہوسکتا ہے ورنہ فرعون کے کسی وزیر کو کیا پڑی تھی کہ وہ بھائی کو لانے کی ضد کرتا۔(تفسیر صغیر صفحہ 300)(اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ میں تو اَپنی حالت اَور غم کی شکایت صرف اللہ کے پاس کرتا ہوں اَور میں اس کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اس میں اشارہ ہے کہ ان کو حضرت یوسفؑ کے زندہ ہونے کا علم تھا۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن صفحہ 350.349 جلد سوئم)

جب حضرت یوسفؑ کی قمیض حضرت یعقوبؑ کے سامنے رکھی گئی تو وہ علم جو پہلے الہامی تھا اَب وہ واقعاتی بن گیا حضرت یعقوبؑ نے جیسا کہ انبیاء کی سنت ہے اَپنی خوشی کو بھول کر اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنی شروع کر دی۔کہ دیکھو خدا تعالیٰ نے جو کہا وہ سچ نکلا۔(تفسیر کبیر صفحہ 358 جلد سوئم،ایڈیشن 2004)

اَپنے بیٹوں کو الگ الگ دروازوں سے محل میں داخل ہونے کی ہدایت میں کیا حکمت تھی۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آپؑ کو نظر لگ جانے کا خوف تھا اس تدبیر سے انہوں نے دور کر لیا لیکن یہ معقول نہیں پہلے بھی تو دس بھائی اکٹھے گئے تھے اس وقت کیوں یہ تدبیر نہ کی پس اصل بات یہی ہے کہ پہلی دفعہ حضرت یوسفؑ نے ان سے بہت سے سوال کئے تھے جس سے بھائیوں کو شبہ ہوا کہ شائد وہ ہمیں جاسوس سمجھ رہے ہیں اَور یہی باتیں انہوں نے اَپنے باپ حضرت یعقوبؑ کو بھی بتائیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے ان کے شبہ کی وجہ سے احتیاطً ہدایت کی کہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اس آیت میں جس علم کا ذکر ہے یہ وہی علم ومعرفت تھی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ملی تھی آپ نے تدبیر بھی کرلی مگر توکل خدا پر ہی کیا۔توکل کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ انسان تدبیر نہ کرے بلکہ اس کے معنی ہیں کہ باوجود تدبیر کے خدا پر ہی بھروسہ کرے اَور یقین رکھے کہ تدبیر بھی اس وقت نفع دیتی ہے جب خُدا تعالیٰ کی نصرت ساتھ ہو۔یا چونکہ انہیں الہام سے معلوم ہوگیا تھا کہ وہ حاکم جو غلہ دیتا ہے یوسفؑ ہے انہوں نے الگ الگ ملنے کا حکم دیا تا کہ بن یامین یوسف سے علیحدگی میں مل سکے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن 339.337 جلد سوئم)

حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بارہ بیٹے تھے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:448)

حضرت یعقوب علیہ السّلام کی آنکھیں سفید ہونے کا کیا مطلب ہے۔

اس کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے مفسرین کہتے ہیں کہ ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں تھیں اَور ان پر سفیدی ہی سفیدی چھا گئی تھی اس سفیدی چھانے پر بھی اختلاف ہے کہ سفیدی کیوں چھا گئی،بعض نے کہا کہ روتے روتے اَور اس رونے کی مدت بھی کسی نے 40 اور کسی نے 81 سال بتائی ہے بعض کہتے ہیں کہ دوسرے بیٹے کی خبر سن کر صدمے سے بینائی جاتی رہی کہ اب تو دوسرا بھی جدا ہو گیا۔خلیفہ ثانیؓ فرماتے ہیں کہ اِبیض کے ایک بھی معنی لغت میں اندھا ہونے کے نہیں بیان ہوئے آپ اس کا مطلب بھر جانے کے کرتے ہیں یعنی ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ پڑیں یعنی کثرت سے آنسو ٹپک پڑے۔اس آیت میں لکھا ہے کہ ’’فصبر جمیل‘‘،جس کا مطلب ہے کہ میں اعلیٰ درجے کے صبر کا نمونہ دکھاؤں گا۔اگر رُو رُو کر انہوں نے آنکھیں ضائع کر دیں تھیں تو اعلیٰ درجے کے صبر کا نمونہ دکھانے کا وہ کس طرح دعویٰ کر سکتے تھے۔کسی نبی کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ کہے کچھ اور کرے کچھ اور اگر وہ ہر وقت روتے رہتے تھے تو دین کی خدمت کس طرح کرتے تھے پس کیوں نہ اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ اس تازہ غم (یعنی دوسرے بیٹے کی جدائی) کی وجہ سے چمک اُٹھیں کیونکہ انہوں نے محسوس کرلیا کہ غم اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔اب ضرور خُدا تعالیٰ کا فضل نازل ہوگا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن صفحہ 350.349 جلد سوئم)

سورۃ آل عمران 3:94

بعض چیزوں سے ان کی بیماری کی وجہ سے ان کو روکا گیا تھا۔بنو اسرائیل نے غلطی سے ان کو حرام سمجھ لیا۔(پیدائش باب ۳۲)(تفسیر صغیر صفحہ 92 حاشیہ 2)

حضرت شعیب علیہ السلام

قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہمیں سورۃ الاعراف، سورۃ ہود، سورۃ القصص میں ملتا ہے۔

سورۃ الاعراف

ترجمہ: اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھی (یقیناً ہم نے رسول کر کے بھیجا) انہوں نے کہا اَے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا اَور کوئی معبود نہیں۔ تمہارے ربّ کی طرف سے ایک کھلا نشان آ چکا ہے (یعنی خود شعیب علیہ السلام) پس چاہیئے کہ ماپ اَور تول دونوں پورے دیا کرو اَور لوگوں کو ان کی چیزیں حق سے کم نہ دیا کرو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اگر تم مومن ہو تو یہ تمہارے لیے بہت ہی اچھا ہے۔ 7:86

اور ہر رستہ پر (اس نیّت سے) نہ بیٹھا کرو جو اللہ پر ایمان لائے اس کو اللہ کے راستہ سے ڈراؤ اور روکو اور اس (خُدا کے رستہ) میں غلطیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہو اَور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے تو خُدا نے تم کو زیادہ کر دیا تھا اَور ہمیشہ نظر میں رکھو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔ 7:87

اس کی قوم میں سے جو لوگ متکبر ہوئے تھے ان میں سے بڑے لوگوں نے کہا اَے شعیب! ہم تجھ کو اَور اُن کو جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اَپنے ملک سے نکال دیں گے، یا پھر تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ گے اس پر اس نے کہا اَور ہم (اس فعل کو) ناپسند بھی کریں (تو کیا پھر بھی نکال دو گے)۔ 7:89

اور جو اُس کی قوم میں سے کافر تھے اُن کے سرداروں نے کہا! اگر تم شعیب کی اتباع کرو گے تو تم نقصان پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ 7:91

پس ان کو ایک زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرنے کی حالت میں پڑے رہے۔ 7:92

وہ جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا (ایسے تباہ ہوئے کہ) گویا وہ کبھی اَپنے ملک میں بسے ہی نہیں تھے وہ جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہ گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گئے۔ 7:93

اس پر وہ (شعیب) اُن سے پیٹھ پھیر کر چل دیے اَور کہتے گئے اَے میری قوم! مَیں نے اَپنے رَبّ کے پیغام تم کو پہنچا دیے تھے اَور تم کو نصیحت کر دی تھی پس اَب میں منکر قوم پر کس طرح افسوس کروں۔ 7:94

سورۃ ہود

اَور مدین کی طرف (ہم نے) اُن کے بھائی شعیب کو (نبی بنا کر بھیجا) اس نے (انہیں) کہا اَے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اَور ماپ اور تول کو کم نہ کیا کرو۔ میں (اس وقت) یقیناً تمہیں اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور (ساتھ ہی) میں تمہاری نسبت ایک تباہ کن دن کے عذاب سے ڈر رہا ہوں۔ 11:85

اَور اَے میری قوم! تم ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ اَور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور فسادی بن کر زمین میں خرابی مت پھیلاؤ۔ 11:86

اُنھوں نے کہا، اَے شعیب! کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ جس چیز کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے (آئے) ہیں اُسے ہم چھوڑ دیں یا اس بات کو (ترک کر دیں) کہ اپنے مالوں کے متعلق ہم جو چاہیں کریں (اگر اَیسا ہے) تو تُو یقیناً بڑا ہی عقلمند (اَور) سمجھ دار (آدمی) ہے۔ 11:88

اس نے کہا، اَے میری قوم! (بھلا) بتاؤ (تو سہی) اگر (ثابت ہؤا کہ) مَیں (اپنے دعویٰ کی بنا) اَپنے ربّ کی طرف سے (عطا شدہ) کسی روشن دلیل پر (رکھتا) ہوں اور اس نے اَپنے حضور سے مجھے اچھا (اَور پسندیدہ) رزق دیا ہے (تو کل خُدا کے حضور کیا جواب دو گے؟) اَور میں نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روکوں (اس سے تم رُک جاؤ اَور خود میں) تمہارے خلاف اسی (بات) کا قصد کروں میں تو سوائے اس (حد تک) اصلاح کے جس کی مجھے طاقت ہے کچھ نہیں چاہتا اور میرا توفیق پانا اللہ ہی (کے فضل اور رحم)

سے (وابستہ) ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اَور اسی کی طرف میں بار بار جُھکتا ہوں۔11:89

اور اے میری قوم! (دیکھنا کہیں تمہاری) مجھ سے دشمنی تمہیں (اس بات پر) نہ اُکساوے کہ تم ویسی (ہی) مصیبت سہیڑلو جیسی کہ نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر مصیبت آئی تھی۔ اَور لوط کی قوم (تو) تم سے کچھ (ایسی) دُور (بھی) نہیں ہے۔11:90

اُنھوں نے کہا، اَے شعیب! جو کچھ تو کہتا ہے اس میں سے بہت سا (حصّہ) ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اَور ہم تجھے اَپنے درمیان ایک کمزور آدمی سمجھتے ہیں اَور اگر تیرا گروہ نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کردیتے اَور تو (بذاتِ خود) ہماری نظر میں کوئی قابلِ عزّت وجود نہیں۔11:92

اس نے کہا اَے میری قوم! کیا میرا گروہ اللہ کی نسبت تمہاری نظر میں زیادہ قابلِ عزّت ہے اور اُسے تم نے اَپنی پیٹھ کے پیچھے ڈالا ہوا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اسے میرا ربّ خوب جانتا ہے۔11:93

اَور اَے میری قوم! تم اَپنی جگہ پر (اَپنے) کام کئے جاؤ میں (بھی اَپنی جگہ پر) اپنا کام کر رہا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے جس پر رسوا کر دینے والا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے (اَور کون سچا) اور تم (بھی اپنے اور میرے انجام کا) انتظار کرو مَیں بھی یقیناً تمہارے ساتھ (نتیجہ کا) منتظر رہوں گا۔11:94

اور جب ہمارا حکم (عذاب کے متعلق) آ گیا، تو شعیب کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے (اس عذاب سے) بچا لیا اَور جنھوں نے ظلم (کا شیوہ اختیار) کیا تھا اُنھیں اس عذاب نے پکڑ لیا اَور وہ اَپنے (اَپنے) گھروں میں زمیں سے چمٹے ہوئے تباہ ہو گئے۔11:95

گویا وہ ان میں (کبھی) رہے (ہی) نہ تھے۔ سنو! مدین کے لئے بھی (خُدا نے) لعنت مقدر کی تھی جیسا کہ ثمود کے لئے (خُدا نے) لعنت مقدر کی تھی۔11:96

<u>سورۃ القصص</u>

اَور جب وہ مدین شہر کی طرف چلا، تو اس نے کہا مجھے اُمید ہے کہ میرا ربّ مجھے سیدھا راستہ دکھا دے گا۔28:23

<u>سورۃ العنکبوت</u>

اور مدیَن کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو رسول بنا کر بھیجا تھا (جب وہ آیا تو) اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اَور اُخروی زندگی کے وقت کو یاد رکھو اور ایسے مفسدانہ کام نہ کرو کہ ملک میں تُمہارے کاموں کی وجہ سے فساد پھیل جائے۔29:37

اِس پر اُنھوں نے اس کو جھٹلا دیا۔ اور ایک ہلا دینے والے عذاب نے اُن کو پکڑ لیا۔ جس کے نتیجہ میں وہ اَپنے گھروں میں (زمین سے) چمٹے کے چمٹے رہ گئے۔29:38

<u>سورۃ الشعرآء</u>

ترجمہ: بَن کے رہنے والوں نے بھی رسولوں کا انکار کیا تھا۔26:177

جب کہ اُن سے شعیب نے کہا کہ کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ 26:178

مَیں تمہاری طرف ایک امانت دار پیغامبر کی حیثیت سے آیا ہوں. 26:179

پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور میری اطاعت کرو۔26:180

اَور میں اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اَجر صرف ربّ العالمین (خُدا) کے ذمّہ ہے۔26:181

(اَے لوگو) پیمانہ پورا (بھر کر) دیا کرو اَور (دوسروں کو) نقصان پہنچانے والے مت بنو۔26:182

اَور سیدھی ڈنڈی سے تولہ کرو۔26:183

اَور لوگوں کو اُن کی چیزیں (ان کے حق سے) کم نہ دیا کرو، اَور ملک میں ہرگز فساد نہ کیا کرو۔26:184

اور جس نے تم کو اور تم سے پہلی مخلوقات کو پیدا کیا ہے اس کا تقویٰ اختیار کرو۔26:185

(اس پر اس کی قوم نے کہا) تُو تو اَیسا (شخص) ہے جسے غذا دی جاتی ہے۔26:186

اور تو صرف ہماری طرح کا ایک انسان ہے، اور ہم یقیناً تجھے کاذب سمجھتے ہیں۔ 26:187

پس اگر تو سچّا ہے تو ہم پر کوئی بادل کا ٹکڑا گرا۔ 26:188

(اس پر شعیب نے) کہا، میرا ربّ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ 26:189

مگر (اس کے سمجھانے کے باوجود) انھوں نے اس کو جھٹلایا پس ان کو سایہ کے دن والے عذاب نے آ پکڑا (یعنی گھنے اور دیرپا بادلوں کے عذاب نے) وہ یقیناً ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تھا۔ 26:190

اس واقعہ میں ایک بُرا انشان تھا اور (اسے دیکھ کر بھی) ان کافروں میں سے اکثر مومنوں میں شامل نہ ہوئے۔ 26:191

حضرت شعیبؑ کا زمانہ بعثت

حضرت شعیبؑ، حضرت نوحؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد گزرے ہیں۔ لیکن حضرت حضرت موسیٰؑ سے پہلے کیونکہ ان کی قوم کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ حضرت موسیٰؑ اسی علاقہ میں اپنی قوم کو لا کر رہے ہیں کہ جس میں ان کی قوم بستی تھی۔ (تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 240) آپ کا تعلق مدین قوم سے تھا۔ مدین قوم جس جگہ رہتی تھی اس کو مدین ہی کہا جاتا تھا۔ یہ اس سرزمین سے زیادہ دُور نہیں تھا جہاں لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تھا۔ مدین شہر کا زیادہ تعلق آبادی اسماعیلی قوم سے تھی۔

تعارف حضرت شعیب علیہ السّلام

حاشیہ: بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی جو حضرت ہاجرہ کے علاوہ تھیں۔ ان سے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں ایک بیٹا ہوا تھا جس کا نام آپ نے مدین رکھا تھا۔ اس کی نسل پھیلتے پھیلتے حجاز کے شمال اور فلسطین کے جنوبی علاقہ میں آباد ہے جو در حقیقت بحیرہ احمر کی وہ شاخ ہے جو عرب کے ساتھ ساتھ گزرتی ہے۔ اور جس کے متعلق آج کل مصر، سعودی عرب اور اسرائیل کے درمیان جھگڑا ہو رہا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اسی قوم میں آئے اور غالباً اسی قوم کا شہر مدین تھا جس میں وہ رہے۔ مدین شہر کی آبادی زیادہ تر اسماعیلی قوم کی تھی۔ (انسائیکلوپیڈیا بائبلیکا زیر لفظ مدین) گو حضرت شعیبؑ خود نسلی طور پر بنو قتورہ سے تھے۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی اس بیوی کی اولاد تھے جو حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ کے علاوہ تھی۔ مگر غالباً اس وجہ سے کہ ان کہ علاقہ کے لوگ زیادہ تر بنو اسمٰعیل یا قریش تھے ان کے واقعات بہت کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات سے ملتے ہیں۔ چنانچہ: ان کی مخالفت بھی زیادہ تر ان کے شہر کے لوگوں نے کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بھی زیادہ تر مکہ والوں نے کی۔: پھر وہ بھی غالباً جنوبی فلسطین سے ہٹ کر مدین شہر میں آ بسے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس شہر کی طرف ہجرت کرنی پڑی اس کا نام بھی مدینہ ہو گیا۔ (حاشیہ: تفسیر صغیر صفحہ 260)

حاشیہ: تفسیر صغیر: حضرت شعیب علیہ السلام کا مقام مدین علاقہ لوط علیہ السلام سے زیادہ دُور نہ تھا۔ بلکہ مصر اور بحیرہ مردار کے درمیان تھا۔

(سورۃ ہود آیت: 90 صفحہ 368)

حضرت شعیبؑ مدین قوم کی طرف آئے اور مدین حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹے کا نام ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی تیسری بیوی قنورہ کے پیٹ سے تھے۔ پُرانے زمانے کے اصول کے لحاظ سے باپ کے نام پر اولاد بھی پکاری جاتی ہے ان کی اولاد بھی ان کے نام کے لحاظ سے مدین کہلائی۔ اس قوم کے مرکزی شہر کا نام بھی مدین ہے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 3 صفحہ: 234)

حضرت شعیبؑ مدین کے رہنے والے تھے جو عربوں کا ایک شہر ہے اور عرب اپنے آپ کو عبرانیوں سے زیادہ اچھی نسل کا سمجھتے تھے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ: 237)

یہ علاقہ عرب اور شام اور مصر کے راستوں پر تھا۔ اور شام اور مصر کے جانے والے قافلے اُن کے پاس سے گزرا کرتے تھے۔ یہ لوگ اصحاب الایکہ تھے یعنی ان کے قبضہ میں ایک بہت بڑا جنگل تھا جس میں بیریاں اور پیلو کے درخت بڑی کثرت کے ساتھ تھے۔ ایسے جنگل میں ڈاکہ ڈالنا زیادہ آسان ہے کیونکہ درختوں کے پیچھے انسان آسانی سے چھپ جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ: 249)

حضرت شعیبؑ نے اَپنی قوم کو نصیحت کی کے تم تجارتی معاملات میں بھی دیانت اختیار کرو اور چوری ڈاکہ زنی اور قتل وغارت کو بھی ترک کردو۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ:249)

حضرت شعیبؑ نے اَپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم دوسروں کو پیانہ پورا بھر کر دیا کرو۔ان لوگوں کو نقصان پہنچانے والے مت بنو،اور ترازو کی ڈنڈی بھی سیدھی رکھا کرو۔اَور ملک میں فتنہ وفساد سے کلی طور مجتنب رہو مگر وہ لوگ جنہیں حرام مال کھانے کی چاٹ لگ گئی تھی۔اس سے کب باز آنے والے تھے انہوں نے بھی اَپنے ہاتھ رنگنے شروع کردئے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ:243)

حضرت شعیبؑ کی قوم کے نصائح پر اُن کی قوم نے جواب دیا کہ تم نے جوٹکر لی ہے۔یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی اور تمہیں اُکسا رہا ہے اَور تمہیں مالی مدد دے رہا ہے تا کہ تم ہمارے خلاف ایسی باتیں کرو اور ہماری طاقت کو کمزور کردو۔ہم چونکہ تجارتی قوم ہیں جو لوگ تجارت میں ہم سے بڑھ نہیں سکتے اُنہوں نے تجھ کو رشوت دی ہے کہ تو ہمیں اُن طریقوں سے روک دے جن سے ہماری تجارت ترقی کر رہی ہے۔(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ:254)

حضرت شعیبؑ جب لوگوں سے کہتے کہ تم دوسروں کا مال نہ لوٹو۔اَپنے مال کو ناجائز کاموں میں صرف نہ کرو۔تو آپ کی باتوں سے آپ کی قوم حیران ہوتی تھی اَور کہتی تھی کہ شعیب پاگل ہو گیا ہے اَور دیوانوں کی سی باتیں کرتا ہے۔(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ:107)

جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے شعیب اَور اُس پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا اَور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا تھا انہیں عذاب نے پکڑ لیا اَور وہ اَپنے گھروں میں چمٹے ہوئے تباہ ہو گئے۔اُن کو اُنہی کے معیار کے مطابق ایک سائے والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا یعنی بادوباراں کا ایسا شدید طوفان آیا کہ جس نے اس ملک کو تباہ کر دیا وہ عذاب ایک ہولناک دن کا عذاب تھا اور اُس نے بعد میں اُس ملک میں آنے والی نسلوں کے لئے ہمیشہ کے لئے ایک نشان بنا دیا۔

سورۃ الشعرآء میں اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کے متعلق وضاحت فرمادی کہ یہ عذاب ایک ہولناک بارش کی صورت میں آیا تھا جس کے نتیجہ وہ اَپنے گھروں میں زمین سے چمٹے کے چمٹے رہ گئے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ:254)

نبی کی غیرت کو دیکھو اور کوئی ہوتا تو خوش ہوتا کہ میری قوم ایسی مضبوط ہے کہ اس کی وجہ سے میری حفاظت ہو رہی ہے اور شاید اس امر پر اور زور دیتا کہ مجھے چھیڑ کر دیکھو تو سہی کہ میری قوم تم سے کیا سلوک کرتی ہے لیکن حضرت شعیبؑ اُلٹے ناراض ہوتے ہیں اَور کہتے ہیں کہ کیا میری قوم خُدا تعالیٰ سے بڑی ہے کہ تمہیں اس کا لحاظ ہے مگر خُدا تعالیٰ کا نہیں میری قوم کے ڈر سے مجھے کچھ نہیں کہنا چاہتے لیکن خُدا کا خوف نہیں کرتے۔اَور دھوکے اَور لوٹ سے باز نہیں آتے اس جوش میں آپ اِس اَمر کا بھی خیال نہیں کرتے کہ اس طرح وہ اَپنی قوم کی تحقیر کر کے اسے بھی غصّہ دلا رہے ہیں صرف ایک ہی بات ان کے خیالات پر حاوی ہے اَور وہ اللہ تعالیٰ کی عزت کا مقام ہے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 3 صفحہ:242)

اس کے بعد ہم نے مدین کی طرف شعیب کو رسول بنا کر بھیجا مگر اس قوم نے بھی قومِ لوط کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حضرت شعیب کا انکار کردیا۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ 522)

سورۃ القصص تفسیر صغیر صفحہ 500 حاشیہ: مصر سے عبرانی علاقہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں مدین آتا تھا۔اس وقت مدین میں عاد قوم کے عرب رہتے تھے۔اسرائیلیوں نے عربوں کو موسیٰ علیہ السلام کے بچانے کا اچھا بدلہ دیا ہے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ (2:157)

....

حضرت موسیٰ علیہ السّلام

حضرت موسیٰ علیہ السّلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت میں سے تھے۔ آپ بنواسرائیل میں سے تھے۔آپ کے والد کا نام عمران تھا۔بھائی کا نام ہارونؑ اور بہن کا نام مریم تھا۔

مصر کا بادشاہ فرعون اسرائیلیوں پر بڑے ظلم رَوا رکھتا تھا۔اس کا کام تھا کہ اسرائیلیوں کے ہاں پیدا ہونے والے ہرلڑکے کو مار دیا جائے۔

فرعون نے اَپنی حکومت کے گھمنڈ میں تکبّر شروع کر دیا اَور لوگوں پر تعدّی کرنی شروع کر دی۔وہ تمام رعایا کے ساتھ برابر کا سلوک نہیں کرتا تھا۔نہ ان کی ترقی کی طرف توجہ کرتا تھا۔بلکہ مختلف نسلوں اَور مختلف مذہبوں سے تعلق رکھنے والوں کو آپس میں لڑواتا تھا اَور بعض لوگوں کو حقیر اَور حکومت کی حفاظت سے خارج قرار دیتا تھا اَور ان کی نرینہ اَولادوں کو ہلاک کر دیتا تھا اَور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا اَور وہ یقیناً زمین میں فساد کر رہا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا ذکر سورۃ البقرہ،سورۃ المائدہ،سورۃ مریم،سورۃ طٰہٰ،سورۃ النمل،سورۃ الاعراف،سورۃ بنی اسرائیل،سورۃ الشعراء،سورۃ یونس، سورۃ النازعات،سورۃ المومن،سورۃ الزخرف،سورۃ الدخان،،سورۃ الکھف،سورۃ الاحزاب،سورۃ الصّٰفّٰت میں ہے۔

آیات سورۃ البقرۃ

ترجمہ: اَور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کی قوم سے اس حالت میں نجات دی کہ وہ تمہیں بدترین عذاب دے رہی تھی تمہارے لڑکوں کو قتل کر دیتی تھی اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتی تھی اور تمہارے ربّ کی طرف سے اِس (بات) میں (تمہارے لئے) ایک بڑی آزمائش تھی۔2:50

اور (اُس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑا۔پھر ہم نے تمہیں نجات دی اور تمہاری نظروں کے سامنے فرعون کی قوم کو غرق کر دیا۔2:51

اور (اُس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔پھر تم نے اس کے (چلے جانے کے) بعد ظالم بن کر بچھڑے کو (معبود) بنالیا۔2:52

پھر ہم نے اس کے بعد (بھی) تمہیں معاف کر دیا تا کہ تم شکر گزار بنو۔2:53

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب (یعنی تورات) اَور فرقان (یعنی معجزات) دئے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔2:54

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اَے میری قوم (کے لوگو!) تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر یقیناً اَپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اِس لئے تم اَپنے پیدا کرنے والے کی طرف جھکو،اور ہر شخص اپنے آپ کو قتل کر دے۔یہ بات تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے حق میں بہت اچھی ہے۔(جب تم نے اَیسا کرلیا) تب اُس نے تمہاری طرف فضل کے ساتھ پھر توجہ کی وہ یقیناً (اَپنے بندوں کی طرف) بہت توجہ کرنے والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔2:55

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم تیری بات ہر گز نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو آمنے سامنے نہ دیکھ لیں،اس پر تمہیں ایک مہلک عذاب نے پکڑ لیا اور تم (اَپنی آنکھوں سے اپنے فعل کا انجام) دیکھ رہے تھے۔2:56

ترجمہ: پھر ہم نے تمہاری ہلاکت کے بعد تمہیں اس لئے اُٹھایا کہ تم شکر گزار بنو۔2:57

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اَور تمہارے لئے منّ اَور سلوٰی اُتارے (اور کہا کہ) ان پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں کھاؤ۔اَور انہوں نے (نافرمانی کرکے) ہمارا نقصان نہیں کیا بلکہ وہ اَپنا ہی نقصان کر رہے تھے۔2:58

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ

اُوراس میں سے جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ اُور (اس کے) دروازے میں پوری فرمانبرداری کرتے ہوئے داخل ہواور کہتے جاؤ (کہ ہم) بوجھ ہلکا کرنے کی التجا (کرتے ہیں، تب) ہم تمہاری خطاؤں کو بالکل معاف کر دیں گے اُور ہم محسنوں کوضرور بڑھائیں گے۔ 2:59

پھر (اُن کی شرارت دیکھو کہ) ظالموں نے اُس بات کے خلاف جو انہیں کہی گئی تھی ایک اور بات بدل (کر کہنی شروع کر) دی۔ جس پر ہم نے ان لوگوں پر جنہوں نے ظلم کیا تھا ان کے نافرمان ہونے کے سبب سے آسمان سے ایک عذاب نازل کیا۔ 2:60

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے (اُسے) کہا کہ اپنا سونٹا فلاں پتھر پر مار۔ اس پر اُس میں سے بارہ چشمے پُھوٹ پڑے (اور) ہر ایک گروہ نے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا، (تب اُنہیں کہا گیا کہ) اللہ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور مفسد بن کر زمین میں خرابی نہ پیدا کرو۔ 2:61

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اَے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکیں گے اس لئے تُو ہمارے لئے اَپنے ربّ سے دُعا کر کہ وہ ہمارے لئے بعض ایسی چیزیں جنہیں زمین اُگاتی ہے پیدا کرے۔ یعنی اس کی سبزیاں، ککڑیاں، گیہوں، مسور اَور پیاز۔ (اس پر اللہ نے) کہا کہ کیا تم اس چیز کی بجائے جو اعلیٰ ہے اس چیز کو لینا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے۔ کسی شہر میں چلے جاؤ (وہاں) جو کچھ تم نے مانگا ہے تمہیں ضرور مل جائے گا (تب) انہیں ہمیشہ کے لئے ذلیل اور بے بس کر دیا گیا اور وہ اللہ کے غضب کا مورد بن گئے۔ یہ اس وجہ سے (ہوا) کہ وہ اللہ کے نشانات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنا چاہتے تھے (اور) یہ (گناہ) اُن کی نافرمانی کرنے اور حد سے بڑھے ہوئے ہونے کے سبب سے (اُن میں پیدا ہوگیا) تھا۔ 2:62

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا اُور طور کو تمہارے اُوپر بلند کیا تھا (اور کہا تھا کہ) جو (کچھ) ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے مضبوطی سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں ہے اُسے یاد رکھو، تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ 2:64

پھر اس (واضح ہدایت کے مل جانے) کے بعد (بھی) تم نے پیٹھ پھیر لی اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔ 2:65

اور تم ان لوگوں (کے انجام) کو جنہوں نے تم میں سے (ہوتے ہوئے) سبت کے معاملہ میں زیادتی کی تھی یقیناً جان چکے ہو، اس پر ہم نے انہیں کہا تھا کہ (جاؤ) ذلیل بندر بن جاؤ۔ 2:66

پس ہم نے اس (واقعہ) کو اُن (لوگوں) کے لئے بھی جو (اس وقت) موجود تھے اور اس (وقوعہ) کے بعد آنے والے لوگوں کے لئے بھی (موجب) عبرت اُور متقیوں کے لئے (موجب) نصیحت بنا دیا۔ 2:67

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ انہوں نے کہا تو ہمیں تمسخر کا نشانہ بناتا ہے؟ (موسیٰ نے) کہا میں (اس بات سے) اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ (ایسا فعل کر کے) جاہلوں میں شامل ہو جاؤں۔ 2:68

اُنہوں نے کہا، ہماری خاطر اَپنے ربّ سے دُعا کیجئے کہ وہ ہمیں کھول کر بتائے گا کہ وہ (گائے) کیسی ہے؟ اس نے (یعنی موسیٰ نے) کہا کہ وہ فرماتا ہے وہ ایسی گائے ہے کہ نہ تو بُڑھیا ہے اور نہ بچھیا، بلکہ اس کے درمیان پوری جوان ہے اس لئے جو حکم تمہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاؤ۔ 2:69

انہوں نے کہا، ہماری خاطر اَپنے ربّ سے (پھر) دُعا کیجئے کہ وہ ہمیں کھول کر بتائے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ (موسیٰ نے) کہا، وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک زرد رنگ کی گائے ہے۔ اس کا رنگ بہت شوخ ہے (اور) وہ دیکھنے والوں کو بہت پسند آتی ہے۔ 2:70

اُنہوں نے کہا، ہماری خاطر اَپنے ربّ سے (پھر) دُعا کیجئے کہ وہ ہمیں کھول کر بتائے کہ وہ (گائے) کیسی ہے؟ ہمیں تو اس قسم کی (سب) گائیں ایک ہی جیسی نظر آتی ہیں اور (یقین رکھیئے کہ) اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت کو قبول کر لیں گے۔ 2:71

(موسیٰ نے) کہا، وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہے جو نہ تو جُوئے کے نیچے

لائی گئی ہے کہ ہل چلاتی ہو اَور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہے، بالکل تندرست ہے، اس میں کوئی غیر رنگ نہیں (پایہ جاتا) انہوں نے کہا اَب تو نے (ہم پر) حقیقت کھول دی ہے، چنانچہ انہوں نے اس (گائے) کو ذبح کر دیا، گو وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ 2:72

سورۃ القصص

ترجمہ: ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی تھی اس کو (یعنی موسیٰ کو) دُودھ پلا۔ پس جب تو اس (کی جان) کے متعلق خائف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اَور ڈر نہیں اور نہ کسی پچھلے واقعہ کی وجہ سے غم کر ہم اس کو تیری طرف لوٹا لائیں گے۔ اَور اس کو رسولوں میں سے ایک رسول بنائیں گے۔ (چنانچہ موسیٰ کی ماں نے اس وحی کے مطابق عمل کیا اور موسیٰ کو دریا میں ڈال دیا)۔ 28:8

سو اس کے بعد اس (موسیٰ) کو فرعون کے خاندان میں سے ایک نے اُٹھا لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن وہ ان کے لئے دشمن ثابت ہوا۔ اَور غم کا موجب بنا۔ فرعون اَور ہامان اَور ان دونوں کے لشکر غلطی میں مبتلا تھے۔ 28:9

اور فرعون (کے خاندان) کی (ایک) عورت نے کہا، یہ تیرے لئے اَور میرے لئے آنکھ کی ٹھنڈک کا موجب ہوگا۔ اس کو قتل نہ کرو ممکن ہے کہ ایک دن وہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں اَور ان کو اصل حقیقت معلوم نہ تھی۔ 28:10

اور موسیٰ کی ماں کا دل (غم سے) فارغ ہو گیا۔ قریب تھا کہ اگر ہم اس کے دل کو مومن بنانے کے لئے مضبوط نہ کرتے تو وہ اس واقعہ کی سب حقیقت ظاہر کر دیتی۔ 28:11

اور اس (یعنی موسیٰ کی ماں) نے اس (یعنی موسیٰ) کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے جا۔ پس وہ اس کو دُور سے دیکھتی رہی اَور وہ (یعنی فرعون کے لوگ) بے خبر تھے۔ 28:12

اور ہم نے اس (یعنی موسیٰ) پر اس سے پہلے دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا۔ (یعنی موسیٰ کی بہن) نے کہا کیا میں آپ کو ایک ایسے گھر والوں کی خبر دوں جو اس کو تمہارے لئے پال دیں اَور وہ اس کے خیر خواہ ثابت ہونگے۔ 28:13

اس طرح ہم نے اس کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے۔ اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ لیکن (منکروں میں سے) اکثر جانتے نہیں۔ 28:14

اور جب وہ اَپنی پختہ جوانی کو پہنچا اَور (اَپنے اعلیٰ اخلاق پر) مضبوطی سے قائم ہو گیا تو ہم نے اسے حکم اَور علم بخشا اَور ہم محسنوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ 28:15

اور (ایک دن) وہ شہر میں اَیسے وقت میں آیا کے لوگ غفلت کی حالت میں تھے۔ اس نے اس شہر میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ ایک اس کے دوستوں کے گروہ میں سے تھا اَور دوسرا اس کے دشمنوں میں سے تھا۔ پس اس نے جو اُس کی جماعت میں سے تھا اس شخص کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا اس کی مدد طلب کی۔ اس پر موسیٰ نے اس (دشمن) کو ایک گھونسا مارا اَور اس (گھونسے) نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر موسیٰ نے کہا یہ سب واقعہ شیطانی کرتوت سے ہوا ہے۔ وہ شیطان (مومن کا) دُشمن اور (اُسے اَمن کے راستہ سے) کھلا کھلا بہکانے والا ہے۔ 28:16

پھر موسیٰ نے دُعا کی اے میرے ربّ! مَیں نے اَپنی جان کو تکلیف میں ڈال دیا ہے پس تُو میرے اس فعل پر پردہ ڈال دے۔ سو اس نے اس فعل پر پردہ ڈال دیا۔ وہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ 28:17

تب موسیٰ نے عرض کی، اے میرے ربّ! چونکہ تو نے مجھ پر انعام کیا ہے میں بھی کبھی مجرموں میں سے کسی مجرم کی مدد نہیں کروں گا۔ 28:18

اس کے بعد وہ شہر میں صبح کے وقت دشمنوں سے خوف کرتا ہوا اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ جس نے اس کی کل مدد کی تھی وہ پھر اسے مدد کے لئے بلا رہا ہے۔ اس پر موسیٰ نے اُس سے کہا تو یقیناً ایک کھلا کھلا گمراہ ہے۔ 28:19

پس جب اس نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑے جو ان دونوں کا دشمن تھا تو

اِس (شخص) نے کہا کہ اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے۔ کہ مجھے قتل کردے جس طرح تُو نے کل ایک اور شخص کو قتل کیا تھا تو صرف یہ چاہتا ہے کہ کمزوروں کو ملک میں دبا دے اَور اصلاح کرنے والوں میں شامل ہونا تیری غرض نہیں ۔28:20

اور ایک شخص شہر کے دُور کے حصّہ سے دوڑتا ہوا آیا اَور کہا اے موسیٰ (ملک کے) رؤسا مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کردیں۔ پس (میری بات سن اور)اس شہر سے نکل جا، میں تیرے خیرخواہوں میں سے ہوں۔ 28:21

تب وہ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکل گیا اور وہ ہوشیاری سے اِدھر اُدھر دیکھتا جاتا تھا اُس وقت اُس نے دُعا کی اَور کہا اَے میرے ربّ! مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔ 28:22

اور جب وہ مدین شہر کی طرف چلا تو اس نے کہا مجھے اُمید ہے کے میرا ربّ مجھے سیدھا راستہ دیکھا دے گا۔ 28:23

اور جب وہ مدین شہر کے چشمہ کے پاس آیا تو اس نے اس پر لوگوں کا ایک گروہ کھڑا دیکھا (جو اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے۔ اَور ان سے پیچھے ہٹ کر کھڑی دو عورتیں دیکھیں جو اَپنے جانوروں کو (ہجوم سے پرے) ہٹا رہی تھیں۔ موسیٰ نے اُن سے کہا تم دونوں کو کیا اہم کام دَرپیش ہے۔ اس پر دونوں عورتوں نے کہا ہم پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کے دوسرے چرواہے چلے نہ جائیں اَور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے (اس لئے ہمارے ساتھ نہیں آسکا)۔ 28:24

پس اس نے ان دونوں کی خاطر (جانوروں کو) پانی پلایا۔ پھر ایک سایہ کی طرف ہٹ گیا۔ پھر کہا۔ اَے میرے ربّ اپنی بھلائی میں سے جو کچھ تو مجھ پر نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔ 28:25

اس کے بعد ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک چلتی ہوئی آئی اَور وہ شرما رہی تھی اور اس نے کہا میرا باپ تجھے بلاتا ہے تا کہ تجھے ہماری جگہ پر (جانوروں کو) پانی پلانے کا اَجر عطا کرے۔ پس جب وہ اس (یعنی لڑکیوں کے باپ) کے پاس آیا اور اس کے آگے (اَپنا) سارا واقعہ بیان کیا تو اس نے کہا ڈر نہیں، تو اَب ظالم قوم کے پنجہ سے نجات پا گیا ہے۔ 28:26

اس پر اُن (دونوں لڑکیوں) میں سے ایک نے کہا، اَے میرے باپ! اس کو تُو ملازم رکھ لے کیونکہ جن کو تُو ملازم رکھے اُن میں سے بہتر شخص وہی ہوگا جو مضبوط بھی ہو اور امانت دار بھی۔ 28:27

تب وہ شخص بولا (اَے موسیٰ میں چاہتا ہوں کے اس شرط پر اَپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا تجھ سے نکاح کردوں کہ تو آٹھ سال تک میری خدمت کرے۔ پس اگر تُو (آٹھ کے عدد کی جگہ پر) دس کے عدد سے اَپنے وعدہ کو مکمل کردے تو یہ تیرا احسان ہوگا اور مَیں تجھ پر کوئی بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا! اگر اللہ نے چاہا تو تُو مجھے نیک معاملہ کرنے والوں میں سے پائے گا۔ 28:28

(اس پر موسیٰ نے) کہا۔ یہ بات میرے اَور تیرے درمیان پختہ ہوگئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی مَیں پوری کروں مجھ پر کوئی الزام نہیں ہوگا۔ اور جو کچھ ہم کہتے ہیں، اللہ اس پر گواہ ہے۔ 28:29

جب موسیٰ نے وقت مقررہ کو پُورا کرلیا اور اَپنے گھر والوں کو لے کے چلا تو اس نے طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی (اور) اَپنے گھر والوں سے کہا تم یہاں ٹھہرو مَیں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید مَیں وہاں سے تمہارے لئے کوئی (ضروری) خبر لاؤں یا کوئی آگ کا انگارہ لاؤں تا کہ تم سینکو۔ 28:30

پھر جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچا، تو مبارک مقام کے ایک مبارک حصّہ کی طرف سے ایک درخت کے پاس سے اُسے پکارا گیا کہ اَے موسیٰ! مَیں اللہ ہوں سب جہانوں کا رَبّ۔ 28:31

اور یہ کہ تو اَپنا عصا پھینک دے۔ پس جب اس نے اُس (عصا) کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا گویا وہ ایک چھوٹا سانپ ہے، وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مُڑ کر نہ دیکھا (تب اسے کہا گیا) اَے موسیٰ! آگے بڑھ اَور ڈر نہیں تو سلامتی پانے والے لوگوں میں سے ہے۔ 28:32

(اَور) اَپنے ہاتھ کو اَپنے گریبان میں ڈال، وہ بغیر کسی بیماری کے سفید نکلے گا اَور اَپنے بازو کو خوف کی وجہ سے (زور سے) کھینچ کر (اَپنے جسم سے) ملا لے یہ دو دلیلیں (علاوہ دوسری دلیلوں کے) ہیں جو فرعون اور اس کے

درباریوں کی طرف تیرے ربّ کی طرف سے بھیجی گئی ہیں کیونکہ وہ اطاعت سے نکلنے والے لوگ ہیں۔ 28:33

(موسیٰ نے) کہا، اَے میرے ربّ! مَیں نے فرعون کی قوم میں سے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ پس مَیں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں (اَور تیرا پیغام نہ پہنچ سکے)۔ 28:34

اور میرا بھائی ہارون بات کرنے میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ پس اس کو میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج۔ تا کہ وہ میری تصدیق کرے۔ مَیں ڈرتا ہوں کہ وہ میری تکذیب نہ کریں۔ 28:35

فرمایا، ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرے بازو کو مضبوط کریں گے اَور تم دونوں کے لئے غلبہ کے سامان پیدا کریں گے۔ پس وہ تم تک پہنچ سکیں گے۔ 28:36

پس جب موسیٰ ہماری کھلی کھلی آیتیں لے کر آیا تو فرعون کے لوگوں نے کہا، یہ تو ایک فریب ہے جو بنالیا گیا ہے۔ ہم نے اَپنے باپ دادوں سے ایسی بات کبھی نہیں سُنی۔ 28:37

اور موسیٰ نے کہا، میرا ربّ اس کو جو اس کی طرف سے ہدایت لائے خوب جانتا ہے اور اس کو بھی جس کا انجام اچھا ہو۔ حق یہ ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ 28:38

اور فرعون نے کہا، اَے درباریو! مجھے اَپنے سوا تمہارا کوئی معبود معلوم نہیں۔ پس اَے ہامان! میرے لئے گیلی مٹی پر آگ جلا (یعنی اینٹیں بنوا) پھر میرے لئے ایک قلعہ تیار کر۔ شاید اس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خُدا کو معلوم کر لوں۔ اَور مَیں تو اس کو جھوٹوں میں سمجھتا ہوں۔ 28:39

سورۃ الاعراف

ترجمہ: پھر ہم نے ان (نبیوں) کے بعد موسیٰ کو اپنے نشان دے کر فرعون اَور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، تو انہوں نے ان (نشانوں) سے ظلم کا برتاؤ کیا پس تو دیکھ کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہُوا۔ 7:104

اور موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ مَیں سب جہانوں کے ربّ کی طرف سے رسول ہوں۔ 7:105

اور اس بات کا حقدار ہوں کہ اللہ کے متعلق سوائے سچّی بات کے کچھ نہ کہوں۔ مَیں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک کھلا نشان لے کر آیا ہوں۔ پس میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ 7:106

اس (فرعون) نے کہا، اگر تو کوئی نشان لے کر آیا ہے اور تو واقعی سچّا ہے تو اُسے ظاہر کر۔ 7:107

اِس پر اُس (موسیٰ) نے اَپنا سونٹا (زمین پر) ڈال دیا اَور اچانک وہ ایک کھلا کھلا سانپ نظر آنے لگ گیا۔ 7:108

پھر اِس نے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کی نظر میں بالکل سفید تھا۔ 7:109

اس پر فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا یہ کوئی بڑے علم والا جادوگر ہے۔ 7:110

جو تم کو تمہارے ملک سے باہر نکالنا چاہتا ہے پس تم (اس کے بارہ میں) کیا مشورہ دیتے ہو؟ 7:111

(اِس پر سرداروں نے) کہا موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو (کچھ) ڈھیل دیں اَور تمام شہروں میں ڈھنڈھورچی بھیج دیں۔ 7:112

(تا کہ) وہ آپ کے پاس ہر واقف کار جادوگر کو لائیں۔ 7:113

اور (اس کوشش کے نتیجہ میں) تمام جادوگر فرعون کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا اگر ہم غالب رہے تو کیا ہمیں کچھ انعام (بھی) ملے گا۔ 7:114

اس پر اس (فرعون) نے کہا، کیوں نہیں اور اس کے علاوہ تم میری پسندیدہ جماعت (بھی) ہو جاؤ گے۔ 7:115

انہوں نے کہا اے موسیٰ! کیا تو پہلے پھینکے گا یا ہم (پہلے) پھینکنے کی جرأت کریں۔ 7:116

موسیٰ نے کہا، تم (پہلے) پھینکو۔ پھر جب انہوں نے (اَپنی لاٹھیاں اَور رسیّاں) پھینک دیں، تو لوگوں کی آنکھوں پر فریب کر دیا اَور انہیں ڈرا دیا اَور ایک بہت بڑا فریب (لوگوں کے سامنے) انہوں نے پیش کیا۔ 7:117

ترجمہ: اَور ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ تُو اَپنا سونٹا ڈال دے (جب اس نے اَیسا کیا) تو اچانک (یوں معلوم ہوا کہ) وہ جادوگروں کے فریب کو نگلتا جا رہا

ہے۔آیت 118

پس حق ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ جادوگر کرتے تھے وہ نابود ہو گیا۔ 7:119

تب وہ (جادوگر) مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو گئے۔ 7:120

اَور وہ (جادوگر) فرمانبرداری کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ 7:120

سورۃ النمل

ترجمہ: اَور تو اپنے ہاتھ گریبان میں ڈال وہ بغیر کسی بیماری کے سفید نکلے گا۔ یہ اُن نشانوں میں سے ہے جو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجے جانے والے ہیں۔ وہ اطاعت سے نکل جانے والی قوم ہے۔ 27:13

سورۃ طٰہٰ

ترجمہ: اس پر موسیٰ نے کہا، اے میرے ربّ! میرا سینہ کھول دے۔ 26

اور جو فرض مجھ پر ڈالا گیا ہے اُس کو پُورا کرنا میرے لئے آسان کر دے۔ 20:26

اور اگر میری زبان میں کوئی گرہ ہو تو اسے بھی کھول دے۔ 20:28

(حتیٰ کہ) لوگ میری بات آسانی سے سمجھنے لگیں۔ 20:29

تفسیر از تفسیرِ کبیر

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل میں سے تھے اور بنی اسرائیل کے سلسلہ نبوت کی پہلی کڑی تھی جس کی آخری کڑی کے طور پر حضرت عیسیٰؑ ظاہر ہوئے۔ ایک درجن سے بھی زیادہ مواقع پر قرآن کریم میں بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ کی قوم قرار دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ترجمہ: ''حضرت موسیٰؑ پر ان کی قوم میں سے بہت تھوڑے ایمان لائے تھے۔'' 10:84 (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 1 صفحہ: 432)

حضرت موسیٰؑ کی رسالت کا زمانہ۔ انیس سو سال تھا۔ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 6 صفحہ: 389)

حضرت موسیٰؑ جن کی شریعت یہود کے لئے قریباً دو ہزار سال تک قابلِ عمل رہی اَور فرماتا ہے کہ دیکھو ہم نے موسیٰ کو تورات دی اَور اُس کے ساتھ اُس کے بھائی ہارون کو اُس کا نائب بنایا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 6 صفحہ: 498)

قرآنِ کریم اَور بائبل کا دعویٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام بنی اسرائیل میں سے تھے صحیح ہے اَور محققین جدید کا دعویٰ کہ وہ مصری تھے نہایت غلط اَور خلافِ عقل ہے۔ حق یہ ہے کہ کوئی ثبوت اِس بات کی تائید میں نہیں ملتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اسرائیلی نہ تھے لیکن بیسیوں ثبوت اس بات کی تائید میں ہیں اور پیش کئے جا سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اسرائیلی تھے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 1 صفحہ: 442)

رعمسیس ثانی جس کے زمانہ میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے بنی اسرائیل کا سخت دشمن تھا اور بنی اسرائیل کی ترقی دیکھ کر اس نے ان کے لڑکے قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا مگر دائیوں کی نرم دِلی کی وجہ سے اِس ارادہ میں وہ پوری طرح کامیاب نہ ہوا اَور آخر اُس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے لڑکے دریا میں پھینک دیے جایا کریں اور لڑکیاں بچالی جائیں۔

(خروج باب 1 آیت 22) (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 1 صفحہ: 417)

خُدا تعالیٰ فرماتا ہے اے محمدؐ رسول اللہ! خدا تعالیٰ کے لطیف اَور سمیع ہونے کی مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ اَور فرعون کا واقعہ سناتے ہیں لیکن اس شکل میں سناتے ہیں جس شکل میں وہ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فرعون نے بہت تکبر سے کام لیا تھا اَور رعایا میں شدید اختلاف پیدا کر دیا تھا وہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ہلاک کرتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا اَور اس طرح ان کی طاقت کو کچلنا چاہتا تھا، لیکن ہم نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ لوگ جو ملک میں کمزور سمجھے جاتے ہیں ان کو دُنیا کا لیڈر بنا دیں اَور انہیں ویسی ہی نعمتوں کا وارث بنا دیں جیسی فرعون کو حاصل تھیں پھر موسیٰؑ کی پیدائش کا واقعہ بیان کرتا ہے اَور بتاتا ہے کہ ہم نے اُمِ موسیٰؑ کو وحی کی کہ اسے بے شک دودھ پلاؤ مگر جب تمہیں اس کی جان کا خطرہ محسوس ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اُمِ موسیٰؑ نے اَیسا کیا اور اسے ٹوکرے میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا، ٹوکرا بہتے بہتے فرعون کے محلات کے پاس سے گزرا تو فرعون کے خاندان میں سے کسی نے اُٹھا لیا۔ اَور اس خاندان کی ایک عورت نے بادشاہ سے سفارش کرتے ہوئے کہا کہ اسے قتل نہ کریں ممکن ہے کہ یہ بڑا ہو کر ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے

یا ہم اس کو اَپنا بیٹا ہی بنالیں۔
اِدھر موسیٰ ؑ کی والدہ کا یہ حال تھا کہ جب اس نے اپنے بیٹے کو سمندر میں ڈال دیا تو اس کے دل پر سے فکر و غم کا بوجھ اُتر گیا اور اس کی ایسی حالت ہوگئی کہ اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دیتی۔ موسیٰ ؑ کی ماں نے اُس وقت موسیٰ ؑ کی بہن کو بلایا۔ اَور اُسے کہا تُو اُس ٹوکرے کے پیچھے پیچھے جا اَور دُور سے اسے دیکھتی رہ چنانچہ اُس نے اَیسے ہی کیا۔ اَور دُور سے ٹوکرے کو دیکھتی رہی۔ لیکن فرعونیوں کو اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ جب موسیٰ ؑ شاہی محلات میں جا پہنچا اَور اُنہیں دودھ پلانے کا سوال پیش آیا۔ تو موسیٰ ؑ نے اِلٰہی تصرف کے ماتحت دوسری دائیوں کا دُودھ پینے سے اِنکار کر دیا۔ اس پر موسیٰ ؑ کی بہن نے جو ساتھ ساتھ آ رہی تھی کہنے لگی کہ میں تمہیں ایک گھر کا پتہ دیتی ہوں جس کے اَفراد اسے بخوشی پال لیں گے۔ اَور وہ اس کی ہر طرح کی نگہداشت رکھیں گے، چنانچہ اس اِلٰہی تدبیر سے موسیٰ ؑ پھر اَپنی ماں کی گود میں آ گئے اَور اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچی۔
جب موسیٰ ؑ اَپنی روحانی بلوغت کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح فیصلہ کرنے کی قوت دی اَور آسمانی علوم سے نوازا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ رات کے وقت حضرت موسیٰ ؑ شہر میں گئے تو انہوں نے دو آدمیوں کو دست و گریبان ہوتے دیکھا۔ ایک ان کی قوم کا تھا اور دوسرا دشمن قوم کا فرد تھا۔ موسیٰ ؑ کو دیکھ کر اُن کے ہم قوم شخص نے انہیں مدد کے لئے آواز دی۔ جب موسیٰ ؑ آئے اُنہوں نے دوسرے شخص کو ایک گھونسہ مار دیا، جس کے لگتے ہی وہ شخص گرا اَور گر کر مر گیا۔ حضرت موسیٰ ؑ نے اُس وقت دُعا کی۔ کہ اَے میرے ربّ! میرے اس فعل پر جو میں اَپنی قوم کے ایک مظلوم شخص کی مدد کے لئے کیا تھا۔ مگر نادانستہ طور پر ایک آدمی مر گیا۔ اَپنے فضل سے پردہ ڈال دے۔ اور مجھے اس کے بُرے نتائج سے محفوظ رکھ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ گورنمنٹ کا کوئی آدمی اُس وقت نہ آیا اَور معاملہ مخفی رہا۔ دوسری صبح وہ پھر شہر میں آئے اور انہوں نے دیکھا کہ وہی شخص جس نے کل انہیں اَپنی مدد کے لئے بلایا تھا۔ آج پھر کسی شخص سے لڑ رہا ہے موسیٰؑ کو دیکھتے ہی اُس نے پھر آپ کو آواز دی۔ حضرت موسیٰ ؑ نے جب دیکھا کہ آج بھی وہی شخص دوسرے سے لڑ رہا ہے تو اُنہوں نے سمجھا کہ یہ شخص بھی گرم مزاج اور لڑا کا معلوم ہوتا ہے۔ اَور اُنہوں نے اُسے ملامت کرتے ہوئے کہا۔ کہ تو بھی بڑا جوشیلا اَور تیز مزاج ہے کہ ہر وقت لڑتا رہتا ہے۔ مگر جب اُنہوں نے دوسرے شخص کو پکڑنے کے لئے اَپنا ہاتھ بڑھایا تو اُن کے ہم قوم شخص نے غلطی سے یہ سمجھا کہ شائد موسیٰ آج بھی مجھے مارنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اَور کہنے لگا۔ اَے موسیٰ ؑ! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ آج بھی مجھے اِسی طرح مار دے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو مارا ہے۔ اُس کے اس فقرہ سے اِردگرد کے سب لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ کل جو شخص مرا ہے اُسے موسیٰ ؑ نے ہی مارا تھا۔ اَور چونکہ مقتول فرعونی قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔
اِسی دوران میں اچانک ایک شخص شہر کے دوسرے حصہ سے دوڑتا ہوا آیا۔ اَور اُس نے موسیٰ ؑ سے کہا کہ اَے موسیٰ! سرداران قوم تجھے قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ اس لئے موسیٰ ؑ فوراً اس شہر سے نکل کر مدین کی طرف چل پڑے۔ وہ چاروں طرف احتیاط کے طور پر دیکھتے بھی جاتے تھے اَور دُعا بھی کرتے جاتے تھے کہ اِلٰہی مجھے ظالم قوم کی شرارتوں سے نجات دے۔
آخر چلتے چلتے وہ مدین کے چشمہ پر پہنچے، وہاں اُنہوں نے دیکھا کہ لوگ اَپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ اَور لڑکیاں اَپنے جانوروں کو روک کر الگ کھڑی ہیں۔ موسیٰ ؑ نے دریافت کیا کہ وہ اس طرح کیوں کھڑی ہیں، اُنہوں نے کہا کہ جب تک سب لوگ اَپنے اَپنے جانوروں کو پانی پلا کر واپس نہ لے جائیں ہم پانی نہیں پلایا کرتیں۔ کیونکہ ان اُوباشوں کے گروہ میں ملنا ہمیں پسند نہیں۔ اَور ہم خود اس لئے آتی ہیں کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے۔ وہ یہ کام نہیں کر سکتا۔ حضرت موسیٰ ؑ نے آگے بڑھ کر ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا اَور پھر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اللہ! میرے لئے خیر و برکت کے سامان مہیا فرما۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اُن میں سے ایک لڑکی شرماتی ہوئی آئی۔ اَور اُس نے کہا میرا باپ آپ کو بلاتا ہے تاکہ اس نیک سلوک کی جو آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے جزا دے۔ وہاں پہنچ کر موسیٰ ؑ نے اَپنی تمام سرگزشت بیان کی۔

لڑکیوں کے باپ نے حضرت موسیٰؑ کو تسلی دی اب کوئی فکر نہ کرو۔ ظالم قوم سے تم نجات پا چکے ہو۔ اُسی دوران اُن لڑکیوں میں سے ایک نے کہا ابّا جان! آپ انہیں ملازم رکھ لیں۔ یہ مضبوط بھی ہیں اور دیانت دار بھی ۔لڑکیوں کا باپ بھی اپنی لڑکیوں سے ذکر سُن کر آپ کی دیانت کا قائل ہو چُکا تھا۔ اُس نے فوراً یہ تجویز پیش کر دی کہ اگر آپ آٹھ۔(8) سال تک خدمت کریں تو میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا آپ سے نکاح کر دونگا اور اگر آپ آٹھ کی بجائے دس۔۱۰۔سال تک خدمت کریں تو آپ کا یہ احسان سمجھا جائیگا۔ حضرت موسیٰؑ نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ اور فرمایا کہ دونوں مدتوں میں سے جو معیاد بھی میں پوری کر سکا میرے لئے اس کا پورا کرنا جائز ہوگا۔ مقررہ معیاد پوری کرنے کے بعد حضرت موسیٰؑ اپنے اہل کے ساتھ وہاں سے چل پڑے، راستہ میں اُنہوں نے طور کی طرف ایک آگ کا شعلہ دیکھا۔ اور اَپنے اہل سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں جا کر یا تو تمہارے لئے کوئی خبر لاؤں۔ یا اس آگ میں سے تمہارے لئے کوئی اَنگارہ لاؤں گا تا کہ تم سینک سکو۔ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس مبارک مقام کے دائیں طرف کے کنارہ کی طرف سے آواز آئی۔ کہ اے موسیٰ! میں رَبّ العالمین خُدا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اَپنے ہاتھ کو اَپنے گریبان میں ڈال وہ بغیر کسی بیماری کے سفید نکلے گا اور اَپنے بازو کو خوف کی وجہ سے اَپنے جسم سے چمٹا لے۔ یہ دو دلیلیں تیرے ربّ کی طرف سے تجھے ملی ہیں۔ تا کہ تو ان کو فرعون اور اس کے سرداروں کے سامنے پیش کرے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 سورۃ القصص آیت 31 تا 33 صفحہ 500.499)

ایک دفعہ اُس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مَیں نے دُور کچھ آگ دیکھی ہے۔ مَیں وہاں جا کر یا تو کوئی معلومات اس ملک یا اس راستہ کی لاتا ہوں یا کوئی انگارہ لاتا ہوں تا کہ تم آگ سینکو۔ جب موسیٰؑ اس آگ کے پاس آئے تو انہیں پکار کر کہا گیا کہ اس آگ میں جس کا جلوہ نظر آیا ہے یعنی خُدا تعالیٰ کا وہ بڑی برکت والا ہے۔ اور اس آگ کے اِردگرد کا علاقہ بھی برکت والا ہے۔ یعنی جو لوگ اِس کلام کو قبول کریں گے اُن کو بھی برکت ملے گی۔ وہ رَبّ العالمین خُدا جس نے اَپنا جلوہ اس آگ میں دکھایا ہے بڑا پاک ہے۔ (آگ سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں۔ بلکہ۔ محبتِ الٰہی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جو محبت الٰہی کی آگ میں اَپنے آپ کو ڈال دے اُسے برکت دی جاتی ہے محبت کو دُنیا کی کل زبانوں میں آگ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ جس جگہ اللہ تعالیٰ اَپنا جلال دکھاتا ہے اس کو برکت دیتا ہے اور وہاں سے اس کی سبوحیت کا ظہور ہوتا ہے اور ان دونوں نظاروں میں یعنی جو موسیٰؑ نے دیکھا اور اس میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا۔ ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہے۔) پھر کہا کہ اَے موسیٰ! بات یہ ہے کہ مَیں اللہ ہوں اور بڑا غالب اور حکمت والا ہوں۔ یعنی جو نظارہ تم نے دیکھا ہے وہ خُدا کا جلال ہے تُو اَپنا عصا پھینک دے۔ جب انہوں نے عصا پھینکا تو دیکھا کہ وہ اِس طرح ہلتا تھا کہ جس طرح سانپ ہلتا ہے۔ موسیٰؑ ڈرے اور پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اس پر ان کو الہام ہوا کہ اَے موسیٰؑ! ڈر نہیں۔ ڈر میرے دشمنوں کے لئے ہے۔ ڈر میرے رسولوں کے لئے نہیں اور اَپنے ہاتھ کو اَپنے گریبان میں ڈال۔ جب تو اُس کو نکالے گا تو دیکھے گا وہ بالکل سفید ہے۔ یعنی وہ چمکتا ہوا نظر آئے گا۔ مگر کسی قسم کا عیب اُس میں نہیں ہوگا۔

یہ نشان جو ہم نے موسیٰ کو دیا یہ اُن نو (9) نشانوں میں سے ایک تھا جو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجے جانے والے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ فرمانبرداری سے نکلے ہوئے تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب موسیٰؑ وہ نشان لے کر فرعون اور اُس کی قوم کے پاس آیا تو باوجود اس کے کہ وہ نشان بڑے واضح تھے اور حقیقت کو دکھانے والے تھے اُنہوں نے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اور کہا یہ تو کھلا کھلا فریب ہے۔ اور بڑی سختی سے اُن نشانات کا اِنکار کیا۔ حالانکہ اُن کے دلوں نے اُن کو سچا سمجھ لیا تھا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ:313)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ دونوں نشان اُن نو (9) نشانوں میں سے ہیں جو فرعون اور اس کی قوم کو دکھائے جانے والے ہیں۔ کیونکہ وہ اطاعت سے نکلنے والی ہے۔

ان نو نشانات میں سے **عصا اور ید بیضاء** کے معجزات کا ذکر سورۃ نمل میں ہے اور۔دو۔2۔معجزات کا اللہ تعالیٰ نے۔سورۃ الاعراف۔131۔میں ذکر فرمایا ہے یعنی ہم نے **آلِ فرعون کو قحط اور بچوں کو ہلاکت کے عذاب**

میں گرفتار کیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔
باقی پانچ ۔5۔نشانات کا ذکر سورۃ۔الاعراف 134۔یعنی ہم نے اُل فرعون پر کئی قسم کے عذاب بھیجے جن میں طوفان،ٹڈیوں،جُوؤں،مینڈکوں اور خون کا عذاب شامل تھا۔طوفان کا عذاب تو وہی تھا جو بحیرۂ احمر میں ظاہر ہوا۔
جب فرعون اَور اس کا لشکر اس میں غرق کر دئے گئے۔لیکن اس کے علاوہ حضرت موسیٰؑ کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر ٹڈیوں کا عذاب بھی نازل کیا۔اِتنے ٹڈی دَل آئے کہ ملک کی تمام فصلیں تباہ ہوگئیں اَور لوگ بھوکے مرنے لگے۔جوؤں کا عذاب بھی نازل کیا۔یعنی اتنی شدید سردی پڑی کہ لوگوں کے لئے غسل کرنا مشکل ہوگیا۔اور اُن کے بال جوؤں سے بھر گئے ۔مینڈکوں کا عذاب بھی نازل کیا ۔یعنی اتنی کثرت سے بارشیں ہوئیں کہ جگہ جگہ مینڈک پیدا ہو گئے ۔خون کا عذاب بھی نازل کیا جس سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ اُن کا خون خراب ہوگیا اور انہیں کثرت کے ساتھ پھوڑے وغیرہ نکلنے لگ گئے یا اُن میں نکسیر کا مرض پھوٹ پڑا یا بواسیر کے مودی مرض نے آگھیرا۔یا اُن میں وہ طاعون پھیل گئی جس میں مریض کے ناک۔منہ۔مقعد سے خون جاری ہو جاتا ہے۔اَور کبھی جلد کے نیچے جریان خون جمع ہو کر تمام جسم پر سیاہ داغ پڑ جاتے ہیں۔اور ستر،اَسّی فیصدی مریض ہلاک ہوجاتے ہیں۔غرض پے دَر پے اُن کے انتباہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب نازل ہوتے رہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ باوجود اس کے کہ فرعون کی قوم نے وہ نشانات دیکھے جو اُن کی آنکھیں کھولنے والے تھے پھر بھی اُنہوں نے یہی کہا کہ یہ تو بڑی پُر فریب باتیں ہیں۔یعنی بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں مگر اصل میں محض اتفاقات ہیں اور اُنہوں نے ان نشانات کا اِنکار کر دیا۔حالانکہ اُن کے دل سمجھ چکے تھے کہ یہ محض اتفاقات نہیں بلکہ اُن کی بداعمالی کی سزا کے طور پر یہ عذاب آرہے ہیں۔اُن کا انکار محض ظلم اَور تکبر کی وجہ سے تھا۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ صداقت کا اَپنی زبان سے اِقرار کر کے اَپنی بڑائی کو ضعف پہنچائیں مگر دیکھ لو کہ ان مفسد لوگوں کا انجام کیسا خطرناک ہوا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ:353.354)

جب موسیٰؑ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم ملا۔تو انہوں نے کہا کہ خُدایا میرے ہاتھ سے تو اُس کی قوم کا ایک فرد مر چکا ہے۔ایسا نہ ہو کہ تیرے پیغام کے پہنچانے سے پہلے ہی میں مارا جاؤں۔پھر انہوں نے کہا کہ خُدایا ہارون جو میرا بھائی ہے وہ مجھ سے زیادہ فصاحت رکھتا ہے تو اس کو میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج دے۔اللہ تعالیٰ نے اِس کی دُعا کو قبول کی اَور فرمایا ہم ہارون کے ساتھ تیرے بازو کو مضبوط کریں گے۔اَور تم دونوں کو کھلا کھلا غلبہ عطا فرمائیں گے۔فرعون تم دونوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ:.460)

بائبل اَور قُرآن کے حوالوں سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی زبان میں کوئی نقص تھا اور انہوں نے خُدا تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ میری زبان نہیں چلتی اس لئے میرے جگہ کسی اور کو بھیجئے۔حضرت موسیٰ نے یہ عذر اس وقت کیا ہے جب انہیں فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اَب دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو ہم حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے اس عذر کے یہ معنے کریں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی زبان میں لکنت تھی یا اعصابی طور پر کچھ ایسی کمزوری تھی کہ جب اُنہیں جوش آجاتا تھا تو وہ صفائی سے اَپنا ما فی الضمیر ادا نہیں کر سکتے تھے۔یا یہ کہ جس قوم کو مخاطب کرنے کا حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حکم دیا گیا تھا اس کی زبان میں وہ اچھی طرح کلام نہیں کر سکتے تھے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 1 صفحہ:442)
جب خُدا تعالیٰ کی صفات اور اُس کی وحی نازل کرنے کی عادت کا ذکر فرعون نے سُنا تو چونکہ وہ ان باتوں سے ناواقف تھا اُس نے حیران ہو کر موسیٰ سے پوچھا کہ اَے موسیٰ! یہ کیسا خُدا تُو نے پیدا کر لیا ہے جو پہلے لوگوں سے کبھی سُنا نہ تھا۔اِس پر موسیٰؑ نے کہا کہ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ دُنیا میں ایک کامل نظام پایا جاتا ہے اَور ہر مخلوق کو اُس کی ضرورت کے مطابق اعضاء ملے ہیں اَور اُن اعضاء سے کام لینے کا طریق بھی وہ پیدائش سے سیکھ کر آتی ہے۔اِس پر فرعون نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو ہمارے باپ دادا سے جو ان باتوں سے ناواقف تھے ان کا تو بُرا حال ہوگا اُس نے لوگوں کو اشتعال دلانا چاہا اَور وہی

حربہ استعمال کیا جو ہمیشہ سے انبیاء کے مخالف استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون کو جواب دیا کہ دیکھو۔اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو ایسا بنایا ہے کہ اس سے انسان زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔جس طرح مادی پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے اِسی طرح روحانی پانی یعنی الہامِ اِلٰہی بھی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اس کے ذریعے سے بھی آدمیوں اور جانوروں کی غذا مہیّا کی جاتی ہے۔فرعون یہ نہیں کہتا تھا کہ موسیٰؑ مجھ کو تختِ حکومت سے الگ کر کے خود اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے بلکہ وہ ایک قومی سوال بنا کر کہتا ہے کہ کیا تو اس لئے آیا ہے کہ اپنی چالوں سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دے۔گویا اُس نے چاہا کہ ملک کے تمام باشندوں کو موسیٰؑ کے خلاف بھڑکا دے اور انہیں جوش دلائے کہ موسیٰ تمہیں نکال کر اپنی قوم کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔حضرت موسیٰؑ چاہتے تھے کہ کوئی ایسی جگہ تجویز ہو جو فریقین کے لئے مساوی ہو اس لئے اُنہوں نے کہا کہ زینت یعنی عید کا دن ہونا چاہئے یہ اُن کا مقدس دن تھا جس میں کسی پر کوئی زیادتی نہیں کی جاتی تھی۔

فرعون کا دعویٰ تو یہ تھا کہ ہم ایسے لوگ بلائیں گے جو موسیٰؑ سے بڑے ہونگے مگر جب ساحر شکست کھا کر موسیٰ کے قدموں میں گر گئے تو فرعون کو سخت غصّہ آیا اَور اس نے اپنی ذلّت چھپانے کے لئے اُن سے کہا کہ تم میرے کہنے سے پہلے ہی کیوں ایمان لے آئے۔اب مَیں تمہیں اس کی سزا دوں گا۔وہی جادوگر جو پہلے فرعون سے بھیک مانگ رہے تھے ایمان نصیب ہوتے ہی اتنے دلیر ہو گئے کہ فرعون کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اُسے کہہ دیا کہ ہم تیری بات سننے کے لئے تیار نہیں ہم تو اسی کی بات کو مانیں گے جو ہمارے خُدا کی طرف سے آئی ہے۔

فرماتا ہے ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ ہمارے بندوں یعنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے نکال لے جاؤ اور سمندر میں سونٹا مار کر ان کے لئے خشک راستہ بنا دو۔تم اس طرح اُس کو پار کر لو گے اَور تعاقب سے اَور ڈوبنے سے نہ ڈرو گے۔پھر فرعون نے اَپنے لشکروں سمیت بنی اسرائیل کا تعاقب کیا لیکن سمندر کا ایسا ریلا آیا کہ وہ غرق ہو گئے اَور یوں فرعون نے اَپنی قوم کو تباہی میں ڈالا اَور اس سے بچ نہ سکا۔

بنی اسرائیل جب مصر سے نکل کر کنعان کی طرف آئے تو جس علاقہ میں سے اِنہیں گزرنا پڑا وہ بہت غیر آباد تھا اور دُور دراز فاصلہ پر بعض شہر آباد تھے۔وہ ساری قوم اس وقت ہزاروں کی تعداد میں تھی اَور بے سروسامانی کی حالت میں مصر سے بھاگے تھے۔اس علاقہ میں سے کس طرح گزرے۔اَور کس طرح اڑتیس سال تک اس علاقہ میں اُنہوں نے بسر کیا؟ یہ ایک اَیسا سوال ہے جو صدیوں سے دُنیا کو حیرت میں ڈال رہا ہے۔بائبل نے اس کا جواب منّ کے نزول اور حورب کی چٹان میں بارہ چشموں کے پھوٹنے کے معجزہ سے دیا ہے وہ بتاتی ہے کہ اس مظلوم قوم کی خُدا تعالیٰ نے مدد کی اور اَپنے فضل سے اُس نے اُن کے لئے کھانے اَور پینے کا سامان مہیّا کیا۔اللہ تعالیٰ نے اَپنے فضل سے دشتِ سینا میں کھمب ترنجبین اَور ایسی ہی اَور چیزیں جو جلد تیار ہو جاتی تھیں پیدا کر دیں جن سے بنی اسرائیل کو باآسانی غذا ملنے لگی۔اِسی طرح تلیَر وغیرہ کثرت سے آ گئے کیونکہ ان علاقوں میں ٹڈی بہت ہوتی ہے اَور تلیَر زیادہ تر ان مقامات کو پسند کرتا ہے جن میں ٹڈی ہو کیونکہ وہ ٹڈی بڑے شوق سے کھاتا ہے۔اور چونکہ اس کے لئے انہیں کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی تھی اس غذا کا نام منّ یعنی احسانِ اِلٰہی سے ملنے والی غذا رکھا گیا۔وہ ایک قسم کی غذا نہ تھی بلکہ کئی قسم کی غذائیں تھیں۔

ہاں سب میں ایک مشابہت تھی اَور وہ یہ کہ غذائیں ہل چلا کر اور محنت کر کے بنی اسرائیل کو پیدا نہیں کرنی پڑتی تھیں۔لیکن چونکہ غذائیں اور تلیَر وغیرہ جو اس وقت کثرت سے جنگل میں آ گئے تھے شکم میں قبض پیدا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ترجبین بھی کثرت سے پیدا کر دی جسے دوسری غذاؤں میں ملا کر کھانے سے ان کی صحت دُرست رہتی تھی۔پس یہ ایک حقیقت ہے کہ منّ جس کا کثرت سے ان ایّام میں پیدا ہونا ایک معجزہ تھا۔لیکن خود اس کا وجود اِس دُنیا کی چیزوں میں سے تھا۔وہ ایسی غذا تھی جسے ایک عرصہ تک کھایا جا سکتا تھا۔اَور اس کی مصلح ترنجبین بھی ساتھ ہی پیدا کر دی گئی تھی تا کہ جنگل کی خشک غذا صحت کو نقصان نہ پہنچائے۔

غرض سلوٰی میں پرندے، شہد اَور تمام اَیسی غذائیں جو قلب کو تسکین دیتی

ہیں شامل ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کو جنگل میں آزاد رکھ کر اُن میں جرأت اَور بہادری کے اخلاق پیدا کرے اس لئے اُس نے اَپنے فضل سے اُن کے لئے اَیسی غذائیں مہیّا فرما دیں۔ جو بغیر محنت کے ملتی ہیں اَور جن میں گوشت بھی شامل تھا اور پھل اور سبزی ترکاری کی قسم کی غذائیں بھی شامل تھیں تا کہ ان کی غذائی ضرورت پوری ہو اور اُن کی صحت بھی اچھی رہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے لئے ایک وقت مقرر کیا تا کہ اس وقت میں اُن سے کلام کرے تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام اَپنی قوم سے آگے آگے تیزی کے ساتھ چلتے ہوئے وہاں پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے موسیٰ تیز تیز کیوں چل رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے کہا۔ حضور مجھ پر اظہارِ خوشنودی فرمانے والے تھے اَیسے وقت میں مَیں تیزی سے آگے نہ بڑھتا تو کیا کرتا۔ اَور میری قوم تو میرے نقشِ قدم، پر ہی چل رہی ہے اسلئے میرا اُن کے ساتھ رہنا کوئی ضروری نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تو ہماری طرف آئے اَور اِدھر وہ سامری کے بہکانے سے بہک گئی۔ اِس پر موسیٰ غصّہ اَور افسوس کی حالت میں واپس لوٹے اَور اَپنی قوم سے کہا کہ کیا تمہارے ربّ نے نہایت اعلیٰ اَور شاندار وعدہ تم سے نہیں کیا تھا۔ یعنی تمہارے نبی کو ہم کلام ہونے کے لئے نہیں بلایا تھا۔ کیا تم اتنے بے ایمان ہو کہ اتنی تھوڑی سی دیر میں تمہارا ایمان ضائع ہو گیا یا تم کو اپنے ربّ کے غضب کے نازل ہونے کی خواہش ہے۔ جس کی وجہ سے اِتنے تھوڑے عرصہ میں ہی تم خُدا کو بھول گئے۔ اَور میری اطاعت کا جو تم نے اِقرار کیا تھا اس کی تم نے خلاف ورزی شروع کر دی۔ انہوں نے کہا ہم نے تیرے وعدے کو اپنی مرضی سے نہیں جھٹلایا بلکہ فرعون کی قوم نے زیورات چلتے ہوئے ہم پر لاد دئے تھے۔ تیرے جانے کے بعد وہ زیورات ہم نے اُٹھا کر ایک جگہ رکھ دئے۔ اَور سامری نے بھی ایسا ہی کیا پھر اس نے اُن زیورات کو پگھلا کر ایک بے جان بچھڑا بنا دیا جس میں سے ایک بے معنی آواز نکلتی تھی۔ جس پر موسیٰ کی سب قوم بول اُٹھی کہ اَے لوگو! یہ تمہارا معبود ہے اَور موسیٰ کا بھی یہی معبود تھا۔ جو پہاڑ پر جانے کے شوق میں اِسے بھول گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سامری نے جو بچھڑا بنایا تھا اُس میں اَیسی ترکیب رکھی تھی کہ اِس میں سے ایک بے معنی آواز نکلتی تھی۔ بے وقوف یہودی جو قومِ فرعون کے غلام تھے اور اس کے دین سے متاثر وہ اِس دھوکا میں آ گئے اور اُنہوں نے سمجھا کہ موسیٰؑ جو کہتا تھا کہ مجھ سے خُدا کلام کرتا ہے تو درحقیت اس کے پاس کوئی ایسا ہی بچھڑا تھا جس کی بات سے وہ فال نکال لیا کرتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ جب تیس راتوں کے وعدہ سے گئے تھے۔ مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اُن پر احسان فرما کر دس راتیں اور اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف عطا فرما دیا۔ کیونکہ تبھی تو بنی اسرائیل اُن کی غیر حاضری میں گھبرا گئے ورنہ اگر غیر معیّن وقت ہوتا تو ایک مہینہ کچھ زیادہ وقت نہیں تھا کہ اس عرصہ میں وہ گھبرانے لگ جاتے اُن میں گھبراہٹ اس لئے پیدا ہوئی کہ موسیٰ علیہ السّلام تیس راتوں کا وعدہ کر گئے تھے مگر تیس راتیں گزرنے کے بعد واپس نہیں آئے۔ معلوم نہیں وہ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ سامری نے موسیٰؑ کی اس غیر حاضری سے فائدہ اُٹھایا اور قوم میں فتنہ کھڑا کر دیا۔ نوٹ! سامری کسی شخص کا نام نہیں بلکہ یہ ایک صفاتی نام ہے جو اَب آہستہ آہستہ علم بن گیا ہے۔ سَمر اصل میں کیل ٹھونکنے کو کہتے ہیں۔ اَور سامر اس شخص کو کہتے ہیں جو کیل ٹھونکتا ہے۔ پس لوہار، ترکھان، سُنار اور معمار وغیرہ سب سامر کہلائیں گے۔

حضرت ہارون علیہ السّلام اس شرک میں شامل نہیں تھے۔ بلکہ اُنہوں نے اَپنی قوم کو روکا اور کہا اے میری قوم تمہیں اِس بچھڑے کے ذریعہ ایک آزمائش میں ڈالا گیا ہے اِس سے مراد یہ ہے کہ تمہاری اصل آزمائش کا وقت اب آیا ہے۔ گویا فرعون کے عذاب اِس آزمائش کے مقابل پر بالکل ہیچ تھے۔ کیونکہ وہ آزمائش دُشمن کی طرف سے تھی۔ جس میں قدرتاً سب لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب اندرونی فتنہ کھڑا ہو تو کئی کمزور طبائع ڈانواں ڈول ہو جاتے ہیں۔ حضرت ہارونؑ کہتے ہیں کہ مَیں نے صرف اِس خیال سے اِن پر زیادہ سختی نہیں کی کہ مبادا آپ یہ کہہ دیں کہ تُو نے قوم میں تفرقہ پیدا کر دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا۔ یا تُو نے میرے اس حکم کا کہ اَمن رکھا جائے خیال نہیں رکھا۔

سامری نے کہا کہ اَے موسیٰ تیری قوم تو بے وقوف تھی مَیں عقلمند تھا میں نے تیرے وہ حالات دیکھے جو تیری قوم نے نہیں دیکھے۔یعنی وہ تو اندھا دُھند تجھے نبی مان رہی تھی۔مَیں نہیں مان رہا تھا۔سو میں نے تیری باتوں میں سے کچھ اختیار کرلیں اور کچھ پر ایمان نہ لایا اَور جس باتوں پر میں ایمان لایا وہ بھی اس لئے تا کہ تیری قوم دھوکا میں آکر مجھے اپنا لیڈر بنا لے۔ اس کے بعد جب مَیں نے مصلحت اِس کے خلاف دیکھی اور تیرے پہاڑ پر جانے کے بعد تیری قوم کو مَیں نے ڈگمگاتے پایا تو وہ تعلیم جو پہلے مَیں نے اختیار کر لی تھی اُسے میں نے پھینک دیا اَور جس طرح پہلے تجھ پر ایمان لانا میرے نفس نے پسند کیا تھا اب اُس نے مجھے یہ صلاح دی کہ اُسے چھوڑ دوں کیونکہ جب مَیں نے دیکھا کہ تیری قوم شرک کی طرف جھکی ہوئی ہے تو ایک بچھڑا بنا کر اُن کے آگے پیش کر دیا تا کہ وہ مجھے اَپنا لیڈر بنالیں۔ یہ سب باتیں سُن کر حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے کہا کہ تُو نے قوم میں عزت حاصل کرنے کے لئے یہ طریق اختیار کیا تھا۔اب تیری سزا یہی ہے کہ تجھے قوم میں ذلیل کیا جائے۔پس جب تک تُو زندہ رہے تیرا فرض ہے کہ جب بھی بنی اسرائیل کے پاس سے گزرے تو کہتا چلا جائے مجھے کوئی نہ چھوئے کیونکہ موسیٰؑ نے مجھ سے تعلق رکھنے سے منع کر دیا ہے۔مگر یہ سزا بہر حال دنیوی ہے۔تیرے لئے ایک اور سزا بھی مقرر ہے جو ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے سامری سے کہا کہ انقطاعِ تعلق کے علاوہ اُس دُنیا میں تجھے یہ روحانی سزا بھی ملے گی کہ جس معبود کی تُو پوجا کرتا تھا ہم اُس کو جلا دیں گے۔اور اس کی راکھ کو دریا میں پھینک دیں گے تا کہ تجھ پر یہ بات کھل جائے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ 429-463)

جیسا کہ سورۃ الشعراء کی تفسیر میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ بھی ایک کشفی نظارہ تھا جو حضرت موسیٰؑ نے دیکھا۔اور عصا سے مراد اُن کی جماعت تھی۔ عربی زبان میں کہتے ہیں شق العصا۔اَور اُس نے جماعت کی وحدت کو توڑ دیا۔اسی طرح اس نظارہ کے دکھانے سے اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ جب تک تُو اپنی جماعت کو اَپنے ہاتھ میں رکھے گا اَور اس کی نگرانی کرتا رہے گا وہ ایک عصا کی شکل میں کارآمد وجود رہے گی۔لیکن جب وہ تیری کامل متابعت کو ترک کر کے تیرے روحانی وجود سے الگ ہو جائے گی۔تو وہ ایک سانپ کی شکل اختیار کر لے گی چنانچہ جب موسیٰؑ نے کشفی حالت میں اَپنا عصا پھینک دیا تو ان کو اَپنی قوم کا وہ حال نظر آ گیا جو ان کی غیر حاضری میں ہونے والا تھا۔آپ نے جب یہ نظارہ دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر دَوڑ پڑے اس پر ان کو الہام ہوا۔اَے موسیٰ ڈرنے کی کون سی بات ہے رسول جب ہماری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں انعام لینے کے لئے حاضر ہوتے ہیں سزا پانے کے لئے نہیں۔بلکہ تجھے حقیقت حال سے آگاہ کرنے اَور قوم کی نگرانی کی طرف توجہ دلانے کے لئے دکھایا گیا ہے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ:350)

ایک موقعہ پر حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو گائے کی قربانی کا حکم دیا لیکن اُنہوں نے بہانہ بنا کر ٹالنا چاہا مگر آخر بادلِ ناخواستہ حضرت موسیٰؑ کے آگے سرِتسلیم خم کرنا پڑا۔اس جگہ پر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کی ایک اور ناشکری کا ذکر کرتا ہے۔گوسالہ سامری کے پوجنے کے بعد اور سخت سزاؤں کے برداشت کرنے کے بعد اَور بڑی توبہ اَور ندامت کے اظہار کے بعد یہ اُمید نہیں کی جا سکتی تھی کہ اُن کی وہی نسل شرک کے قریب چلی جائے گی۔مگر اُنہوں نے اس واقعہ سے بھی عبرت حاصل نہ کی، پھر شرک کی طرف راغب ہو گئے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی بدقسمتی کہ کوئی ایسا۔بیل اُن کے گلے میں پیدا ہو گیا جو نہایت خوشنما اَور خوشرنگ تھا۔چونکہ فرعون کی قوم میں بیل کی پُوجا کا عام رواج تھا۔بلکہ سب سے بڑا مندر مصر کا وہی تھا جس میں ایک بے عیب بیل بطور دیوتا کے رکھا جاتا تھا۔اُنہوں نے اس اَثر کے ماتحت جو مصر میں رہنے کی وجہ سے اُن کے عقائد پہ پڑا تھا۔اُس بیل کو خاص عزت کی نگاہوں سے دیکھنا شروع کر دیا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اُن میں گائے کی قربانی کا رَواج پیدا کیا جائے تا کہ اس قسم کے خیالات کا قلع قمع ہو۔بنی اسرائیل کے دل میں چونکہ چور تھا، اُنہوں نے فوراً شبہ کیا کہ اس خاص بیل کے متعلق جو ہماری قوم میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں، حضرت موسیٰؑ کو کسی طرح اُن کا پتہ لگ گیا ہے اَور اس نے بیل کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہمیں بیل کی قربانی کا حُکم دیا ہے۔اُس وقت یہود کی مثال بالکل چور کی

داڑھی میں تنکا والی ہوگئی اور اُنہوں نے بجائے اس کے کہ خاموشی سے ایک بیل ذبح کر دیتے اور اس طرح اُن کے عیب پر بھی پردہ پڑا رہتا اور منشائے الٰہی بھی پورا ہو جاتا کہ آہستہ آہستہ اُن کے دِلوں سے گائے اور بیل کی عظمت بالکل نکل جائے، اُلٹا یہ کیا کہ حضرت موسیٰ پر سوالوں کی بھرمار شروع کر دی کہ ضرور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی خاص بیل کے ذبح کرنے کا حکم ہوا ہے اُس کی ہمیں نشانیاں بتائی جائیں۔

اِس جرح قدح کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخر اللہ تعالیٰ نے وہ تمام علامتیں جو اس مخصوص بیل میں پائی جاتی تھیں جس کا اَدب واحترام بنی اسرائیل میں پیدا ہو رہا تھا۔ اُنہیں بتا دیں اور وہ خاص بیل اُنہیں ذبح کرنا پڑا اور شرمندگی الگ اُٹھانی پڑی۔ مصری لوگوں میں بیل کی عبادت اور اس کی عظمت کے متعلق کثرت سے حوالے ملتے ہیں۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 1 صفحہ:502)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی انسانی قربانی کا رَواج تھا جس سے شریعت موسویہ میں بڑی سختی کے ساتھ روکا گیا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 6 صفحہ:49)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو دو تباہیوں کی خبر دی گئی تھی۔ اور بتایا گیا تھا کہ اس ملک پر تمہارا قبضہ دائمی نہیں ہوگا۔ بلکہ پہلے تمہارا قبضہ ہوگا اور پھر تم نکالے جاؤ گے۔ پھر تمہارا قبضہ ہوگا اور پھر نکالے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام کس شان اور عظمت سے پورا ہوا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:571)

سورۃ بنی اسرائیل میں مندرجہ ذیل امور بیان کئے گئے ہیں۔:

1. یہ ملک یہود سے چھین کر ایک اور قوم کو دے دیا جائے گا۔
2. کچھ عرصہ کے بعد پھر یہ ملک یہود کو واپس مل جائے گا۔
3. کچھ عرصہ کے بعد یہ پھر اُن سے چھین لیا جائے گا۔
4. اس کے بعد یہ ملک پھر واپس کیا جائے گا مگر یہود کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ بلکہ موسوی سلسلہ کے ماننے والوں یعنی عیسائیوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا اگر پھر شرارت کی گئی (اب عیسائی بھی شامل ہو گئے۔ کیونکہ وہ بھی یہودیوں کا ایک گروہ تھے۔) تو پھر یہ زمین ان سے چھین لی جائے گی اور ایک اور قوم کو دے دی جائے گی۔ یعنی مسلمانوں کو۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:573)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا اسراء جس میں انہیں موسوی سلسلہ کی ترقیات دکھائی گئیں۔ سورۃ الکہف

ترجمہ: اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اَپنے نوجوان (رفیق) سے کہا تھا (کہ) مَیں (جس راستے پر جا رہا ہوں اس پر قائم رہنے سے) نہیں ٹلوں گا یہاں تک کہ ان دونوں سمندروں کے اکٹھے ہونے کے مقام پر پہنچ جاؤں۔ یا صدیوں تک (آگے ہی آگے) چلتا جاؤں۔ 18:61

پس جب وہ (دونوں) ان (دونوں سمندروں) کے باہم ملنے کی جگہ پر (یعنی قربِ زمانہ نبوی تک) پہنچے تو وہ اپنی مچھلی (وہاں) بھول گئے۔ جس پر اس (مچھلی) نے تیزی سے بھاگتے ہوئے سمندر میں اَپنی راہ لی۔ آیت 62

ترجمہ: پھر جب وہ (اِس جگہ سے) آگے نکل گئے تو اس (یعنی موسیٰ) نے اَپنے نوجوان (رفیق) سے کہا (کہ) ہمارا صبح کا کھانا ہمیں دو۔ ہمیں یقیناً اپنے اس سفر کی وجہ سے تھکان ہوگئی ہے۔ 18:63

اُس نے کہا (کہ) بتایئے (اب کیا ہوگا) جب ہم (آرام کے لئے) اس چٹان پر ٹھہرے تو مَیں مچھلی (کا خیال) بھول گیا اور مجھے یہ بات شیطان کے سوا کسی نے نہیں بھلائی اور اس نے سمندر میں عجیب طرح سے اَپنی راہ لے لی۔ 18:64

اس نے کہا (کہ) یہی وہ (مقام) ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ پھر وہ اَپنے پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔ 18:65

تو اُنہوں نے ہمارے (برگزیدہ) بندوں میں سے ایک اَیسا بندہ (وہاں) پایا جسے ہم نے اپنے رحمت (کی سیرت) بخشی تھی اور اسے ہم نے اپنی جناب سے (خاص) علم (بھی) عطا کیا تھا۔ 18:66

موسیٰ نے اس سے کہا (کہ) کیا میں اس (مقصد کے) لئے آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں کہ جو علم آپ کو عطا ہوا ہے اُس میں سے کچھ رُشد (کی باتیں) مجھے بھی سکھائیں۔ 18:67

اُس نے کہا (کہ) تو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔ 18:68

اور جس بات کے علم کا تو نے احاطہ نہیں کیا اس پر تُو صبر کر (بھی) کیونکر سکتا ہے۔ 18:69

اس نے کہا (کہ) اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اَور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔18:70

اس (روحانی بزرگ) نے کہا (کہ) اچھا اگر تو میرے ساتھ چلے تو تُو کسی چیز کے متعلق جب تک کہ مَیں اس کے متعلق تجھ سے ذکر کرنے میں پہل نہ کروں مجھ سے سوال مت کیجیو۔18:71

پھر وہ (دونوں وہاں سے) چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خُدا کے برگزیدہ) نے اس میں شگاف کر دیا۔ اس پر اس (موسیٰ) نے کہا (کہ) کیا آپ نے اِس لئے شگاف کیا ہے۔ کہ آپ اس کے اَندر (بیٹھ کر جانے) والوں کو غرق کر دیں۔ آپ نے یقیناً (یہ) ایک ناپسندیدہ کام کیا ہے۔18:72

اُس (برگزیدۂ خُدا) نے کہا (کہ) کیا میں نے (تجھے) نہیں کہا تھا (کہ) تُو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔18:73

اِس پر اُس (موسیٰ) نے کہا (کہ اس دفعہ) آپ مجھ پر گرفت نہ کریں۔ کیونکہ میں (آپ کی ہدایت کو) بھول گیا تھا اَور آپ میری (اس) بات کی وجہ سے مجھ پر سختی نہ کریں۔18:74

پھر وہ (دونوں وہاں سے) چل پڑے۔ یہاں تک کہ وہ جب ایک لڑکے کو ملے تو اُس (خُدا کے بندہ) نے اُسے مار ڈالا۔ (اس پر) اس نے (یعنی موسیٰ نے) کہا (کہ) کیا (یہ سچ نہیں کہ) آپ نے (اس وقت) ایک پاکباز (اور بے گناہ) شخص کو بغیر کسی (کے خون) کے بدلہ کے (ناحق ہی) مار ڈالا ہے آپ نے یقیناً (یہ) بہت بُرا کام کیا ہے۔18:75

اُس (خُدا کے پیارے) نے کہا (کہ) کیا مَیں نے تجھے نہیں کہا تھا (کہ) تو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔18:76

اُس (یعنی موسیٰ) نے کہا (کہ) اگر اس کے بعد میں نے کسی بات کے متعلق آپ سے پوچھا تو (بے شک) آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیئے گا (اور اس صورت میں) آپ یقیناً میری اپنی رائے کے مطابق معذور سمجھے جانے کی حد تک پہنچ چکے ہوں گے۔18:77

پھر وہ (وہاں سے بھی) چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی کے لوگوں کے پاس پہنچے تو اس (بستی) کے باشندوں سے انہوں نے کھانا مانگا، مگر انہوں نے انہیں (اپنے) مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ پھر اُنہوں نے اس (بستی) میں ایک ایسی دیوار پائی جو گرنے کو تھی۔ اس (خُدا کے بندہ) نے اسے درست کر دیا (اس پر) اُس نے (یعنی موسیٰ نے) کہا (کہ) اگر آپ چاہتے تو یقیناً اس کی کچھ (نہ کچھ) اُجرت لے سکتے تھے۔18:78

اُس (خُدا کے برگزیدہ) نے کہا (کہ) یہ میرے درمیان اَور تمہارے درمیان جدائی) کا وقت) ہے۔ جس بات پر تُو صبر نہیں کر سکا مَیں ابھی تجھے اس کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں۔18:79

کشتی تو چند مساکین کی تھی، جو دریا میں کام کرتے ہیں اَور ان کے سامنے (دریا پار) ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ اس لئے مَیں نے چاہا کہ اُسے عیب دار کر دوں۔18:80

اور یہ (جو) لڑکے (کا واقعہ) ہے تو (اس) کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے۔ اس پر (اس کی یہ حالت دیکھ کر) ہم ڈرے کہ ایسا نہ ہو (بڑے ہو کر) وہ ان پر سرکشی اور کفر کا الزام لگوا دے۔18:81

پس ہم نے چاہا کہ ان کا ربّ ان کو اس (لڑکے) سے پاکیزگی اور رحم و انصاف کے لحاظ سے بہتر (لڑکا بدل کر) دے دے۔18:82

اور (وہ) دیوار اس شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے اُن کا کچھ خزانہ (گڑا ہوا) تھا۔ اَور ان کا باپ (ایک) نیک (شخص) تھا۔ اس لئے تیرے ربّ نے چاہا کہ وہ اَپنی مضبوطی کی عمر کو پہنچ جائیں اَور (بڑے ہو کر) اَپنے خزانہ کو (خود) نکالیں تیرے ربّ کی طرف سے (ان پر خاص رحم (ہوا) ہے اور یہ (کام) مَیں نے اپنے نفس کے حکم سے نہیں کیا۔ یہ اس بات کی حقیقت ہے جس پر تو صبر نہیں کر سکا۔18:83

<u>اسراء کی تفسیر</u>

درحقیقت اس واقعہ کے سمجھنے میں لوگوں کو غلطی لگی ہے۔ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت کا واقعہ سورۃ بنی اسرائیل میں بیان کیا گیا تھا اور اس اسراء کے نتائج بیان کئے گئے تھے کہ آئندہ کیا کیا واقعات ظاہر ہوں گے اَور مسلمانوں کو کس طرح ترقیات ملیں گی۔

مسلمانوں کو جو خطرات پیش آنے والے تھے۔یعنی یہود اور نصاریٰ کی مخالفتوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ان عظیم الشان خطرات میں سے ایک بڑا خطرہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ کا ایک بڑا گروہ جو عیسائی کہلاتے ہیں۔اگرچہ وہ اپنے آپ کو حضرت موسیٰؑ کی اُمت نہ کہیں۔مگر خدا کی نظر میں وہ حضرت موسیٰؑ کی اُمت میں ہی شامل ہیں) یہ گروہ مسلمانوں کو آخری زمانہ میں سخت صدمہ پہنچانے والا تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسراء کے علاوہ خود حضرت موسیٰؑ کے اسراء کو بھی اس جگہ بیان فرمایا ہے۔جس سے اس اَمر کی تصدیق مطلوب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم غالب آئیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمت کو غلبہ دیا جائے گا۔اور موسوی اُمت کا بقیہ حصہ۔یعنی عیسائی لوگ یعنی غالب نہ ہو سکے گا۔یہ واقعہ حضرت موسیٰؑ کا ایک کشف ہے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 4 صفحہ:466.467)

اسراء میں حضرت موسیٰؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو سلام کرنا۔حضرت موسیٰؑ کے کشف کا بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسراء کے مشابہ ہے کیونکہ آپؑ کے کشف کا آخری حصہ یہ تھا کہ آپؐ کو حضرت ابراہیمؑ۔موسیٰؑ۔اور عیسیٰؑ نے سلام کیا جس کے یہ معنی ہیں کہ موسیٰؑ کے کشف کے سب سے آخری نظارہ میں جو خدمتِ اَولادِ ابراہیمؑ اور اُمتِ موسیٰؑ اور اتباعِ عیسیٰؑ کی آپؐ نے انجام دی تھی اس کا انکشاف چونکہ ان پر ہو گیا وہ آپ کے بیت المقدس تشریف لے جانے کے موقع پر اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے آگئے آئے۔بے شک موسیٰؑ نے اَپنے کشف میں اس کی حقیقت کو پوری طرح نہ سمجھا اور اس پر اعتراض کر دیا مگر جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر حقیقت کھول دی تو نہ صرف وہ بلکہ ابراہیمؑ اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اظہارِ امتنان کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ملے۔(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 4 صفحہ:490)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے ملاقات

بعض احادیث میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے کہ خضر نامی ایک شخص سے ملاقات کے لئے حضرت موسیٰؑ تشریف لے گئے تھے۔ان آیات میں اس سفر کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔یہ سفر انہوں نے کیوں کیا تھا۔اس کے متعلق بھی اختلاف ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں! میں سمجھتا ہوں کہ حضرت موسیٰؑ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ اعلیٰ کے دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ کشف دکھایا اور اس کشف کا خضر میرا محمد ہی ہے جس کے ساتھ چلنے کی موسیٰؑ کو طاقت نہ تھی۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 4 صفحہ 466)

مجمع البحرین

واذ قال موسیٰ لفتٰہ۔فتی کے متعلق روایات میں لکھا ہے کہ وہ یوشع بن نون تھے۔کوئی تعجب نہیں کہ کشف میں حضرت موسیٰؑ نے انہی کو دیکھا ہو۔آپ فرماتے ہیں میری اَپنی رائے یہ ہے کہ دوسرا شخص حضرت عیسیٰؑ تھے۔جنہوں نے موسوی سلسلہ کے سفر کے آخری دور میں قوم کی رہنمائی کرنی تھی۔اور گویا موسوی سفر کا اختتام ان کی معیت میں ہونا تھا۔آپ کے نزدیک سورۃ کہف آیت نمبر 61۔میں یہ ذکر نہیں کہ موسیٰؑ گھر سے ایک نوجوان کو لے کر چلے بلکہ خود ان کے چلنے کا بھی ذکر نہیں۔یہ ذکر ہے کہ موسیٰؑ نے اَپنے آپ کو سفر کی حالت میں دیکھا اور اس وقت ان کے ساتھ ایک نوجوان تھا اُنہوں نے اس نوجوان کو کہا کہ جب تک میں مجمع البحرین تک نہ پہنچ جاؤں میں اَپنا سفر ختم نہ کرونگا خواہ مجھے صدیوں تک ہی کیوں نہ سفر کرنا پڑے۔گویا ان الفاظ کو موسیٰؑ کے منہ سے نکلوا کر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ موسیٰؑ کا روحانی سفر یعنی اُن کی اُمت کا زمانہ صدیوں تک ممتد چلے گا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے منہ سے یہ کہلوایا کہ اس نوجوان کے ملنے سے حضرت موسیٰؑ کا سفر ختم نہیں ہوتا بلکہ مجمع البحرین پر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے ظہور کے زمانہ پر جا کر ختم ہوگا۔اس آیت میں مجمع البحرین کا لفظ یہ بھی روشنی ڈالتا ہے کہ واقعہ کشفی ہے۔کیونکہ مجمع البحرین کسی معروف جگہ کا نام نہیں۔سوائے اس کے کہ اس کے معنی دو سمندروں کے ملنے کی جگہ کے لئے جائیں۔اور موسیٰؑ کی ہجرت کے بعد رہائش میں قریب ترین علاقے جہاں دو سمندر ملتے تھے۔یہ تین تھے۔باب المندب۔جہاں بحیرہ احمر اور بحر الہند ملتے تھے۔دردانیال۔جہاں بحیرہ روم۔اور بحیرہ مارمورہ ملتے ہیں یا پھر البحرین جہاں خلیج فارس کا سمندر۔بحر الہند سے ملتا ہے۔یہ تینوں علاقے قریباً ہزار۔ہزار میل دوران

کے وطن سے تھے۔کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کے کنارے کنارے آپ سفر کر رہے تھے۔اسلئے دردانیال کا درہ ہی ظاہری سمندر بنتا ہے کیونکہ تینوں جگہوں میں سے صرف وہی جگہ ہے جس تک موسیٰؑ کی جائے رہائش ہے سمندر کے کنارے کنارے راستہ جاتا ہے مگر یہی وہ راستہ ہے جس میں کنعان پڑتا ہے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 4 صفحہ:469.471)

مجمع البحرین سے مُراد دَرحقیقت وہ زمانہ تھا۔جہاں حضرت موسیٰؑ کا زمانہ ختم ہوا۔اَور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ شروع ہوا۔یعنی وہ گھڑی جب محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو پہلا الہام نبوت ہوا مجمع البحرین تھی۔وہاں موسیٰؑ جوایک رُوحانی عادل شفیق اَور دُنیا کے لئے ضروری بادشاہ تھے ان کا علاقہ ختم ہوتا تھا اَور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم جو اَور بھی بڑے رُوحانی سمندر تھے ان کا زمانہ شروع ہوتا تھا۔حضرت موسیٰؑ کو کشف میں دو بڑے سمندر دکھا کر گویا بتایا گیا کہ اس زمانہ تک آپ کی اُمت کا زمانہ ہے آگے ایک اَور سمندر شروع ہوتا ہے آپ کا زمانہ ختم ہو کر اس نئے نبی کا کام شروع ہوگا۔اَور وہی رُوحانی شخص رُوحانی زندگی کا سامان حاصل کرے گا جو اس سمندر میں غوطہ لگائے گا۔محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو یہ نظارہ دکھایا گیا تو جبرائیل خود آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے مگر موسیٰؑ کو یہ نظارہ دکھایا کہ وہ مجمع البحرین کی طرف اَپنے ساتھی کو لے کر گئے اَور وہاں جا کر ان کا سفر ختم ہو گیا۔جس مقام پر ان لوگوں کے ہاتھوں سے نیک لوگوں کی عبادت گاہیں اَور عبادت گزاروں کی مساجد نکل جائینگی وہی مقام مجمع البحرین ہوگا۔یعنی موسوی سلسلہ ختم ہوجائے گا اور محمدی سلسلہ شروع ہوگا۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 سورۃ الکھف صفحہ 472)

حضرت مصلح موعودؓ سفینہ۔یعنی کشتی کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔سفینہ سے مراد دُنیاوی مال ہیں۔اَور کشتی میں دونوں کے سوار ہونے سے یہ مراد ہے کہ دونوں اُمتوں پر ایک اَیسا وقت آئے گا کہ انہیں دُنیاوی مال بافراغت ملے گا .جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے کشتی کو پھاڑ دیا اس پر موسیٰؑ نے یا دوسرے لفظوں میں ان کی قوم نے اعتراض کیا تیرا یہ منشاء ہے کہ اس کشتی کے سوار غرق ہو جائیں۔آپ فرماتے ہیں۔خرق سفینہ۔سے مراد یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے اَپنی اُمّت کی دُنیا کو بہت سے شرعی احکام سے چھید ڈالا ہے مثلاً اوّل زکوۃ کا حکم دیا ہے پھر سود سے منع کر کے دولت کو نقصان پہنچایا ہے۔پھر ورثہ کا حکم دے کر مال کو تقسیم کیا ہے اَور دولت کو بڑھنے سے روک دیا ہے۔گویا دُنیا داروں کی نظر میں اَپنی قوم کی زندگی تباہ کر دی ہے اَور نیکوکاروں کی نگاہ میں قوم کی دُنیا کی محبت کے بداثرات سے اور قوم کو اُمراء کی غلامی سے بچالیا ہے یہ تعلیم موسوی سلسلہ کے لوگوں پر سخت گراں گزرتی ہے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 4 صفحہ:480.482)

محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اَپنی اُمت کو حکم دیا کہ وہ اپنی سفینہ میں سوراخ کر دیں یعنی ان کے مال دین کی خدمت اَور بنی نوع اِنسان کی خدمت میں خرچ ہوتے رہیں تا کہ دُنیا کی محبت اُن کے دِلوں پر قابو نہ پالے اور ان کے مال خدا کے ہونے کی بجائے ظالم دُنیا کے نہ ہو جائیں۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 4 صفحہ 487)

حضرت موسیٰؑ کے اسراء کو اس جگہ پر اس لئے بیان کیا گیا ہے تا یہ بتایا جائے کہ (1) حضرت مسیح ناصری کو قوم جو اُمتِ موسویہ کا آخری حصّہ ہے اس کے بگڑ جانے کے بعد بعثت محمدیہؐ مقدر تھی۔(2) پس جب دَورِ توحید کے بعد مسیحی بگڑ گئے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ظہور ضروری تھا۔

(3) اسلام کی تعلیم ایسے قوانین اور ایسے اُصول پر مبنی ہے کہ موسوی تعلیم اس سے بعض جگہ شدید اختلاف رکھتی ہے۔اس وجہ سے موسوی اَور عیسوی اُمتوں کے لئے اس کے ساتھ تعاون کرنا مشکل ہے مگر اس تعلیم کے بغیر نجات بھی نہیں۔(4) یہودی اَور مسیحی لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ان کے دعوٰی کے وقت نہیں مانیں گے۔بلکہ بحیثیت قوم ایک لمبے عرصہ کے بعد مانیں گے۔اس عرصہ میں وہ اَپنا روحانی سفر الگ طور پر جاری رکھیں گے۔(5) آخر ایک لمبے عرصہ کے بعد وہ تھک جائیں گے اَور ان کے دل اَپنی کوششوں کے ذریعہ اَمن حاصل کرنے سے مایوس ہوجائیں گے تب وہ اَپنی حالت کا جائزہ لیں گے۔اور سمجھ لیں گے کہ یہ سفر ہم نے بغیر کسی مقصد کے جاری رکھا۔دَرحقیقت ہمارا اکیلا سفر بہت پیچھے ختم ہو چکا ہے۔(6) اس وقت وہ پیشگوئیاں جو قرآنِ کریم نے ان کی کتب سے محفوظ کر لی ہیں ان کی ہدایت کا موجب ہونگی اور (7) وہ ان قیود کو تسلیم کرنے کے لئے

تیار ہو جائیں گے جن کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔اَور اَپنے وحشی جذبات کو قتل کر کے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار جذبات پیدا کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے تب اللہ تعالیٰ کا رحم ان پر نازل ہوگا اور وہ اس کی رحمت کے سمندر میں داخل ہو جائیں گے جس کا کوئی کنارہ نہیں جس کے بعد کوئی اَور سمندر نہیں۔سوائے اس کے جو اس کا حصّہ ہو اور اسی میں سے ہو۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 4 صفحہ:490)

حضرت موسیٰؑ نے اَپنے بعد آنے والے نبی کی۔اُس نے اپنے بعد کے آنے والے کی۔اور اس نے اپنے بعد کی خبر دی اَور گویا ہر ستارہ دوسرے ستارے کی طرف رہنمائی کرتا گیا اَور سب ستاروں نے سُورج کی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی منزل کی طرف رہنمائی کی۔جس سے انسان کو رُوحانی سفر کے طے کرنے اَور مرکزِ روحانیت کے مقام تک ہدایت پانے کا موقعہ مل گیا۔(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 4 صفحہ:147)

اُمّتِ موسویہ اور اُمّتِ محمدیہ کا موازنہ:

☆ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پڑھے لکھے تھے۔لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پڑھے لکھے نہیں تھے مگر اَن پڑھ ہونے کے باوجود آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے زیادہ کامیابی حاصل کی۔

☆ حضرت موسیٰؑ علیہ السّلام ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو متمدّن تھی۔مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایک ایسی قوم کی طرف آئے تھے جو غیر متمدّن تھی اَور ظاہری علوم سے بالکل نا آشنا تھی۔

☆ حضرت موسیٰؑ کو عصا ملا جو بعض اوقات سانپ بن جاتا تھا جو ایک کاٹنے والی چیز ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو شمشیر قرآن ملی جو ہمیشہ رحمت ہی رحمت بنی رہتی ہے۔

☆ حضرت موسیٰؑ علیہ السّلام کو جب نبوت ملی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یہ کام بہت بڑا ہے مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔میرے ساتھ ایک اَور مددگار مقرر کر دیجئے۔اَور پھر آپ نے یہ بھی کہا کہ وہ مددگار بھی مجھے میرے رشتہ داروں میں سے ہی ملنا چاہئے۔

مگر حضرت محمد رسول اللہ کے سپرد بہت بڑا کام ہوا اَور آپ نے فرمایا میں اکیلے ہی اس کام کو سرانجام دوں گا۔اَور آپ نے کامیاب طور پر وہ کام سرانجام دے دیا۔

☆ حضرت موسیٰؑ علیہ السّلام کو کتاب ملی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی کتاب ملی مگر فرق یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جو کتاب ملی باوجود اس کے کہ اُن کے بعد متواتر نبی آئے وہ محفوظ نہ رہ سکی۔لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو کتاب ملی بوجود اس کے کہ آپ کے بعد تیرہ سو سال تک کوئی نبی نہیں آیا وہ اب تک محفوظ چلی آ رہی ہے۔

☆ حضرت موسیٰؑ کی تعلیم یہ تھی کہ اگر کوئی تمہیں تھپڑ مارے تو جواب میں تم بھی تھپڑ ہی مارو۔مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم میں نرمی اَور محبت کو تعذیب اَور انتقام پر ترجیح دی گئی ہے۔

☆ حضرت موسیٰؑ کو ید بیضا کا معجزہ دیا گیا تھا۔یعنی آپکا ہاتھ کبھی کبھی چمکا کرتا تھا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے سراجاً منیرا کہا۔احزاب 47۔

☆ حضرت موسیٰؑ کو صرف بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو تمام بنی نوع انسان کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے کے لئے بھیجا۔

☆ حضرت موسیٰؑ کو ایک یہ معجزہ دیا گیا کہ آپکی قوم کے پلوٹھے مرے پلوٹھوں کا مرنا کوئی نشان نہیں مرتا تو ہر ایک ہی ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو معجزہ دیا گیا اُس کی مثال دُنیا میں کہیں نہیں ملتی۔محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوم کے پلوٹھے ہی نہیں بلکہ ان کی ساری اَولادیں ہی مر گئیں اَور پھر زندہ ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو مل گئیں۔(سورہ الکوثر۔جلد 10۔ص 263)

☆ حضرت موسیٰؑ سے فرعونی قوم کا ایک آدمی مارا گیا تھا حضرت موسیٰؑ سے جو یہ فعل سرزد ہوا تھا محض ایک اتفاقی حادثہ تھا جو خدا کی نگاہ میں مجرم بنانے والا نہیں تھا۔آپؑ کی بعثت سے پہلے ہی یہ الزام آپؑ پر لگایا گیا خواہ جھوٹا ہی تھا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے پہلے ہی تمام لوگ اَمین اَور صدوق کہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نیکی اَور انصاف اَور دیانتداری کے قائل تھے۔(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ 94)

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا عرفان چونکہ موسوی عرفان سے بہت زیادہ تھا اسلئے آپؐ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے کوئی مددگار دیا جائے بلکہ آپؐ اکیلے ہی

اس بوجھ کو اُٹھانے کے لئے تیار ہو گئے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سُپرد جو کام تھا وہ موسیٰؑ کے کام سے بہت بڑا تھا۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ 92)

☆ دو بڑے نشانات جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر ظاہر کئے۔ باوجود کہ یہ بہت بڑے نشان تھے کہ حضرت موسیٰؑ نے سونٹا پھینکا اور وہ سانپ بن گیا۔ یا سونٹا مارا اور دریا پھٹ گیا یا حضرت موسیٰؑ نے سونٹا مارا اور چٹان سے پانی بہہ نکلا۔ پھر بھی اس صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موسیٰؑ کے عصا کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو عصا عطا فرمایا وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ موسیٰ کے عصا سے بحیرہ قلزم کا پھٹنا یا اُن کے عصا سے پتھر کی چٹانوں سے پانی بہہ نکلنا یا خود اُن کے عصا کا سانپ بن کر لوگوں کو دکھائی دینا اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے وہ عصا عطا فرمایا جس پر انسانوں کی موت اور زمانہ کی گردشیں کوئی اثر نہیں کر سکتیں۔ جسے دُنیا کی بڑی سے بڑی حکومتیں بھی توڑنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔ وہ عصا جو آج بھی کُفر کو پاش پاش کر رہا ہے اور قیامت تک شیطان کے پھیلائے ہوئے جالوں اور اُس کی رسیوں کو نگلتا چلا جائے گا۔ وہ قرآن کریم ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو عطا کیا گیا۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ 125)

☆ حضرت موسیٰؑ علیہ السّلام کا دشمن تباہ ہوا لیکن دشمن کے تباہ ہو جانے کے بعد اُس کے ملک پر آپ کو غلبہ میسر نہیں آیا۔ مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے دشمنوں نے جب شکست کھائی تو آپ اُن کے ملک پر بھی قابض ہو گئے۔

☆ حضرت موسیٰؑ علیہ السّلام کی قوم کو چالیس سال تک جنگلوں میں بھٹکنے کے بعد کنعان ملا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوم کو آپ کی وفات کے بارہ سال کے عرصہ میں ہی ساری متمدن دُنیا پر حکومت مل گئی۔

☆ حضرت موسیٰؑ علیہ السّلام کا سلسلہ ختم ہو گیا مگر آپؐ کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو گا۔

☆ حضرت موسیٰؑ علیہ السّلام کے آخری خلیفہ یعنی مسیحؑ ناصری کی جماعت نے آپ کو جواب دے دیا اور حضرت موسیٰؑ کی افضلیت کا انکار کر دیا۔ لیکن ہمارے سلسلہ کے بانی حضرت مسیح موعودؑ نے جو محمدی سلسلہ کے آخری خلیفہ ہیں اگر کچھ کہا تو یہ کہا۔ وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 10 صفحہ: 252.261)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عملی اصلاح میں جن تین باتوں کی ضرورت ہے اُن میں سب سے پہلے قوتِ ارادی ہے یہ قوتِ ارادی کیا ہے؟ ہم میں سے بعض کے نزدیک یہ عجیب بات ہو گی کہ قوتِ ارادی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ اکثر یہ کہیں گے کہ قوتِ ارادی کے جو اپنے الفاظ ہیں، اُن سے ہی ظاہر ہے کہ یہ کسی کام کو کرنے کے مضبوط ارادے اور اُسے بجا لانے کی اور انجام دینے کی قوت ہے۔ یہاں یہ سوال اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے کہ یہ قوتِ ارادی کیا چیز ہے؟۔۔۔۔ دین کے معاملے میں قوتِ ارادی ایمان کا نام ہے۔ اور جب ہم اس زاویے سے دیکھتے ہیں تو پھر پتا چلتا ہے کہ عملی قوت ایمان کے بڑھنے سے بڑھتی ہے۔ اگر ایمان پختہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو تو پھر انسان کے کام خود بخود ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہر مشکل اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے آسان ہوتی چلی جاتی ہے۔ عملی مشکلات اس ایمان کی وجہ سے ہوا میں اُڑ جاتی ہیں اور آسانی سے انسان ان پر قابو پا لیتا ہے۔

(الفضل انٹرنیشنل 07.02.2014 صفحہ: 5)

حضرت ہارون علیہ السلام

قرآن کریم میں حضرت ہارونؑ کا ذکر تیرہ سورتوں میں آیا ہے۔

ا۔سورۃ طٰہٰ میں دوبار ذکر ہے۔

۲۔سورۃ اعراف میں بھی دوبار ذکر ہے۔

۳۔سورۃ الشعراء، سورۃ مریم، سورۃ الصافات، سورۃ البقرہ، سورۃ یونس، سورۃ القصص، سورۃ الانبیاء، سورۃ المومنون، سورۃ النسا، سورۃ الفرقان، سورۃ الانعام میں ایک ایک بار ذکر ہے۔

سورۃ البقرہ

ترجمہ:اوران کے نبی نے ان سے کہا کہ اس کی حکومت کی دلیل یہ ہے کہ تمہیں (ایک ایسا) تابوت ملے گا جس میں تمہارے ربّ کی طرف سے تسکین (ہوگی) اوراس چیز کا بقیہ ہوگا جوموسیٰ کے متعلقین اَور ہارون کے متعلقین نے (اَپنے پیچھے) چھوڑا۔فرشتے اسے اُٹھائے ہوئے ہوں گے اگرتم مومن ہوتو اس بات میں تمہارے لئے یقیناً ایک بڑا نشان ہے۔ 2:249

سورۃ یونس

ترجمہ: پھراُن کے بعدہم نے موسیٰ اور ہارون کواَپنے نشان دیکرفرعون اور اس کی قوم کے بڑےلوگوں کی طرف بھیجا،توانھوں نے تکبراختیار کیااَوروہ (پہلے ہی سے) ایک مجرم قوم تھے۔10:76

سورۃ الصّٰفّٰت

ترجمہ:اورہم نے موسیٰ اور ہارون پربھی احسان کیا تھا۔37:115

اورہم نے ان دونوں کواوران کوقوم کوایک بڑےغم اور بوجھ سےنجات دی تھی۔37:116

اورہم نے ان سب کی مدد کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غالب ہو گئے۔37:117

اورہم نے ان کوایک کامل کتاب دی جوتمام احکام کھول کھول کر بیان کرتی تھی۔37:118

اورہم نے ان دونوں کوسیدھارستہ دکھایا تھا۔37:119

اورآنے والی قوموں میں ان کاذکرِ خیرچھوڑا تھا۔37:120

موسیٰ اور ہارون پرہمیشہ سلامتی ہوتی رہے۔37:121

ہم اسی طرح محسنوں کوبدلہ دیا کرتے ہیں۔37:122

وہ دونوں ہمارے مومن بندے تھے۔37:123

سورۃ القصص

ترجمہ:موسیٰ نے کہا اَے میرے ربّ میں نے فرعون کی قوم میں سے ایک شخص کوقتل کیا تھا،پس میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھےقتل نہ کردیں(اور تیراپیغام نہ پہنچ سکے)اَور میرابھائی ہارون بات کرنے میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے،پس اس کو میرے ساتھ مددگار کےطور پربھیج۔تاکہ وہ میری تصدیق کرے میں ڈرتاہوں کہ وہ میری تکذیب نہ کریں۔28:35

فرمایاہم تیرے بھائی کےساتھ تیرے بازوکومضبوط کریں گےاَورتم دونوں کے لئےغلبہ کاسامان پیدا کریں گےپس وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے،تم دونوں اور جوتم دونوں کے متبع ہوں گے ہماری آیات کے ذریعہ غالب ہوں گے۔28:36

سورۃ مریم

ترجمہ:اَورہم نے اس (موسیٰ) کواَپنی رحمت سےاس کا بھائی ہارون نبی بنا کر(مددگارکےطورپر)دیا۔19:54

تفسیر کبیر دوسراایڈیشن جلد5 صفحہ:293

قرآن کریم میں دوسری جگہ سورۃ طٰہٰ میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نےاللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی تھی کہ میرے اہل میں سے مددگارعطافرمایاجائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ دُعاسنی اورحضرت ہارون کونبوت پہ فائز کردیامگراس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء کا مقامِ نبوت ایک الگ

رنگ رکھتا ہے مگر ہارون کا مقامِ نبوت اور رنگ رکھتا ہے۔یعنی ہارون! ہم نے موسیٰ کو اپنی رحمت سے عطا کیا تھا گویا وہ نبی تو تھا مگر موسیٰ کا ایک خادم اور مطیع تھا آپ کے ماتحت کام کرنے والا تھا ایک مددگار تھا۔

سورۃ الشعراء

ترجمہ: اَور میرا سینہ تنگی محسوس کرتا ہے اَور میری زبان (اچھی طرح) چلتی نہیں میرے ساتھ ہارون کو بھی مبعوث کر۔26:14

اور ان لوگوں کا میرے خلاف ایک الزام بھی ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل نہ کردیں۔26:15

ہرگز نہیں پس (ہمارا حکم سن) تم دونوں ہماری آیتیں (لے کر) چلے جاؤ۔ہم تمہارے (اَور تمہارے ساتھیوں کے) ساتھ ہوں گے اَور (تمہاری دُعاؤں) کو سنتے رہیں گے۔26:16

سورۃ الاعراف

ترجمہ: اَور ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا۔اَور ان تیس راتوں کو دس اَور ملا کر مکمل کردیا۔اِس طرح اِس کے رَبّ کا مقررہ وعدہ چالیس راتوں کی صورت میں پورا ہوا اَور موسیٰ نے اَپنے بھائی ہارون سے کہا کہ (میرے بعد) میری قوم میں میری نمائندگی کر اور ان کی اصلاح کو مدّنظر رکھ اَور فساد کرنے والوں کا رستہ اختیار نہ کر۔7:143

اَور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ اَور افسوس سے بھرا ہوا لوٹا تو اس نے کہا کہ میرے بعد جو تم نے میری نمائندگی کی وہ بہت بُری تھی، کیا تم نے اَپنے ربّ کے حکم کے معاملہ میں جلدی کی اَور گھبرا گئے کہ موسیٰ اب تک کیوں نہیں آئے، اس وقت موسیٰ نے وحی کی تختیاں زمین پر رکھ دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اسے اپنی طرف گھسیٹنا شروع کیا (اس پر) اس نے کہا، اے میری ماں کے بیٹے! قوم نے مجھے کمزور جانا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کردیتے پس دشمنوں کو مجھ پر ہنسی کا موقع نہ دے اَور مجھے ظالم لوگوں میں شمار نہ کر۔7:151

حاشیہ تفسیر صغیر ص210۔(حضرت موسیٰؑ قوم کے شرک کی وجہ سے غصہ سے بھرے ہوئے تھے اور زیادہ غصہ بھائی پر تھا کہ قوم میں شرک کے ظاہر ہونے پر ان سے لڑ کیوں نہ پڑے۔انہی پر غصہ ظاہر کیا تاکہ باقی قوم ڈر جائے اور اصلاح کرلے۔)

یہ سن کر موسیٰ نے کہا اے میرے ربّ مجھ کو میرے بھائی کو بخش دے اَور ہم دونوں کو اَپنی رحمت میں داخل کردے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا ہے۔7:152

سورۃ طٰہٰ آیت 30-33

ترجمہ: اَور میرے اہل میں سے میرا ایک نائب تجویز کر۔20:30

(یعنی) ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔20:31

اس کے ذریعہ سے میری طاقت کو مضبوط کر۔20:32

اس کو میرے کام میں شریک کر۔20:33

پس جب تو اس عمر کو پہنچا تو (میں نے تجھ سے کہا) تو اور تیرا بھائی میرے نشان لے کر جاؤ اور میرے ذکر میں کوتاہی نہ کرو۔20:43

تم دونوں ہی فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔20:44

اور تم دونوں اس سے نرم نرم کلام کرو، شاید کہ وہ سمجھ جائے یا ہم سے ڈرنے لگے۔20:45

دونوں نے عرض کیا اَے ہمارے رَبّ ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کرے یا ہم پر حد سے زیادہ سختی نہ کرے۔20:46

فرمایا تم دونوں بالکل نہ ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہیں دیکھتا ہوں۔20:47

پس دونوں اس کے پاس جاؤ اور اسے کہو ہم دونوں تیرے ربّ کے رسول ہیں۔پس ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو تکلیفیں مت دے۔ہم تیرے پاس ہمارے ربّ کی طرف سے ایک بڑا نشان لے کر آئے ہیں اور (تجھے بتاتے ہیں کہ) جو (شخص ہماری لائی ہوئی) ہدایت کے پیچھے چلے گا (خُدا کی طرف سے) اس پر سلامتی نازل ہوگی۔20:48

اور ہارون نے موسیٰ کے واپس آنے سے بھی پہلے ان سے کہہ دیا تھا کہ اَے میری قوم تم کو بچھڑے کے ذریعے آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور تمہارا ربّ

رحمٰن خدا ہے پس میری اِتباع کرو اور میرے حکم کو مانو (اور شرک نہ کرو)۔ 20:91

(مگر قوم نے) کہا جب تک موسیٰ ہماری طرف واپس نہ آئے ہم برابر اس کی عبادت میں مشغول رہیں گے۔20:92

جب موسیٰ واپس آئے تو انہوں نے ہارون سے کہا، اَے ہارون! جب تو نے اَپنی قوم کو گمراہ ہوتے دیکھا تو تجھے کس نے منع کیا تھا؟ 20:93 کہ تو میرے نقشِ قدم پر نہ چلے؟ کیا تُو نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟20:94

ہارون نے کہا، اے میری ماں کے بیٹے! نہ میری داڑھی (کے بال) پکڑ نہ میرے سر کے بال پکڑ۔ میں تو اس بات سے ڈر گیا تھا کہ تُو یہ نہ کہے کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا کر دیا ہے اور میری بات کا خیال نہیں رکھا (کہ قوم کی تنظیم قائم رہے)۔20:95

تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد5 صفحہ:456

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارونؑ اس شرک میں شامل نہیں تھے بلکہ انھوں نے حضرت موسیٰؑ کے جانے کے بعد اپنی قوم کو شرک کرنے سے روکا تھا (یعنی بچھڑے کی پوجا سے روکا تھا) لیکن بائبل کہتی ہے کہ حضرت ہارونؑ مشرک تھے۔ تورات میں کچھ اس طرح لکھا ہے۔ "جب حضرت موسیٰؑ نے پہاڑ سے اُترنے میں دیر لگائی۔ تو وہ ہارونؑ کے پاس جمع ہو کر اُس سے کہنے لگے کہ اُٹھ ہمارے لئے دیوتا بنا دے۔ جو ہمارے آگے آگے چلے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰؑ کو جو ملک مصر سے نکال کر لایا، کیا ہو گیا۔ ہارون نے اُن سے کہا۔ تمہاری بیویوں، لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو بالیاں ہیں اُن کو اُتار کر میرے پاس لے آئے اور اُس نے اُن کو اُن کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگے۔ اَے اسرائیل یہی تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو مصر سے نکال کر لایا ہے"۔ (خروج باب 32 آیت 1 تا 4) پھر کہا کہ ہارونؑ نے ایک قربان گاہ بنائی اسے بنی اسرائیل کا معبود بنایا۔ لیکن دیکھا جائے ایک نبی جس سے خدا بولتا ہے وہ مشرک کیسے ہو سکتا ہے وہ ایک بچھڑے کو دیوتا کیسے مان سکتا ہے لہٰذا عقل یہی تسلیم کرتی ہے تورات کی بجائے قرآن سچا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ جب پہاڑ سے واپس آئے تو انتہائی غصے میں تھے انہوں نے اس بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی خاک پانی پر چھڑک کر بنی اسرائیل کو پلوائی۔ پھر موسیٰ نے حکم دیا کہ ہر شخص اَپنے قریبی شخص کو قتل کرے چنانچہ تین ہزار آدمی مارے گئے۔ پھر موسیٰ نے خدا سے درخواست کی کہ ان لوگوں نے بچھڑے کو دیوتا بنا کر گناہ کیا ہے اے خدا ان کا گناہ معاف کر دے ورنہ میرا نام اس کتاب سے مٹا دے مگر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ جس نے میرا گناہ کیا تھے میں اسی کا نام کتاب سے مٹاؤں گا۔ (خروج باب 32 آیت 33

اس فتنہ کو ختم کر کے حضرت موسیٰؑ پھر پہاڑ پر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ:۔ ہارون کو مقدس لباس پہنانا اسے مسح اَور مقدس کرنا تا کہ وہ میرے لئے کاہن کی خدمت انجام دے اس کے بیٹوں کو کرتے پہنانا ان کا بھی باپ کی طرح مسح کرنا تا کہ میرے لئے وہ بھی کاہن کی خدمت انجام دے اَور موسیٰ نے خدا کے حکم کے مطابق سب کچھ کیا۔ (خروج باب 4 آیت 16 تا 13)

بائبل کے حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ جہاں اور لوگوں پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا گیا اور مجرموں کو قتل کی سزائیں دی گئیں وہاں حضرت ہارون علیہ السّلام پر بجائے کسی ناراضگی کا اظہار کرنے کے اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہارون کو مقدس لباس پہنایا جائے اور نہ صرف اس کی عزت افزائی کی جائے بلکہ اس کی تمام اَولاد کو بھی قابلِ اعزاز سمجھا جائے اور عبادت گاہوں کی نگرانی کا کام اُن کے سپرد کیا جائے۔ اب کیا ایک مشرکانہ فعل کا یہی نتیجہ ہوٗا کرتا ہے اور کیا ہارون علیہ السّلام اگر اُسی فعل کے مرتکب ہوتے جس کا بائبل انہیں مرتکب قرار دیتی ہے تو خُدا تعالیٰ کی طرف سے اُن سے یہی سلوک کیا جاتا۔ جب اس شرارت کے تمام سرغنے قتل کر دئے گئے تھے تو حضرت ہارون علیہ السّلام کو کیوں قتل نہ کیا گیا۔ اور جب خُدا نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ "جس نے میرا گناہ کیا ہے مَیں اس کے نام کو اَپنی کتاب میں سے مٹا دوں گا۔" (خروج باب 32 آیت 33) تو اگر حضرت ہارونؑ قصوروار تھے تو اُن کا نام کیوں نہ مٹایا گیا۔ بلکہ بائبل تو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خُدا تعالیٰ نے ہارونؑ پر اظہارِ ناراضگی کرنے کی بجائے اَپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ اور حکم

دیا کہ آئندہ تمام عبادت گاہوں کا انتظام ہارونؑ اور اس کے بیٹوں کے سپرد کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام اور اس کی طرف سے خوشنودی کا اظہار بتا رہا ہے کہ بچھڑا بنانا تو الگ رہا حضرت ہارون اس کے پجاریوں میں سے بھی نہیں تھے۔ بلکہ جیسا کہ قُرآن کریم بتاتا ہے انہوں نے بنی اسرائیل کو شرک سے روکا اور انہیں توحید پر قائم رکھنا چاہا مگر انہوں نے ہارونؑ کی بات ماننے سے انکار کر دیا یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ اس کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا نے بھی حضرت ہارون کے شرک کے واقعہ کو غلط قرار دیتا ہے۔ اور اس سے یہ استدلال کرتا ہے کہ بائبل میں کئی واقعات بعد میں بڑھا دیئے گئے۔

تورات کے مطالعہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے پہاڑ پر جاتے ہوئے بنی اسرائیل سے وقت کی کوئی تعین نہیں کی تھی بلکہ صرف اتنا کہا تھا کہ "جب تک ہم لوٹ کر تمہارے پاس نہ آجائیں تم ہمارے لئے یہیں ٹھہرے رہو۔" (خروج باب 24 آیت 14) "اور پھر وہ پہاڑ پر چالیس دن اور چالیس رات رہا،" (خروج باب 24 آیت 18) لیکن موسیٰؑ کے پہاڑ پر جانے کے بعد جب بنی اسرائیل نے اُن کے آنے میں دیر محسوس کی تو انہوں نے ہارون سے اپنے لئے بچھڑا بنوالیا۔

قُرآنِ کریم اس کے خلاف یہ کہتا ہے کہ موسیٰ تیس راتوں کے وعدہ سے گئے تھے۔ مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اُن پر احسان فرما کر دس راتیں اَور اَپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف عطا فرما دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یعنی ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا مگر پھر ہم نے دس راتیں اور بڑھا کر انہیں تکمیل تک پہنچا دیا۔ اَور یُوں اُس کے ربّ کا چالیس رات کا وعدہ اِس سے پورا ہوا۔

اِن دونوں بیانات میں سے قُرآنی بیان صاف طور پر سچّا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ تبھی تو بنی اسرائیل اُن کی غیر حاضری میں گھبرا گئے۔ ورنہ اگر غیر معیّن وقت ہوتا تو ایک مہینہ کچھ زیادہ وقت نہیں تھا کہ اس عرصہ میں وہ گھبرانے لگ جاتے۔ اُن میں گھبراہٹ اسی لئے پیدا ہوئی کہ موسیٰؑ تیس راتوں کا وعدہ کر گئے تھے مگر تیس راتوں کے گزرنے کے بعد واپس نہیں آئے۔ معلوم نہیں وہ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ سامری نے موسیٰؑ کی اس غیر حاضری سے فائدہ اُٹھایا اَور قوم میں فتنہ کھڑا کر دیا۔ حضرت ہارون علیہ السّلام نے اس موقعہ پر جو یہ کہا کہ یاقوم إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ یعنی اَے میری قوم تمہیں! اِس سے مُراد یہ ہے کہ تمہاری اصل آزمائش کا وقت اب آیا ہے۔ گویا فرعون کے عذاب اِس آزمائش کے مقابل پر بالکل ہیچ تھے کیونکہ وہ آزمائش دشمن کی طرف سے تھی جس میں قدرتاً سب لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب اَندرونی فتنہ کھڑا ہو تو کئی کمزور طبائع ڈانواں ڈول ہو جاتی ہیں۔ پس حضرت ہارون علیہ السّلام اپنی قوم کو توجہ دلاتے ہیں کہ بے شک پہلے بھی تمہارے سامنے مختلف آزمائش آتی رہی ہیں مگر إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ تمہاری آزمائش کا وقت اب آیا ہے۔ اَور اب دُنیا میں ظاہر ہو جائے گا کہ تم میں سے کون سچّے دل سے ایمان لایا تھا اور کون اپنے دعویٰ ایمان میں جھوٹا تھا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ: 456 تا 459)

قُرآنِ کریم وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ شرک دوسرے اسرائیلیوں نے کیا۔ ہارونؑ علیہ السّلام اس الزام سے کُلّی طور پر پاک تھے۔

بلکہ انہوں نے اسرئیلیوں کو شرک سے روکنے کے لئے پوری کوشش کی۔ بائبل اس کے برخلاف ہارونؑ کو جو ایک نبی تھے شرک میں نہ صرف شریک بتاتی ہے بلکہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ اسرائیلیوں کے کہنے پر بلا تردّد انہوں نے بُت بنانے پر رضامندی ظاہر کر دی اور نہ صرف بچھڑا بنایا بلکہ ساری قوم کو اس کی عبادت کی دعوت دی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ بائبل کا بیان ایسا خلافِ عقل ہے کہ کوئی عقل مند اسے ایک منٹ کے لئے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خُدا کا ایک نبی جو خُدا تعالیٰ کا کلام سننے کا عادی تھا وہ ایک بے جان بے اثر بے فائدہ مُورت بنا کر اسے خُدا قرار دیتا ہے اور خود بھی اس کی عبادت کرتا ہے اور دوسروں سے بھی اس کی عبادت کرواتا ہے۔ سوائے پادریوں اور یہودی راہبوں کے جو بائبل کی رطب و یابس تحریرات کو ماننے کے لئے عقل کے کانوں میں سیسہ ڈالے بیٹھے ہیں کون اس غیر معقول بات کو تسلیم کر سکتا ہے؟ بعض لوگ اس واقعہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ دس دِن کے وقفہ کے اندر بچھڑا کیونکر بن گیا؟ ان

کے اس اعتراض سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے وہ بچھڑا دیکھا ہے اور اس کی صنعت انہیں ایسی اعلیٰ معلوم ہوئی ہے کہ اُس کے بنانے کے لئے بڑے بڑے کارخانوں اور کامل الصناعت انجینئروں کی ضرورت تھی۔ سونے کو پگھلا کر مٹی کے ایک سانچے میں ڈال کر اس سے ایک بھدّا سابُت بنا دینا کونسا بڑا کام ہے جس شخص نے وہ بُت بنایا تھا وہ دل سے مشرک تھا اور اس کا دل چاہتا تھا کہ کسی طرح بنی اسرائیل میں پھر شرک جاری ہو جائے۔ پس اس نے گھنٹوں محنت کر کے ایک بھدّا سابُت بنا دیا تو اس میں کیا تعجب ہے؟ ایسے بُت کا بنانا سادہ کڑوں کے بنانے سے زیادہ مشکل نہیں جو چند گھنٹوں میں سُنار تیار کر لیتے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہارونؑ کو یہ فن کہاں سے آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا جواب یہودی یا عیسائی دیں، ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ہارون علیہ السّلام اس مشرکانہ فعل سے بَری تھے۔ اس کا بنانے والا ایک اور شخص سامؔری نام تھا ممکن ہے وہ خود سُنار ہو۔ یا ممکن ہے اُس نے اَپنے ہم خیال سُناروں کی مدد سے بچھڑا بنایا ہو۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 1 صفحہ:429)

بعض لوگ اپنی نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ نبی کسی دوسرے نبی کا مطیع نہیں ہو سکتا وہ صرف مطاع ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ تو دُرست ہے کہ نبی مطاع ہوتا ہے۔ مگر ان لوگوں کا جن کی طرف وہ مبعوث کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اَور کسی کا مطیع نہیں ہوتا۔ اس طرح تو کہنا پڑے گا کہ نعوذ باللہ نبی خُدا تعالیٰ کا بھی مطیع نہیں ہو سکتا۔ حضرت ہارونؑ اپنی قوم کے تو مطاع تھے لیکن حضرت موسیٰؑ کے مطیع تھے اِسی طرح وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے صرف اِس خیال سے ان لوگوں پر زیادہ سختی نہیں کی کہ کہیں آپ مجھے یہ الزام نہ دیں کہ مَیں نے آپ کے حکم کا اِنتظار نہ کیا اَور بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا کر دیا۔ گویا وہ ہر اہم بات میں اُن کے حکم کے منتظر رہتے تھے اور اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کہیں موسیٰؑ کی اطاعت میں کوئی فرق نہ آجائے۔ یہ بات بتاتی ہے کہ عوام الناس کا یہ خیال کہ نبی کسی دوسرے نبی کا مطیع دوسرے نبی کا مطیع نہیں ہوتا قرآنِ کریم کی رُو سے بالکل غلط ہے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:460)

☆☆.......☆☆☆.........☆☆

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انسان کی زبان کو آزاد نہیں چھوڑا اس پر بہت سی پابندیاں عائد کی ہیں اور ایک مومن کا فرض قرار دیا ہے کہ وہ صرف سچ ہی بولنے والا نہ ہو، صرف قولِ سدید کا ہی پابند نہ ہو بلکہ احسن قول کی پابندی کرنے والا ہو حکمت یہ بیان کی کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو شیطان تمہارے درمیان فساد ڈال دے گا۔ انسان کی زبان کا اعمال صالحہ میں سے ہر عمل کے ساتھ تعلق پیدا ہو سکتا ہے اور ہر عمل کو انسان کی زبان ضائع بھی کر سکتی ہے اس لئے انسان کی زبان کو، اس کے قول کو، اس کے اظہار کو اسلام نے بڑی اہمیت دی ہے اور اسے اس طرف متوجہ کیا ہے کہ اگر تم اپنی زبان سنبھال کر نہیں رکھو گے تو اللہ تعالیٰ کے غضب کے مورد بن جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی بجائے شیطان کے مقرب ٹھہرو گے حضرت مسیح موعودؑ نے اسی اصولی تعلیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

دو عضو اپنے جو کوئی ڈر کر بچائے گا
سیدھا خدا کے فضل سے جنت میں جائے گا
وہ اِک زباں ہے عضوِ نہانی ہے دوسرا
یہ ہے حدیث سیّدنا سیدالوریٰ

(خطبات ناصر جلد دوم صفحہ:113-112)

حضرت داؤد علیہ السلام

سورۃ البقرہ

ترجمہ: اَور جب وہ جالوت اَور اسکی قوم کے مقابلہ کے لئے نکلے تو اُنہوں نے کہا کہ اَے ہمارے ربّ! ہم پر قوت برداشت نازل کر اور ہمارے قدموں کو ثبات بخش اور کفار کے خلاف ہماری تائید اور نصرت فرما۔ 2:251

پھر (وہ جنگ میں کود پڑے) اور انہوں نے اللہ کے ارادے کے مطابق انھیں شکست (دے) دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اور اللہ نے اسے حکومت اور حکمت بخشی اور جو کچھ اُسے (یعنی اللہ کو) منظور تھا اس کا علم اُسے (یعنی داؤد کو) عطا کیا۔ اَور اگر اللہ انسانوں کو (شرارت سے) نہ ہٹائے رکھتا یعنی بعض (انسانوں) کو بعض کے ذریعے سے (نہ روکتا) تو زمین تہ و بالا ہو جاتی۔ لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے (اس لئے فساد کو روک دیتا ہے)۔ 2:252

سورۃ الانبیآء

اور (یاد کر) داؤد کو بھی اور سلیمان کو بھی جبکہ وہ دونوں ایک کھیتی کے جھگڑے میں فیصلہ کر رہے تھے۔ اس وقت جبکہ ایک قوم کے عامی لوگ اسکو کھا گئے تھے (یعنی تباہ کر گئے تھے) اَور ہم ان کے فیصلہ کے گواہ تھے۔ 21:79

ہم نے اصل معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ اَور سب کو ہی ہم نے حکم اور علم عطا فرمایا تھا اور ہم نے داؤد کے ساتھ اہلِ جبال کو بھی اور پرندوں کو بھی لگا دیا تھا وہ سب خُدا کی تسبیح کرتے تھے اَور ہم یہ سب کچھ کرنے پر قادر تھے۔ 21:80

اور ہم نے اس کو ایک لباس کا بنانا سکھایا تھا۔ تاکہ وہ تمہاری جان لڑائی میں بچائے۔ پس کیا تم شکر گزار بنو گے؟ 21:81

سورۃ بنی اسرائیل آیت 56

ترجمہ: اَور جو (وجود بھی) آسمانوں اَور زمین میں (بسنے والے) ہیں انھیں تمہارا ربّ (سب سے) زیادہ جانتا ہے اَور ہم نے یقیناً انبیاء میں سے بعض کو بعض (دوسرے انبیاء) پر فضیلت دی ہے اَور داؤد کو بھی ہم نے زبور دی تھی۔ 17:56

سورۃ صٓ

جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر تو صبر سے کام لے اَور ہمارے بندے داؤد کو یاد کر جو بڑی طاقت کا مالک تھا یقیناً وہ بار بار خُدا کی طرف جھکتا تھا، 38:18

ہم نے پہاڑ کے رہنے والوں کو اس کے تابع کر دیا تھا اور وہ صبح وشام تسبیح کرنے میں لگے رہتے تھے۔ 38:19

اور بلند پرواز لوگوں کو بھی جمع کر کے اس کے ساتھ لگا دیا تھا وہ سب کے سب خدا کی طرف جھکنے والے تھے۔ 38:20

اور ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط کیا تھا اور اس کو حکمت اور قاطع دلیل بخشی تھی۔ 38:21

اور کیا تمہیں اُن دشمنوں کی خبر معلوم ہے جبکہ وہ دیوار پھاند کر اندر آ گئے تھے۔ 38:22

جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گیا۔ انھوں نے کہا ڈر نہیں (ہم دونوں) دو جھگڑنے والے فریق ہیں ہم میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کر رہا ہے پس تو ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دے اور ظلم نہ کی جیؤ اَور ہماری سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر۔ 38:23

یہ میرا بھائی ہے اس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میری صرف ایک دنبی ہے۔ اَور پھر بھی وہ کہتا ہے کہ اپنی دنبی مجھے دے دے۔ اور وہ بحث میں مجھے دباتا جاتا ہے۔ 28:24

اس پر (داؤد نے) کہا۔ تیری دنبی طلب کرنے میں اس نے ظلم سے کام لیا ہے اور بہت سے شرکاء ایسے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں سوائے مومنوں کے اور اُن کے جو ایمان کے مطابق عمل کرتے ہیں اَور وہ لوگ تھوڑے ہیں۔ اَور داؤد کو یقین ہو گیا کہ ہم نے اُسے آزمائش میں ڈالا

ہے۔(یعنی دشمنوں کے سر اُٹھانے کی وجہ سے) پس اُس نے اَپنے رَبّ سے استغفار کرنا شروع کیا اُور اطاعت ظاہر کرتے ہوئے زمین پر گر گیا اور (خدا کی طرف) متوجہ ہو گیا۔38:25

تب ہم نے اس کی ان سب کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا، کیونکہ حقیقۃً داؤد ہمارا مقرب تھا اور اسے ہمارے پاس اچھا ٹھکانہ ملے گا۔38:26

(پھر ہم نے اسے کہا) اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکم کر اُور اَپنی خواہش کی پیروی مت کر۔وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔وہ لوگ جو اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ان کو سخت عذاب ملتا ہے کیونکہ وہ حساب کے دن کو بھلا بیٹھتے ہیں۔38:27

اور ہم نے داؤد کو سلیمان بخشا اور وہ بہت ہی اچھا بندہ تھا اور وہ خُدا کی طرف بہت ہی جھکنے والا تھا۔38:31

سورۃ سبا

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضل عطا کیا تھا (اور کہا تھا کہ) اَے پہاڑوں کے رہنے والوں! اُور اے پرندوں تم اس کے ساتھ خُدا کی تسبیح کرو ہم نے اسکے لئے لوہے کو نرم کر دیا ہے۔34:11

(اور کہا تھا کہ) پورے سائز کی زرہیں بناؤ۔اُور ان کے حلقے چھوٹے بنانا اور (اے داؤد کے ساتھیوں) اَپنے ایمان کے مطابق عمل کرو اُور میں تمہارے عمل دیکھ رہا ہوں۔34:12

سورۃ نمل

ترجمہ: اُور ہم نے داؤد اُور سلیمان کو علم عطا کیا اُور دونوں کو کہا اللہ ہی سب تعریف کا مالک ہے جس نے ہم کو اَپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی ہے۔27:16

ترجمہ: اُور سلیمان داؤد کا وارث بنا اور اس نے کہا اے لوگو۔ہمیں پرندوں کی زبان سکھائی گئی ہے اُور ہر ضروری چیز (یعنی تعلیم) ہم کو دی گئی ہے اُور یہ کھلا کھلا فضل ہے۔27:17

تشریح تفسیر صغیر سے

حاشیہ :اس آیت سے پہلی والی آیت میں جدعون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت داؤد کا واقعہ جدعون کے واقعہ سے بہت ملتا ہے۔جدعون کے وقت میں فلسطینیوں نے اسرائیل کو فلسطین سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔لیکن وہ ابتدائی کوشش تھی جو حضرت داؤد علیہ السلام کے وقت میں آ کر ختم ہوئی۔ پس مشابہت کی وجہ سے دونوں مضمون کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے۔حالانکہ دونوں واقعات میں دو سو سال کا فاصلہ ہے۔

اب ایک سوال حل طلب رَہ جاتا ہے اُور وہ یہ ہے کہ بائبل کی رو سے داؤد نے جالوت کو قتل کیا تھا لیکن قرآن کریم نے جدعون کے واقعہ میں بھی جالوت کا ذکر کیا ہے اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ جالوت بھی ایک صفاتی نام ہے۔عبرانی۔اُور عربی کے لحاظ سے۔جالوت ایسے شخص کو کہتے ہیں جو ملک میں فساد کرتا پھرے۔یعنی ڈاکے مارتا پھرے اور منظّم حکومتوں کے خلاف اُٹھنے والے اسی طرح کام کیا کرتے ہیں۔پس ناموں کے لحاظ سے جدعون اور داؤد کے دشمن کو جالوت کہا گیا ہے۔اُور دونوں جگہ یہ نام صفاتی طور پر استعمال ہوا ہے۔جدعون کا دشمن بھی ایک آوارہ گرد ڈاکو تھا جو ملک میں فساد کرتا پھرتا تھا۔اور جالوت کہلا سکتا تھا۔اسی طرح داؤد علیہ السلام نے ملک میں امن قائم کرنے کے لئے جس دشمن کا مقابلہ کیا وہ بھی ایک آوارہ گرد فسادی تھا اُور جالوت کہلانے کا مستحق تھا۔پس دونوں دشمنوں کو جالوت کہا گیا۔(حاشیہ تفسیر صغیر صفحہ: 65)

تشریح تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد دوئم صفحہ 565 تا 570

حضور نے تفسیر کبیر میں آیات 564۔اور 565 کو بائبل اور قرآن کی رُو سے واضح کیا ہے۔

ان آیت سے پہلی والی آیت میں طالوت کا ذکر ہے اس لئے عیسائی بھی یہ اعتراض کرتے ہیں قرآن نے دو مختلف زمانوں کو اکٹھا بیان کیا ہے۔پرانے مفسرین کا خیال ہے کہ اس کا مصداق ساول ہے جو ایک بادشاہ تھا جیسے سموائیل نبی کی طرف مقرر کیا گیا تھا۔اُور جالوت اس کے دشمنوں میں سے

تھا۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بائبل میں ساول کے قدوقامت کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے ۔اَور لکھا ہے کہ ۔"بنی اسرائیل کے درمیان اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا"''اور ایسا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے."(سموایل باب 9 آیات 2)

اور یہ بھی ذکر آتا ہے کہ وہ اَدنیٰ قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔(سموایل باب 9 آیت 21)

مگر بائبل سے ہی یہ ثابت ہے کہ اللہ اس سے ناراض ہوا اَوراس نے بنی اسرائیل سے بادشاہت چھین لی۔(سموایل باب 15 آیت 25)

ساول نے فلسطینیوں سے شکست کھائی اَوراس نے اس کے تین بیٹوں کو مار ڈالا اَور خود بھی خودکشی کر کے مرگیا۔(سموئیل باب 31۔آیت 1 تا 5)

لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ فرشتے اس کی مدد کرتے تھے اور اسے فتح پر فتح حاصل ہوتی تھی۔پس قرآن کے مطابق یہ ساول نہ تھا۔

مفسرین اپنی نادانی میں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے علیحدہ علیحدہ زمانوں کو ملاکر بیان کر دیا ہے اور وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ داؤد اَور جالوت اَور طالوت کا ایک ہی زمانہ ثابت کریں۔ساول پر اس لئے وہ چسپاں کرتے ہیں کہ وہ لمبے قد کا تھا اور دشمن کے ایک بڑے پہلوان کا نام جاتی جولیت (یعنی جالوت) تھا۔(سموایل باب 17 آیت 4)

ان واقعات پر یقین کرنے سے پہلے قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات پر غور کرنا ضروری ہے۔قرآن کریم میں اس واقعہ میں پہلی بات یہ بیان کی ہے کہ:

1۔(اَخرجنا من دیارنا وابناء نا) ہم اپنے گھروں اور بیٹوں سے علیحدہ کئے گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوم جسکا یہاں ذکر ہے وہ اَپنے گھروں سے نکالی گئی۔

2۔ایسا بادشاہ مقرر کیا گیا جو اعلیٰ نسل نہ تھا۔۔3۔۔ایسا شخص تھا جس کی مدد خدا کرتا تھا۔

4۔ایک نہر کے ذریعے اس کی آزمائش ہوئی تھی۔۵۔اس کی تعداد میں اَور دشمنوں کی تعداد میں بڑا فرق تھا۔

6۔اس کی فوج دشمن کی فوج سے کم تھی اَور وہ دشمن پر غالب رہا۔ان میں کچھ باتیں ساول کے واقعات سے مشابہہ ضرور ہیں لیکن اس میں سے بعض باتیں ایسی ضروری ہیں جو کہ ساول کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب ہوتیں ہیں مثلاً:

1۔اس میں (مِن بعد موسیٰ) کے الفاظ آتے ہیں اور اس میں کسی اَیسے زمانے کا ذکر ہے جس سے بنی اسرئیل کی تاریخ شروع ہوتی ہے اگر یہاں حضرت داؤد کو لیا جائے تو اُن کا تعلق تو بنی اسرائیل سے ہی تھا اس لئے ان الفاظ کی ضرورت نہ تھی۔

2۔تحمِلُہُ المَلٰئِکَۃُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اسے ہمیشہ فتح حاصل ہوتی تھی۔مگر ساول کو تو شکست بھی ہوئی اور اس کا انجام نہایت عبرتناک ہوا۔

3۔اس جگہ مبتلیکم بنھریعنی کہ اس کی آزمائش ایک نہر کے ذریعے کی گئی۔مگر بائبل میں ساول کے ذکر میں نہر کی آزمائش کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔بائبل میں ایک قوم کی آزمائش کا ذکر ملتا ہے جن کو جنگ سے پہلے کہا گیا تھا کہ اس نہر سے پانی نہ پیؤ۔کچھ نے پانی پیا اَور وہ پیچھے رہ گئے اَور نہ پینے والوں نے فتح پائی۔

عیسائی اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جدعون کا واقعہ ہے اور قرآن جدعون اور داؤد کا اکٹھا ذکر کرتا ہے حالانکہ دونوں میں دوسوسال کا فرق ہے۔لیکن قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔اگر یہ زمانہ ایک ہی ہوتا تو اس فرق کی بناء پر کیا داؤد جالوت کو قتل کرسکتا تھا؟۔

جدعون کا واقعہ جو بائبل نے بیان کیا ہے اور قرآن کے بیان کردہ واقعہ میں صرف اس قدر فرق ہے کہ بائبل نے یہ نہیں بتایا کہ اسے کسی نبی نے مقرر کیا تھا بلکہ اس میں صرف اتنا لکھا ہے کہ خداتعالیٰ نے بنی اسرائیل کے پاس ایک نبی بھیجا جس نے اسے کہا کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ ''تم ان اموریوں اور دیوتاؤں سے جس کے ملک میں تم بستے ہو مت ڈرو پھر تم نے میری بات نہ مانی۔(قضاباب 6 آیت 10)

اَور پھر بیان کیا کہ جدعون کو خداتعالیٰ کا فرشتہ دکھائی دیا اور اس نے کہا کہ ''اُٹھ اور مدیانیوں کے ہاتھ سے بنی اسرائیل کو چھڑا۔(قضا باب ٦ آیت ١٥)

کئی اور اس قسم کے واقعات ہیں جو کہ بائبل کے قرآن سے مشابہہ ہیں

۔حضرت موسیٰ کی وفات کا زمانہ 1451 قبل مسیح ہے اور جدعون کا واقعہ موسیٰ کی وفات کے بعد 1266 قبل مسیح ہے۔دونوں میں 200 سال کا فرق ہے۔

بائبل 1257 قبل مسیح کے متعلق لکھتا ہے کہ

''بنی اسرائیل نے خداوند کے آگے بدی کی تب خداوند نے انہیں سات سال تک مدیانیوں کے قبضہ میں کر دیا اور مدیانیوں کا ہاتھ بنی اسرائیل پر قوی ہوا۔اور مدیانیوں کے سبب بنی اسرائیل نے اپنے لئے پہاڑوں میں کھوہ اور غار میں مضبوط مکان بنائے'' (قاضیوں باب 6 آیت 1-2)

یہ واقعہ ہو بہو قرآن کے ان الفاظ سے ملتا ہے کہ ''ہم اپنے گھروں اور بیٹوں سے علیحدہ کئے گئے''

بائبل میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل مدیانیوں کے سبب خداوند سے فریاد کرنے لگے۔تو خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے پاس ایک نبی بھیجا۔جس نے کہا کہ میں تمہیں غلاموں کے گھروں سے نکال لایا۔اور میں نے مصریوں کے ہاتھوں سے اور اُن سب کے ہاتھ سے جو تمہیں ستاتے تھے چھڑایا۔اور ان کا ملک تم کو دیا۔اور تم کو کہا کہ خداوند تمہارا خدا میں ہوں۔(قاضیوں باب 6 آیت 6 تا 10)

اس حوالے میں ایک نبی کا ذکر ہے نہ کہ کسی بادشاہ کا قرآن میں جنود کا لفظ آیا ہے اور بائبل بھی بتاتی ہے کہ وہاں مدیانی۔عمالیقی اور مشرقی تین قومیں موجود تھیں۔

''تب خداوند نے جدعون کو فرمایا کہ لوگ ہنوز زیادہ ہیں سو انہیں پانی کے پاس نیچے لا کہ وہاں تیری خاطر انہیں آزماؤں گا'' (قضاباب 7 آیت 4)

سو وہ ان کے پاس نیچے لایا اور خداوند نے جدعون کو فرمایا کہ جو شخص پانی چپڑ چپڑ (تیز۔تیز ناقل) کتے کی مانند پیوے تو ہر ایک ایسے کو علیحدہ رکھ۔اور ہر ایک ایسے کو بھی جو اپنے گھٹنوں پر پیوے۔سو جنہوں نے اپنا ہاتھ منہ کے پاس لا کر چپڑ چپڑ پیا وہ گنتی میں 300 مرد تھے۔اور ان 300 کے ذریعے تجھے رہائی بخشوں گا اور مدیانیوں کو تمہارے ہاتھ میں دوں گا۔(قضاباب 7 آیت 4 تا 8)

آخر میں مدیانیوں سے نجات پانے کا ذکر ہے کہ وہ ان تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر لڑا اور فتح حاصل کی یہ واقعہ حرف بحرف قرآن سے ملتا ہے اور اس کی بخاری کی آیت سے بھی تائید ہوتی ہے۔براء بن عازب بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ " یعنی محمد کے اصحاب ایک دوسرے سے باتیں کیا کرتے تھے کہ بدر والوں کی تعداد طالوت کے ساتھیوں کی تعداد کے مطابق تھی جو اس نہر سے گزر رہے تھے اور انکے ساتھ تین سو دس سے کچھ اُوپر آدمی تھے۔(بخاری کتاب المغازی باب عدۃ اصحاب بدر)

اب فرق اتنا ہے کہ بائبل میں جدعون کا لفظ ہے اور قرآن میں طالوت کا۔اس فرق کو ان کے معنی سے لیا جائے گا۔عربی میں جو معنی جدعون کے ہیں وہی طالوت کے ہیں۔جدعون کے معنی عربی میں کاٹ کر نیچے گرا دینے کے ہیں۔یا تراشے یا کلہاڑے سے کاٹ کر نیچے گرا دینے کے ہیں پس جدعون اَیسے شخص کو کہتے ہیں جو اَپنے مخالف کو کاٹ ڈالتا ہے اور نیچے گرا دیتا ہے۔بائبل میں جدعون کو زبردست سورما اور بہادر پہلوان کے نام سے پُکارا گیا ہے۔(قضاباب 6 آیت 11)

طالوت جو جدعون کا صفاتی نام ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کیونکہ طال کے معنی دوسروں سے بلند اور بڑائی والا ہو جائے۔طالوت کے معنی ہے کہ پہلے وہ معمولی اور اَدنی درجے کا آدمی تھا مگر پھر بڑا ہو گیا اور اللہ نے اس کو اُونچا کر دیا اس قسم کے صفاتی نام قرآن میں اَور جگہ بھی استعمال ہوئے ہیں۔جیسا کہ عبداللہ۔محمدؐ کا صفاتی نام ہے اس طرح طالوت بھی جدعون کا صفاتی نام ہے۔

جالوت کے لفظ کی اگر تحقیق کی جائے تو جالوت بھی ایک صفاتی نام ہے جو کسی شخص کا نہیں بلکہ ایک گروہ کا ہے جسکا کام ملک میں فساد کرنا ہے اور ڈاکے ڈالنا ہے انگریزی میں جالوے کو گولیتھ کہتے ہیں جسکا معنی ہے تباہی اور بربادی ڈھانے اور لوٹ مار مچانے والیں روحیں جو اِدھر اُدھر دوڑتی پھرتی ہیں جو ہر طرف قتل و غارت اور تباہی کا بازار گرم کرنے والی ہیں۔

اس کے بعد یہ داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔جدعون کے واقعہ کے ساتھ اس کو بیان کرنا صرف مشابہت کی وجہ ہے ویسے دونوں کے واقعات میں دو سو سال کا فرق ہے۔بائبل میں ہے کہ داؤد نے جالوت کو قتل کیا لیکن قرآن

نے جدعون کے واقعہ میں بھی جالوت کا ذکر کیا ہے۔
جدعون اَور حضرت داؤد کے دشمن کو صفاتی لحاظ سے جالوت کا نام دیا گیا ہے کیونکہ جالوت سے مراد ایسا گروہ جو فساد کرتا ہے۔لیکن جدعون کے دشمن کو صرف شکست ہوئی تھی لیکن حضرت داؤد نے اَپنے دشمن کو مکمل تباہ کیا۔
تاریخ سے ثابت ہے کہ جدعون نے 1256 قبل مسیح میں مخالفوں کو شکست دی اور 1161 قبل مسیح تک اس کی اور اس کے بیٹے کی حکومت رہی۔اور اس کے بعد 1050 قبل مسیح میں داؤد کے ذریعے قبضہ ہوا۔غرض دونوں کے واقعات کو ملا کر بیان کرنے کا مقصد یہی تھا کہ جدعون پہلا شخص تھا جس نے بنی اسرائیل کے دشمن کا مقابلہ کیا اور یہود میں قومیت کی رُوح پھونکی اور داؤد آخری شخص تھے جن کے ہاتھوں دشمن کی کلی تباہی ہوئی ،غرض جدعون پہلا نقطہ ہے اَور داؤد آخری نقطہ۔

<u>تشریح تفسیر صغیر سے صفحہ 599</u>

مفسر کہتے ہیں حضرت داؤد کی ننانوے بیویاں تھیں۔ایک جرنیل کی بیوی آپ کو پسند آ گئی۔اُنہوں نے جرنیل کو خطرناک مقام پر بھجوا دیا تا مارا جائے۔پھر اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا۔اللہ تعالیٰ نے سبق دینے کے لئے فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے نعوذ باللہ یہ دُنبیوں والا جھوٹ بنایا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت داؤد کی بادشاہت لمبی ہوگئی تو اُن کے دشمنوں نے سر اُٹھانا شروع کیا۔اور اُن کے دشمن گھر میں کود کر آ گئے۔اَور جب حضرت داؤد کو چوکس پایا تو ڈر گئے ایک آواز پر باڈی گارڈ جمع ہو جائیں گے اور گھبراہٹ میں یہ قصہ گھڑ کر سنایا جس کی تعبیر درحقیقت یہ تھی کہ انہوں نے حضرت داؤد پر یہ الزام لگایا تھا کہ تم طاقتور ہو کر اِردگرد کے غریب قبائل کو کھاتے جاتے ہو حالانکہ وہ تعداد میں تھوڑے ہیں اَور تم زیادہ ہو۔لیکن یہ بات غلط تھی حضرت داؤد کا ملک بہت چھوٹا تھا اور ان کے اِردگرد کے غریب قبائل عراق تک پھیلے ہوئے تھے جن کی تعداد حضرت داؤد کے قبیلہ کی تعداد سے سینکڑوں گُنے زیادہ تھی۔

<u>تشریح تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد پنجم صفحہ 538 اور 539</u>

سورۃ الانبیاء آیت 79 کی وضاحت کرتے ہوئے حضور حضرت سلیمان اور داؤد کا طریقہ انصاف واضح کرتے ہیں۔
بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کسی کی کھیتی بکریاں چر گئیں تھیں۔حضرت داؤد نے بکریاں کھیتی والے کو دلا دیں لیکن حضرت سلیمان نے کہا نہیں بکریوں والا پانی دے۔اَور جب کھیتی ہری ہو جائے تو اَپنی بکریاں واپس لے لے۔حضور فرماتے میرے نزدیک یہ ہے کہ جب بھی کسی نبی کی قوم عزت پاتی ہے تو داؤد اَور حضرت سلیمان کے زمانہ کی طرح اُن کی قوم کے حریص لوگ نظام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اَور چارپایہ مزاج لوگ دین کی کھیتی کو چرنے لگ جاتے ہیں۔خُدا فرماتا ہے اس کا علاج ہم نے سلیمان کو سکھا دیا تھا جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل کی ہمسایہ قومیں جو چھاپے مار کر اُن کی حکومت کو برباد کرنا چاہتی تھی اُن کے حملوں سے اُس نے اَپنی مملکت کو بچا لیا اور نظام کی حفاظت کی۔سلیمان اَور داؤد دونوں کو بادشاہت بھی ملی تھی اَور علم بھی ملا تھا۔مگر اس بارہ میں سلیمانؑ کو خدا نے یہ فہم عطا کیا تھا وہ نرمی کا سلوک کرتے تھے۔اَور زیادہ تر معاہدات سے کام لیا اَور اس طرح تمام ہمسائیوں سے اَپنی مملکت کو بچا لیا۔لیکن داؤد جنگی آدمی تھے۔اُنہوں نے ظالموں اَور مفسدوں کو بہت سخت سزائیں دی تھیں۔بلکہ بعض جگہ اُن کے دوتہائی مرد قتل کر دئے تھے۔لیکن دونوں ہی معاملہ فہم اَور قابل انسان تھے۔

<u>تشریح تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ 539</u>

سورۃ الانبیاء آیات 80 کا مفہوم مفسرین ہو بہو انہی الفاظ کو لیتے ہوئے یہ کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اَور حضرت سلیمان کے قبضہ میں پہاڑ اَور جن تھے اَور یہ سب حضرت داؤد کے ساتھ مل کر ذکرِ الٰہی کرتے۔یعنی کہ جب آپ سبحان اللہ کہتے تو پہاڑ۔جن۔پرندے۔حیوانات بھی سب سبحان اللہ کہنے لگ جاتے۔بعض مفسرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت داؤد جہاں بھی جاتے پہاڑ آپ کے ساتھ چل پڑتے۔حضورؓ فرماتے ہیں یہ من گھڑت واقعات اس لئے ہیں کہ ان کی تشبیہات اَور استعارے کو نہیں سمجھا گیا۔ان آیات کی تشبیہات کو سمجھنے کے لئے ہماری دوسری آیات بھی مدد کرتی ہیں۔
جیسے کہ سورہ الجاثیہ کی آیات 13 اور 14 میں خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی

اُمّت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔
ترجمہ: اَے محمدﷺ پر ایمان لانے والے مومنوں اَور اَے کافروں اور اَے منافقوں۔ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے سمندر مسخر کر دیے ہیں جن میں کشتیاں اُس کے حکم سے چلتی ہیں۔تا کہ تم خدا کا فضل تلاش کرو۔اَور صرف سمندر ہی نہیں آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ بھی تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے اس میں غور فکر کرنے والوں کے لئے بڑے نشانات ہیں۔
اسی طرح سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر 2 میں ہے
جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب تسبیح کر رہے ہیں۔
اگر ان کے معنی کو بالکل اسی طرح لیا جائے تو کیا جو کچھ زمین اور آسمان میں موجود ہے۔آنحضرتﷺ اور اُن کی اُمّت کے لئے تسبیح کر رہا ہے۔مثلاً، روٹی کھاتے ہوئے یا چائے پیتے ہوئے اگر تمہارے ہونٹ تسبیح کرتے ہیں تو کیا روٹی اَور چائے کی پیالی بھی تسبیح کر رہی ہوتی ہے۔یا اگر بستر پر لیٹتے ہوئے سبحان اللہ کرتے ہو تو کیا بستر بھی سبحان اللہ کرتا ہے۔حضور اس آیت کے معنی لغت کے لحاظ سے کرتے ہوئے یہ واضح کرتے ہیں۔
''جبل'' کے معنی لغت میں سید القوم کے ہیں۔حضرت داؤد کے لئے جبال مسخر کر دینے کا مطلب یہ تھا کہ حضرت داؤد یہود کے وہ پہلے بادشاہ تھے جنہوں نے اردگرد کے قبائل پر فتح پائی اَور وہ ان کے ماتحت ہو گئے۔حضرت داؤد سے پہلے کوئی ایسا بادشاہ نہ تھا جس نے اَپنی قوم کے علاوہ دوسری اقوام پر بھی حکومت کی ہو۔حضرت داؤد پہلے بادشاہ تھے جن کے اردگرد کے حکمران اُن کے مطیع ہو گئے تھے۔اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ قرآن میں یُسَبِّحْنَ کا لفظ آیا ہے تو تم اس کے معنی مطیع کے کس طرح کرتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جبال چونکہ مونث ہے اس لئے یُسَبِّحْنَ کا لفظ آیا ہے۔اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ قومیں آپ کی مطیع ہو گئی تھیں اَور پھر اقوام کا لفظ بھی عربی میں مونث ہے کیونکہ وہ جمع ہے اَور جمع مونث ہوتی ہے۔
اب ہم طیر کے متعلق قرآن کی تعلیم سے مدد لیتے ہیں کہ کیا اس کے معنی ایسے ہی ہیں کہ پہاڑوں کے ساتھ ساتھ پرندے بھی ذکر الٰہی کیا کرتے تھے یا کہ یہ بھی تشبیہ ہے اس کے لئے قرآن کی کئی آیات سے مدد ملتی ہے جس میں واضح ہے کہ طیر کا معنے یہ ہے کہ اِنسان کے وہ اعمال صالحہ ہیں جن کو وہ ترقی دیتے ہوئے مومنین کا درجہ پاتا ہے۔اَور سفلی زندگی کے بجائے علوی زندگی اختیار کرتا ہے اَور نیچے جھکنے کی بجائے اُوپر کی طرف اُڑتا ہے۔اعلیٰ درجہ کی روحیں ہیں جو وسعتِ حوصلہ اَپنے اَندر رکھتیں ہیں اَور دین کے لئے ہر قسم کی بلندیوں پر چڑھنے کے لئے تیار رہتیں ہیں۔
اب قرآن کی وہ آیات جس میں طیر کا مطلب کن معنوں میں لیا گیا ہے۔
سورۃ انعام آیت 39 میں ہے ترجمہ: زمین پر چلنے والے جانور اَور پرندے سب تمہاری طرح قومیں اَور گروہ ہیں۔
سورہ نور کی آیت نمبر 42 میں ہے۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وہ تمام ذی العقول کرتے ہیں جو آسمانوں اَور زمین میں ہیں وہ طیر بھی جو صفیں باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور ان گروہوں میں سے ہر ایک کو نماز اور تسبیح کا طریق معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال سے واقف ہے۔
نوٹ: کیا کبھی ایسے طیر دیکھے گئے ہیں جو صفیں باندھ کر نمازیں پڑھتے ہیں وہ تو صرف مسلمان ہی ہیں۔یعنی کے پرندے کا مطلب نیک لوگ ہیں۔

نبی کریمﷺ اپنی دُعاؤں میں یہ دُعا مانگا کرتے تھے کہ
یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ
اَے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اَپنے دین پر جما دے اَور مضبوط کر دے۔صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپؐ بھی یہ دُعا کرتے ہیں حالانکہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں (اور ہمیں ہدایت دینے والے) فرمایا ہاں! دل تو رحمان خُدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے وہ جیسے چاہے اس کو پھیر دے۔
(ترمذی)(اسوۂ انسانِ کامل صفحہ:64)

حضرت سلیمان علیہ السلام

سورۃ النّمل

ترجمہ: اَور ہم نے داؤد اَور سلیمان کو علم عطا کیا اَور دونوں نے کہا، اللہ ہی سب تعریف کا مالک ہے جس نے ہم کو اَپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی ہے۔ 27:16

اَور سلیمان داؤد کا وارث بنا اور اس نے کہا اَے لوگو! ہمیں پرندوں کی زبان سکھائی گئی ہے اَور ہر ضروری چیز (یعنی تعلیم) ہم کو دی گئی ہے یہ کھلا کھلا فضل ہے۔ 27:17

اَور (ایک دفعہ) سلیمان کے سامنے جنوں اَور انسانوں اَور پرندوں میں سے اس کے لشکر ترتیب وارا کھٹے کئے گئے (پھران کو کوچ کا حکم ملا)۔ 27:18

یہاں تک کہ جب وہ وادیٔ نملہ میں پہنچے تو نملہ قوم میں سے ایک شخص نے کہا ،اَے نملہ قوم اَپنے اَپنے گھروں میں چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اَور اس کے لشکر (تمہارے حالات کو) نہ جانتے ہوئے تمہیں پیروں کے نیچے مسل دیں۔ 27:19

پس سلیمان اس کی بات سن کر ہنس پڑا اَور کہا، اَے میرے ربّ! مجھے توفیق دے کہ تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر اَور میرے والدین پر کی ہے شکریہ ادا کر سکوں اَور اَیسا مناسب عمل کروں جسے تُو پسند فرمائے اَور (اے خُدا) اَپنے رحم کے ساتھ تو مجھے اَپنے بزرگ بندوں میں داخل کر۔ 27:20

اَور اس نے سب پرندوں کی حاضری لی۔ پھر کہا مجھے کیا ہوا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا یا وہ (جان بوجھ) کر غیر حاضر ہے۔ 27:21

مَیں اُس کو یقیناً سخت سزا دوں گا، یا اُسے قتل کر دوں گا۔ یا میرے سامنے کوئی کُھلی دلیل (اپنی غیر حاضری کی) پیش کرے گا۔ 27:22

ترجمہ: پس کچھ دیر ٹھہرا (اتنے میں ہُدہُد حاضر ہُوا) اَور اُس نے کہا کہ مَیں نے اس چیز کا علم حاصل کیا ہے جو تجھے حاصل نہیں اَور مَیں سبا (کی قوم کے علاقہ) سے تیرے پاس (آیا ہوں اور) ایک یقینی خبر لایا ہوں 27:23

(جو یہ ہے کہ) مَیں نے (وہاں) ایک عورت کو دیکھا جو اُن (کی ساری قوم) پر حکومت کر رہی ہے اَور ہر نعمت اسے حاصل ہے اَور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔ 27:24

اَور مَیں نے اُس کو اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا سورج کے آگے سجدہ کرتے دیکھا اور شیطان نے ان کے عمل اُن کو خوبصورت کر کے دکھائے ہیں اور ان کو سچے راستہ سے روک دیا ہے جس کی وجہ سے وہ ہدایت نہیں پاتے۔ 27:25

اَور مصر ہیں کہ اللہ کو سجدہ نہ کریں جو کہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ تقدیر کو ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو اُن (تدبیروں) کو بھی جانتا ہے۔ 27:26

(حالانکہ) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ) ایک بڑے تخت کا مالک ہے۔ 27:27

(اِس پر سلیمان نے) کہا کہ ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ بولا ہے یا تُو جھوٹوں میں سے ہے۔ 27:28

تو میرا یہ خط لے جا اور اسے اُن کے (یعنی سبا کی قوم کے) سامنے پھینک دے پھر (ادب سے) پیچھے ہٹ (کر کھڑا ہو) جا اَور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ 27:29

(جب اس نے ایسا کیا) تو (ملکہ) بولی اَے میرے درباریو! میرے سامنے ایک معزز خط رکھا گیا ہے۔ 27:30

(جس کا مضمون یہ ہے کہ) یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ بے انتہا رحم کرنے والا (اور) بار بار کرم کرنے والا ہے، اس کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ 27:31

(اَور کہتے ہیں) ہم پر زیادتی نہ کرو اور ہمارے حضور میں فرمانبردار بن کر حاضر ہو جاؤ۔ 27:32

پھر اس (ملکہ) نے کہا۔ اے سردارو! میرے معاملہ میں اپنی پختہ رائے دو۔

کیونکہ مَیں کبھی کوئی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس حاضر نہ ہو(اورمشورہ نہ دے لو)۔آیت33

(درباریوں نے) کہا ہم بڑی طاقت والے ہیں اَور بڑے جنگجو ہیں اَور (آخری) معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے پس غور کرلیں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں(ہم اس کی اتباع کریں گے)۔27:34

اس نے کہا کہ جب بادشاہ کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کردیتے ہیں اور اس کے باشندوں میں سے معزز لوگوں کو ذلیل کردیا کرتے ہیں اَور وہ اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں۔27:35

اَور(میں نے فیصلہ کیا ہے کہ) میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجوں گی پھر دیکھوں گی کہ میرے ایلچی کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں۔ 27:36

پھر جب وہ تحفہ سلیمان کے سامنے لاکر رکھا گیا تو اس نے کہا کیا مال کے ذریعہ سے میری مدد کرنا چاہتے ہو(اگر یہ بات ہے تو یاد رکھو کہ) اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو تم کو دیا ہے اَور(معلوم ہوتا ہے کہ)تم اَپنے تحفہ پر بڑے نازاں ہو۔27:37

(اَے ہُدہُد!) تُو اُن کی طرف لوٹ جا اَور(اُن سے کہہ دے کہ) مَیں ایک بڑے لشکر کے ساتھ اُن کے پاس آؤں گا ایسا لشکر کہ اس کے مقابلہ کی ان کو طاقت نہ ہوگی اَور مَیں اُن کو اس(ملک) سے(مفتوح ہونے کے بعد) ایسی حالت میں نکال دُوں گا کہ(وہ بادشاہت کی) عزّت کھو چکے ہوں گے۔27:38

(اس کے بعد) اس نے (اَپنے درباریوں سے مخاطب ہوکر) کہا۔اَے درباریو!تم میں سے کون اس کے تخت کو میرے پاس لے آئے گا پیشتر اس کے کہ وہ (لوگ) فرمانبردار ہوکر میری خدمت میں حاضر ہوں۔27:39

(پہاڑی قوموں میں سے) ایک سرکش سردار نے کہا آپ کے(اس) مقام سے جانے سے پہلے میں وہ(عرش) لے آؤں گا اَور میں اس بات پر بڑی قدرت رکھنے والا(اور) امانت دار ہوں۔آیت40

(اس پر) اُس شخص نے جس کو(الٰہی) کتاب کا علم حاصل تھا کہا کہ مَیں تیرے پاس اس (تخت) کو تیرے آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا۔پس جب(سلیمان نے) اس کو پاس رکھا ہُوا دیکھا تو اس نے کہا۔یہ میرے ربّ کے فضل کی وجہ سے ہُوا ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ مَیں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اَور جو شکر کرے وہ اَپنی جان کے فائدہ کے لئے ایسا کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو یقیناً میرا ربّ بے نیاز(اَور) بڑی سخاوت کرنے والا ہے۔27:41

(پھر) اس نے کہا اس(ملکہ) کے لئے اُس کا عرش حقیر کر کے دکھاؤ(ہم دیکھیں گے کہ) کیا وہ ہدایت پاتی ہے یا ان لوگوں میں بنتی ہے جو ہدایت نہیں پاتے۔27:42

پس جب وہ آگئی تو کہا گیا، کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟اس پر اُس نے کہا، کہ یُوں معلوم ہوتا ہے یہ وہی ہے اور ہم کو اس سے پہلے ہی علم حاصل ہو چکا تھا اَور ہم(تیرے) فرمانبردار بن چکے تھے۔27:43

اَور سلیمان نے ملکہ کو اللہ کے سوا پرستش کرنے سے روکا۔وہ یقیناً کافر قوم میں سے تھی۔27:44

اَور اسے کہا محل میں داخل ہو جاؤ پس جب اس نے(محل) کو دیکھا تو اس کو گہرا پانی سمجھا اَور گھبرا گئی۔تب سلیمان نے کہا یہ تو محل ہے جس میں شیشہ کے ٹکڑے لگائے گئے ہیں تب وہ(ملکہ) بولی اَے میرے ربّ! میں نے اَپنی جان پر ظلم کیا اَور میں سلیمان کے خُدا پر ایمان لاتی ہوں۔27:45

سورۃ الانبیآء

ہم نے اصل معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا۔اَور سب کو ہی ہم نے حکم اور علم عطا فرمایا تھا اور ہم نے داؤد کے ساتھ اہل جبال کو بھی اور پرندوں کو بھی کام پر لگا دیا تھا وہ سب خُدا کی تسبیح کرتے تھے اَور ہم یہ سب کچھ کرنے پر قادر تھے۔21:80

اَور ہم نے اس ایک لباس کا بنانا سکھایا تھا تاکہ وہ تمہاری جان لڑائی میں بچائے۔پس کیا تم شکر گزار بنو گے۔ 21:81

اَور ہم نے سلیمان کے لئے تیز ہَوا کو بھی مسخر کر چھوڑا تھا۔جو اس کے حکم کے مطابق چلتی تھی۔اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اَور ہم سب کچھ جانتے ہیں۔21:82

اَور کچھ سرکش لوگ ایسے تھے جو اس کے لئے سمندروں میں غوطے لگاتے تھے اَور اس کے سوا اَور بھی کام کرتے تھے اَور ہم اُن کے لئے نگرانی کا کام کرتے تھے۔21:83

سورۃ البقرہ

ترجمہ: نیز وہ (یہودی) اس (طریق عمل) کے پیچھے پڑ گئے جس کے پیچھے سلیمان کی حکومت کے زمانے میں (اس کی حکومت کے) باغی پڑے رہتے تھے اَور سلیمان کافر نہ تھا بلکہ (اس کے) باغی کافر تھے۔ وہ لوگوں کو دھوکا دینے والی باتیں سکھاتے تھے اور (بزعمِ خود) اس بات کی (بھی نقل کرتے ہیں) جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اُتاری گئی تھی۔ حالانکہ وہ دونوں (تو) جب تک یہ نہ کہہ لیتے تھے کہ ہم (خدا تعالیٰ کی طرف سے) آزمائش کے طور پر (مقرر ہوئے) ہیں، اس لئے (اے مخاطب! ہمارے احکام کا) انکار نہ کرنا، کسی کو (کچھ) نہیں سکھاتے تھے جس پر وہ لوگ ان (دونوں) سے وہ بات سیکھتے تھے جس کہ ذریعہ سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان میں تفریق کر دیتے تھے۔ اور وہ اللہ کے حکم کے سوا کسی کو بھی اس (بات) کے ذریعہ سے ضرر نہیں پہنچاتے تھے اور (اس کے بالمقابل) یہ (یعنی رسول اللہ ﷺ کے دشمن) تو وہ بات سیکھ رہے ہیں جو انہیں ضرر دے گی نفع نہیں دے گی یہ لوگ یقیناً جان چکے ہیں جو اس (طریق) کو اختیار کرلے آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں اَور وہ چیز جس کے بدلے میں انھوں نے اَپنے آپ کو بیچ رکھا ہے وہ بہت بُری ہے کاش کہ جانتے۔2:103

سورۃ سبا

ترجمہ: اَور (ہم نے) سلیمان کو ایسی ہَوا (عطا کی تھی) جس کا صبح کا چلنا ایک مہینہ کے برابر ہوتا تھا اَور شام کا چلنا بھی ایک مہینہ کے برابر ہوتا تھا اور ہم نے اس کے لئے تانبہ کا چشمہ پگھلا دیا تھا اور ہم نے اس کو جنّوں کی ایک جماعت بھی عطا کی تھی جو اس کے ربّ کے حکم سے اس کے تابع فرمان عمل کرتی تھی اَور (یہ بھی کہہ دیا تھا کہ) ان میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے کجروی اختیار کرے گا ہم اس کو بھڑکتا ہوا عذاب پہنچائیں گے۔34:13

وہ جو کچھ چاہتا تھا جن (یعنی سرکش قوموں کے سردار) اس کے لئے بناتے تھے یعنی مساجد اَور ڈھلے ہوئے مجسمے اور بڑے بڑے لگن جو حوضوں کے برابر ہوتے تھے اَور بھاری بھاری دیگیں جو ہر وقت چولھوں پر دھری رہتی تھیں (اَور ہم نے کہا) اَے داؤد کے خاندان کے لوگو! شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اَور میرے بندوں میں سے بہت کم لوگ شکر گزار ہوتے ہیں۔34:14

پھر جب ہم نے اس کے لئے موت کے وارد ہونے کا فیصلہ کیا تو اُن (یعنی سرکش قوموں) کو اس کی موت کی صرف ایک زمین کے کیڑے نے خبر دی جو اس کے عصاء (حکومت) کو کھا رہا تھا پھر جب وہ گر گیا، تو جِنّوں پر ظاہر ہو گیا کہ اگر اُن کو غیب کا علم ہوتا تو وہ ذلت والے عذاب میں پڑے نہ رہتے۔34:15

سورۃ صٓ

ترجمہ: ہم نے داؤد کو سلیمان بخشا اَور وہ بہت ہی اچھا بندہ تھا وہ خُدا کی طرف بہت جھکنے والا تھا۔38:31

(اور یاد کر) جب اس کے سامنے شام کے وقت اعلیٰ درجہ کے گھوڑے پیش کئے گئے۔38:32

تو اس نے کہا، میں دُنیا کی اچھی چیزوں سے اس لئے محبت رکھتا ہوں کہ وہ مجھے میرے ربّ کی یاد دلاتی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ گھوڑے اوٹ میں آ گئے۔38:33

(اس نے کہا) اُن کو میری طرف واپس لاؤ (جب وہ آئے) تو وہ اُن کی پنڈلیوں اَور گردنوں پر تھپکنے لگا۔38:34

اَور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اَور اس کے تخت پر ایک بے جان جسم کو بٹھانے کا فیصلہ کر لیا (پھر جب یہ نظارہ اس نے کشف میں دیکھا) تو وہ اَپنے ربّ کی طرف جھکا۔38:35

اَور اس (سلیمان) نے (اَپنے بیٹے کی حقیقت خُدا سے معلوم کر کے) کہا کہ اَے میرے ربّ میرے عیبوں کو ڈھانک دے اَور مجھ کو ایسی بادشاہت عطا کر جو میرے بعد آنے والی اولاد کو ورثہ میں نہ ملے تو یقیناً بڑا

بخشنہار ہے۔38:36

اور ہم نے اس کے لئے ہَوا کو خدمت پر لگا دیا جو ان کے حکم کے مطابق جدھر وہ جانا چاہتے تھے نرمی سے اسی طرف چلنے لگتی۔38:37

اسی طرح ہم نے سرکش شیطانوں کو یعنی ان میں سے تمام انجینیئر وں اَور معماروں کو اسی طرح غوطہ خوروں کو اس کی خدمت پر لگا دیا تھا۔38:38

اَور کچھ اَور لوگوں کو بھی جو زنجیروں میں بندھے رہتے تھے۔38:39

اَور اس (یعنی سلیمان) کو ہمارے نزدیک بہت قرب حاصل ہے اَور ہمارے پاس اس کا بہت اچھا ٹھکانا ہے۔38:41

<u>تفسیر از تفسیرِ صغیر و تفسیرِ کبیر</u>

تفسیر صغیر سے تشریح انبیاء 82

حاشیہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کے جہاز شام کے اوپر کے علاقہ سے سامان لیکر نیچے آتے تھے۔یعنی فلسطین کی طرف، اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے

تفسیر صغیر سے تشریح سبا 13

حاشیہ: خلیج فارس سے انطاکیہ تک ہوائیں نہایت عمدگی سے چلتی رہتی تھیں جس سے حضرت سلیمان کے زمانے میں بحری تجارت اچھی ہوتی تھی۔تانبہ کے پگھلانے والی فیکٹریاں بنانے کی اسے توفیق دی۔

تفسیر صغیر سے تشریح سورۃ النمل 19: صفحہ: 487

وادی نمل ساحل سمندر پر یروشلم کے مقابل پر یا اس کے قریب دمشق سے حجاز کی طرف آتے ہوئے ایک بیچ کی وادی ہے جسے استعارۃً وادیٔ نمل کہتے ہیں اندازاً دمشق سے سو میل کے نیچے کی طرف واقع ہے۔ان علاقوں میں حضرت سلیمان کے وقت تک عرب اَور مدین کے بہت سے قبائل بستے تھے۔اَور نملہ ایک قوم تھی جو وہاں رہتی تھی اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کی قوم جان بوجھ کر کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی تھی بلکہ اگر اس کو پتہ لگ جاتا کہ کوئی قوم کمزور ہے تو اس کو بچانے کی کوشش کرتی تھی۔

تفسیر۔نمل 21۔کئی ادومی بادشاہوں کا نام ہُدد تھا۔جس کو عرب لوگ اپنے لہجہ کے لحاظ سے ہُدہُد کہتے تھے یہ نام بنو اسمٰعیل میں عام رائج تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کے ایک سردار کا نام بھی ہُدہُد تھا۔جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے موآب کو جو ایک بڑا انجنیئر تھا، اس کی سازش کی وجہ سے قتل کرایا تو یہ ہُدہُد بھاگ کر مصر چلا گیا کہ کہیں مجھے بھی نہ مار ڈالیں پھر بعد میں معافی مانگ کر اَور سفارشیں کرا کے واپس آ گیا۔ممکن ہے کہ چونکہ یہ عام نام تھا بعض اَور سرداروں کا بھی نام ہو اَور چونکہ عربی میں ہُدہُد ایک پرندے کا نام بھی ہے۔اس لئے مفسرین نے سمجھ لیا کہ یہ ایک پرندے کا ذکر ہے۔

<u>تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ 539</u>

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کسی کی کھیتی بکریاں چر گئیں تھیں۔حضرت داؤد نے بکریاں کھیتی والے کو دلا دیں لیکن حضرت سلیمان نے کہا نہیں بکریوں والا پانی دے۔اَور جب کھیتی ہری ہو جائے تو اَپنی بکریاں واپس لے لے۔حضور فرماتے میرے نزدیک یہ ہے کہ جب بھی کسی نبی کی قوم عزت پاتی ہے تو داؤدؑ اَور حضرت سلیمانؑ کے زمانہ کی طرح اُن کی قوم کے حریص لوگ نظام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اَور چار پایہ مزاج لوگ دین کی کھیتی کو چرنے لگ جاتے ہیں۔خُدا فرماتا ہے اس کا علاج ہم نے سلیمان کو سکھا دیا تھا جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل کی ہمسایہ قومیں جو چھاپے مار کر اُن کی حکومت کو برباد کرنا چاہتی تھی اُن کے حملوں سے اُس نے اَپنی مملکت کو بچا لیا اَور نظام کی حفاظت کی۔

سلیمانؑ اَور داؤدؑ دونوں کو بادشاہت بھی ملی تھی اَور علم بھی ملا تھا۔مگر سلیمانؑ کو خدا نے یہ فہم عطا کیا تھا وہ نرمی کا سلوک کرتے تھے۔اَور زیادہ تر معاہدات سے کام لیا اَور اس طرح تمام ہمسائیوں سے اَپنی مملکت کو بچا لیا۔

ان آیات کا مفہوم مفسرین ہو بہو انہی الفاظ کو لیتے ہوئے یہ کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اَور حضرت سلیمان کے قبضہ میں پہاڑ اَور جن تھے اَور یہ سب حضرت داؤد کے ساتھ مل کر ذکر الٰہی کرتے۔یعنی کہ جب آپؑ سبحان اللہ کہتے تو پہاڑ، جن، پرندے، حیوانات بھی سب سبحان اللہ کہنے لگ جاتے۔بعض مفسّرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت داؤد جہاں بھی جاتے پہاڑ آپ کے ساتھ چل پڑتے۔حضورؓ فرماتے ہیں یہ من گھڑت واقعات اس

لئے ہیں کہ ان کی تشبیہات اَور استعارے کو نہیں سمجھا گیا۔ان آیات کی تشبیہات کو سمجھنے کے لئے ہماری دوسری آیات بھی مدد کرتی ہیں۔

جیسے کہ سورہ الجاثیہ کی آیات 13 اور 14 میں خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی اُمّت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے سمندر کو تمھاری خدمت پر لگایا ہوا ہے۔تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم (ان کے ذریعہ سے) اس کے فضل کو تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔45:13

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب کا سب اس نے تمہاری خدمت پر لگایا ہوا ہے اس میں فکر کرنے والی قوم کے لئے بڑے نشان ہیں۔45:14

اَب ہم طیر کے متعلق قرآن کی تعلیم سے مدد لیتے ہیں کہ کیا اس کے معنی ایسے ہی ہیں کہ پہاڑوں کے ساتھ ساتھ پرندے بھی ذکرِ الٰہی کیا کرتے تھے یا کہ یہ بھی تشبیہ ہے اس کے لئے قرآن کی کئی آیات سے مدد ملتی ہے جس میں واضح ہے کہ طیر کا معنے یہ ہے کہ اِنسان کے وہ اعمال صالحہ ہیں جن کو وہ ترقی دیتے ہوئے مومنین کا درجہ پاتا ہے۔اَور سفلی زندگی کے بجائے علوی زندگی اختیار کرتا ہے اَور نیچے جھکنے کی بجائے اُوپر کی طرف اُڑتا ہے۔اعلیٰ درجہ کی روحیں ہیں جو وسعتِ حوصلہ اَپنے اَندر رکھتیں ہیں اَور دین کے لئے ہر قسم کی بلندیوں پر چڑھنے کے لئے تیار رہتیں ہیں۔

اب قرآن کی وہ آیات جس میں طیر کا مطلب کن معنوں میں لیا گیا ہے۔

سورۃ انعام آیت 39 میں ہے ترجمہ۔۔۔زمین پر چلنے والے جانور اَور پرندے سب تمہاری طرح قومیں اور گروہ ہیں۔

سورۂ نور کی آیت نمبر 42 میں ہے۔۔۔کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وہ تمام ذی العقول کرتے ہیں جو آسمانوں اَور زمین میں ہیں وہ طیر بھی جو صفیں باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور ان گروہوں میں سے ہر ایک کو نماز اور تسبیح کا طریق معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال سے واقف ہے۔

نوٹ: کیا کبھی ایسے طیر دیکھے گئے ہیں جو صفیں باندھ کر نمازیں پڑھتے ہیں وہ تو صرف مسلمان ہی ہیں۔یعنی کے پرندے کا مطلب نیک لوگ ہیں۔

تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ 354 تا 397

حضرت داؤد کو یہودیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاص بیٹا مانا جاتا ہے۔اس لئے حضرت سلیمان علیہ السّلام، اَور حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ان کے بعد آیا ہے۔اَور ان دونوں کے قول کا بھی ذکر ہے کہ ہمیں خلافت روحانی اَور خلافت جسمانی کے ذریعے سے مومنوں کا افسر بنایا گیا ہے سورہ نمل کی تمام آیات میں جہاں جہاں بھی نام کا استعمال کیا گیا ہے وہاں صرف حضرت سلیمان کا ہی ذکر کیا ہے۔حضرت داؤد کا نہیں اس لئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انتقال کے بعد ہی حضرت سلیمان اُن کے جانشین بنے۔اس آیت میں ''منطق الطیر'' کے معنی مفسرین نے یہ کئے ہیں کہ حضرت سلیمان کو کبوتروں، تیتروں، چڑیوں، بٹیروں کی زبان سکھائی گئی تھی۔لیکن یہاں پر یہ لفظ محاورہ اَور تشبیہ کے طور پر استعمال ہوا۔جس طرح کہ ہر قوم میں روزمرّہ کی بول چال میں محاورے اَور تشبیہات استعمال کی جاتی ہیں بالکل اسی طرح قرآن میں بھی محاورے اَور تشبیہات کا استعمال ہوتا ہے۔طیر عربی زبان میں اُڑنے والی چیز کو کہتے ہیں اَور استعارۃً اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو عالمِ رُوحانی کی فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں اَور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اَور اسکے محبوب ہوتے ہیں۔اس لفظ کے معنی کی وضاحت سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام سے بھی بخوبی ہو جاتی ہے۔ ''ہزاروں آدمی تیرے پروں کے نیچے ہیں۔(تذکرہ صفحہ 650)

اس الہام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک پرندہ سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ پر پرندوں کے ہوتے ہیں نہ کہ انسانوں کے۔پس طیر سے مراد جسمانی پرندے نہیں ہیں بلکہ برگزیدہ لوگوں سے تشبیہ دی گئی ہے

مختصراً یہ کہ یہاں پر حضرت سلیمان کا یہ کہنا کہ مجھے پرندوں کی زبان سکھائی گئی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مجھے بھی وہ معارف اَور حقائق دئے گئے ہیں جو پہلے نبیوں اَور نیک بندوں کو عطا کئے گئے تھے۔پس خدا نے حضرت سلیمان کو دُنیا کی ہر ضروری چیزوں سے نوازا۔اَور یہ سب خدا کے فضل سے ہوا۔

آیت نمبر 18 میں طیر لفظ کے ساتھ جن کا بھی لفظ آتا ہے کہ حضرت سلیمان نے ایک لشکر تیار کیا جس میں جن بھی تھے۔ مفسرین ہمیشہ جن کی وضاحت کرتے ہوئے کسی ایسی نرالی اَور غیر مرئی مخلوق کا ذکر کرتے ہیں جو کہ ہر ناممکن کام ممکن کرسکتی ہے۔ حضور اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایک استعارۃً لفظ ہے۔ اَور اس لفظ کی وضاحت قرآنِ کریم میں ہی کئی جگہوں پر ہوجاتی ہے۔ جیسے کہ ’’ واذاخلو الیٰ شیطینھم میں تمام مفسرین بالاتفاق کہتے ہیں کہ اس جگہ شیاطین سے مراد انسان ہیں۔
جب شیطان انسان ہوسکتا ہے تو پھر جن کیوں نہیں۔

قرآنِ کریم کی مختلف آیات سے ثابت ہے کہ جن انسان ہی ہیں کوئی علیحدہ سے مخلوق نہیں ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ترجمہ: اَے جنوں اور انسانوں کے گروہ جو ہمارے سامنے کھڑے ہو۔ بتاؤ کیا تمہارے پاس ایسے رسول نہیں آئے جو تمہیں میں سے تھے۔ پھر ایک دوسری جگہ فرماتا ہے۔ ترجمہ: وہ تمہیں انذار بھی کرتا تھے۔ اَور قیامت کے دن سے ڈراتے بھی تھے۔

قرآن سے واضح طور پر ثابت ہے کہ جن آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔
جن کا لفظ انسانوں میں سے بڑے آدمیوں کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ لغت میں جن کے معنی ہر ایسی چیز کے ہوتے ہیں جو حواس سے چھپی ہوئی ہو۔ (اقرب) یعنی جن کی آواز سنائی نہ دے اَور آنکھوں کو نظر نہ آئیں۔ گویا دُنیا سے الگ تھلگ رہنے والے لوگ۔ یا دوسرے لفظوں میں اُمراء۔۔۔

پس حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر تین قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا۔
1۔۔امراء کا خاص حفاظتی دستہ ۔۔۔ 2۔۔۔عوام الناس کی فوج ۔۔۔۔3۔۔۔روحانی لوگوں کا دستہ۔۔۔

مفسرین نے جس طرح جنّوں اَور پرندوں کا غلط مطلب لیا ہے اسی طرح۔ آیت نمبر 20 میں وادالنمل اور حطمہ کا بھی غلط مطلب کیا ہے۔ وادیٔ نمل کوئی چیونٹیوں کی وادی نہیں تھی۔ بلکہ ایک حقیقی وادی تھی جس میں انسان بستے تھے۔

تاج العروس جو لغت کی مشہور کتاب ہے اُس میں لکھا ہے کہ شام کے ملک میں جبرین اَور عسقلان کے درمیان ایک علاقہ ہے جسے وادیٔ نمل کہا جاتا ہے۔ عسقلان کے متعلق تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ ساحل سمندر کے بڑے شہروں میں ایک شہر ہے جو غزہ سے جو سینا کے ملحق فلسطین کی ایک بندر گاہ ہے بارہ میل اُوپر شمال کی طرف واقعہ ہے اَور جبرین شمال کی طرف کا ایک شہر ہے جو ولایت دمشق میں واقع ہے۔
(تقویم البلدان صفحہ 238 ومعجم البلدان جلد 6 صفحہ 174)

پس وادیٔ نمل ساحل سمندر پر یروشلم کے مقابل پر یا اس کے قریب دمشق سے حجاز کی طرف آتے ہوئے ایک وادی ہے جو اندازاً دمشق سے سو میل نیچے کی طرف تھی۔ ان علاقوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت تک عرب اَور مدین کے بہت سے قبائل بستے تھے۔
(مقام کی وضاحت کے دیکھو نقشہ فلسطین وشام بعہد قدیم وجدید نیلسنز انسائیکلوپیڈیا)

قاموس جلد 3 صفحہ 219 میں لکھا ہے کہ وَالْأَبْرَقَةُ مِنْ سِيَاهِ النَّمْلَةِ کہ نملہ قوم کے چشموں میں سے ایک چشمہ کا نام ابرقہ تھا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ نملہ ایک قوم تھی۔ پُرانے وقتوں اس قسم کے نام بڑے مقبول تھے۔ جیسے کہ کشمیر کی ایک قوم کا نام ہاپت ہے جس کے معنی ریچھ کے ہیں پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ سبا پر حملہ کرنے کے لئے اپنے ملک سے یمن کی طرف چلے تو اُن کا گذر نملہ قوم کی وادی میں سے ہوا۔

حطمہ کے معنی عربی میں توڑ دینے اَور غصہ میں حملہ کر دینے کے ہیں۔ نہ کہ پیروں سے کچل دینے کے۔ پس اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت سلیمان چیونٹیوں کو اَپنے پیروں تلے کچل دیں گے۔ حضور اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر شریف اور احساس کرنے والا انسان اُس راستے سے بچ کر چلتا ہے جہاں پر چیونٹیاں یا بے ضرر کیڑے ہوں تا کہ خواہ مخواہ پیروں کے نیچے آکر کچلے نہ جائیں۔ پس حضرت سلیمان کا گذر جب وادیٔ نمل سے ہوا تو نملہ قوم کی ملکہ نے اَپنی قوم سے کہا کہ اَمن کی خاطر تم سب اَپنے اَپنے گھروں میں گھس جاؤ اَور دروازے بند کرلو یہ نہ ہو کہ تم کو باہر دیکھ کر حضرت سلیمان یہ سمجھیں کہ تم جنگ کا اِردہ رکھتے ہو اَور وہ تم کو توڑ نہ ڈالے یعنی کہ تمہاری قوّت اَور شوکت کو کچل نہ دے۔ حضرت سلیمان کو جب ملکہ کے اس اعلان کا معلوم ہوا تو آپ ہنس پڑے اَور آپ نے خدا تعالیٰ کو

مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب تیرے فضل سے ہے کہ میری نیک شہرت دُور دُور کے علاقوں میں ہے۔ پس تو مجھے اس بات کی توفیق دے کہ میں تیرے انعامات کا شکر اَدا کرتا رہوں۔ اَور تو مجھے اَور میرے لشکر کو یہ توفیق دے کہ وہ ہمیشہ اعلیٰ اخلاق سے آراستہ رہیں۔ اَور لوگ اس بات کو تسلیم کرتے رہیں کہ یہ لوگ جان بوجھ کر کسی پر ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔ اَور مجھے اَپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اَپنے سارے لشکر کا جائزہ لیا اَور اُمرأ لشکر کو اَپنے سامنے حاضری کا حکم دیا تو اُس وقت اُمرأء میں سے ایک سردار کو جس کا نام ہُد ہُد تھا انہوں نے غائب پایا اِس نہایت ہی نازک موقعہ پر جب آپ ایک ملک پر حملہ کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ اَپنے لشکر کے ایک سردار کو غائب دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کا غصّہ بھڑک اُٹھا اَور اُن کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ مبادا اِس میں کوئی سازش کام کر رہی ہو۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ کیا ہُد ہُد پر میری نظر نہیں پڑی یا وہ کہیں بھاگ گیا ہے۔ اب مَیں اُسے یا تو کوئی شدید ترین سزا دوں گا یا اُسے قتل کر دوں گا اور یا پھر اُسے میرے سامنے کوئی واضح ثبوت پیش کرنا پڑے گا کہ وہ کیوں غائب رہا۔

سورۃ النّمل آیت نمبرز 21 اور 22 میں ہدہد کا ذکر آیا ہے۔ اس میں بھی مفسرین ہُد ہُد کو ایک پرندہ سمجھ رہے ہیں حالانکہ ہُد ہُد عبرانی زبان کا لفظ ھُدَ دُ ہے جو عربی زبان میں آکر ہُد ہُد ہو گیا۔ حضرت سلیمان کے زمانہ میں یہودیوں میں کثرت سے ھُدَ دُ نام ہوا کرتے تھے۔ جو عبرانی سے عربی میں بدل کر ہُد ہُد ہو گیا جیسے کہ عبرانی میں ابراہام اَور عربی میں ابراہیم کہا جاتا ہے۔ عبرانی میں یسوع اَور عربی میں عیسیٰ کہا جاتا ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ھد دکئی ادومی بادشاہوں کا نام تھا۔ عربی زبان میں ھد کے ایک معنی بلند آواز کے ہیں۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اُونچی آواز والے لڑکے کا نام ھد دیا ہُد ہُد رکھ دیتے تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک لڑکے کا نام بھی ہُد ہُد تھا۔ (پیدائش باب 25 آیت 14)

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ہُد ہُد واقعی ایک انسان تھا تو آیت میں ذبح کا لفظ کیوں آیا ہے۔ عربی زبان میں ذبح کا لفظ قتل کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قرآن کریم کی سورہ قصص آیت 5 میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے متعلق آتا ہے "یذبح ابناء ھم "وہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کیا کرتا تھا۔ اگر ذبح کے لفظ سے یہ اندازہ کرنا کہ ہُد ہُد ایک پرندہ تھا تو کیا بنی اسرائیل کے بیٹے بھی پرندے تھے؟ پس ہُد ہُد ادومی خاندان کا کوئی شہزادہ تھا جو کہ آپ کے فوجی سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔ یہ ادومی خاندان حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت میں بستا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے خاندان کا رقیب تھا۔ اس قوم کے سردار کو جب آپ نے موجود نہ پایا تو آپ نے یہ خیال کیا یہ کسی شرارت کی نیت سے دشمن ملک میں نہ چلا گیا ہو اَور اس پر اُن کو غصہ آ گیا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ہُد ہُد عرب قبیلہ کا کوئی سردار ہو۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت سلیمان کے وقت میں جو راستہ فلسطین سے یمن کی طرف آتا ہے اس میں کئی عرب قبیلے بستے تھے (تقویم البلدان) عربوں اَور یہودیوں کی آپس میں سخت قسم کی چپقلش تھی اگرچہ یہ قبائل حضرت سلیمان کے ماتحت تھے لیکن اندرونی طور پر مخالفت رکھتے تھے۔ اس لئے حضرت سلیمانؑ نے دیکھا کہ عرب قوم کا ایک سردار غائب ہے تو آپ کے دل میں شبہ ہوا اَور وہ ناراض ہوئے کیونکہ یمن عرب کا ایک حصہ ہے۔

حضرت سلیمانؑ ابھی اسی فکر میں تھے کہ ہُد ہُد کے غائب ہونے کی وجہ کیا ہے کہ ہُد ہُد سردار واپس آ گیا۔ اَور اُس نے بتایا کہ چونکہ ملک سبا پر حملہ کرنے والے تھے سبا کا علاقہ میرے ملک کا حصہ ہے۔ زبان اَور قوم کے ایک ہونے کی وجہ سے وہاں کے حالات معلوم کرنا میرے لئے آسان تھا۔ اس لئے میں وہاں چلا گیا تھا۔ ہُد ہُد سردار نے حضرت سلیمانؑ کو وہاں کے حالات سے باخبر کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں کی ملکہ کو مملکت کے لحاظ سے ہر نعمت میسر ہے اَور وہ بہت بااثر حکمران ہے۔ لیکن وہ اَور اُس کے لوگ مشرک ہیں ایک خدا کی بجائے سورج کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے ایک خدا کی بادشاہت اُس ملکہ کی بادشاہت سے بہت بڑی ہے اَور یقیناً یہی غالب آئے گی۔ پس یہ تمام تحقیق ملکی مفاد کے لئے ضروری تھے اس لئے میں

وہاں گیا تھا۔اور اس طرح اُس نے حضرت سلیمانؑ کوخوش کرنے کی کوشش کی۔حضرت سلیمانؑ نے یہ سب سننے کے بعد ہُد ہُد سردار کوایک خط دے کر ملکہ سبا کے پاس بھیجا۔جس کا مضمون یہ تھا کہ میرے خلاف سرکشی مت کرو اور فرمانبردار ہوکر میرے حضور حاضر ہو جاؤ۔اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان نے ملک سبا پر حملے کا بلاوجہ ارداہ نہیں کیا تھا بلکہ اس قوم نے کوئی سازش یا شرارت پہلے کی تھی۔

جب یہ خط ملکہ سبا کے سامنے پیش کیا گیا جو کہ بسم اللہ سے شروع کیا گیا تھا۔ تو ملکہ نے اَپنے درباریوں سے اس خط کے متعلق مشورہ کیا۔اور کہا کہ جب بادشاہ کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو اُجاڑ دیا کرتے ہیں۔اور معزز لوگوں کو ذلیل یعنی جانوروں کی طرح کر دیتے ہیں بادشاہ ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔تمام درباریوں کے مشورے کے بعد ملکہ نے ان پر غور کرنے کے بعد سوچا کہ وہ حضرت سلیمان کوایک تحفہ بھیجے۔حضرت سلیمان نے اس کہ اس فعل کو ناپسند کیا اور اس تحفے کو رشوت سمجھتے ہوئے فرمایا کہ تم کیا حقیر چیز لے کر آئے ہو خدا تعالیٰ نے اس سے بہتر چیزیں مجھے دے رکھی ہیں۔میں اب ضرور اس ملک پر چڑھائی کروں گا۔اور میں ملک سبا کے لوگوں کو ملک سبا سے ذلیل کرکے نکال دوں گا۔اور وہ دیر تک میری ماتحتی میں رہیں گے۔آپ نے اَپنے لشکر سے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو کہ ایک ایسا تخت لائے جو ملکہ کے تخت کو حقیر کر دے۔اور اس کو دیکھ کر وہ یہ تسلیم کرلے کہ خدا کا میرے پر بہت فضل ہیں۔اور یہ کام ملکہ کی فرمانبرداری اختیار کرنے سے پہلے ہونا چاہئے۔آپ کے خاص باڈی گارڈ میں سے ایک سردار نے یہ دعویٰ کیا کہ آپ کا ملک میں حملہ کرنے سے پہلے میں ایسا تخت لے آؤں گا۔اور ایک سردار جو کہ دینی علم رکھتا تھا اُس نے کہا میں یہ کام آنکھ جھپکنے سے پہلے کردوں گا۔اُس کا اس طرح کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جتنی دیر میں یہ غیر یہودی سردار کام کرے گا میں اُس سے پہلے مَیں یہ کام کرلوں گا۔ یعنی ایک نیا اور اعلیٰ درجہ کا تخت بنوا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں

حاضر کردونگا اور چونکہ وہ یہود کا ملک تھا اس لئے عبرانی عالم کو یقین تھا کہ یہودی ماہرین صنعت میرے لئے بہت جلد کام کر دیں گی اور ملکہ کے تخت سے بھی اعلیٰ اور شاندار تخت تیار کر دیں گی۔اور جب شاندار قسم کا تخت حضرت سلیمان کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ خُدا تعالیٰ کے شکر گزار ہوئے کہ اُس نے انہیں کتنے ہوشیار اور فرمانبردار افسر عطا کئے ہیں۔

ملکہ نے جب حضرت سلیمان کا تخت دیکھا تو اَپنے گھمنڈ کی وجہ سے اُس کی تعریف کرنے کے بجائے یہ کہا یہ ویسا ہی تخت ہے جیسے کے میرے پاس۔ اور پھر کہنے لگی کہ ان تدبیروں کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم تو پہلے ہی حضرت سلیمان کے دینی حالات جان کر یہ مان چکے ہیں کہ اُس کا دین سچا ہے اور ہم فرمانبردار بن چکے ہیں۔جب اُس نے فرمانبرداری اختیار کی تو حضرت سلیمان نے اُس کو شرک سے روکنے کے لئے وعظ و نصیحت کی۔اور اُس کو اس کا عملی ثبوت دینے کے لئے آپ نے ایک محل تعمیر کروایا اور اس میں ایک شیشے کا فرش بنوایا جس کے نیچے سے پانی گزرتا تھا۔جب ملکہ کو اس فرش سے گزرنے کے لئے کہا گیا تو اُس نے بے اختیار اُس کو پانی سمجھتے ہوئے اپنی پنڈلیوں سے کپڑے کو اُوپر کرلیا۔حضرت سلیمان نے اُس کو سمجھایا کہ یہ فرش ہے پانی نہیں ہے۔جس طرح پانی کی جھلک شیشے میں نظر آ رہی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا نُور اس تمام کائنات میں نظر آ رہا ہے۔چنانچہ وہ اس دلیل سے بہت متاثر ہوئی اور بے اختیار یہ کہہ اُٹھی کہ۔اَے میرے ربّ! میں نے شرک کر کے اَپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔اب میں اُس خُدا پر ایمان لاتی ہوں۔جو سب جہانوں کا ربّ ہے سورج، چاند وغیرہ بھی اسی سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

حضرت یونس علیہ السلام

قرآن کریم میں حضرت یونس کا نام چھ جگہ آیا ہے۔
سورۃ الصّٰفّٰت آیت 5 میں ان کے مرسل ہونے کا ذکر ہے۔
سورۃ الانعام اور النساء میں انہیں نبیوں میں شمار کیا ہے۔
سورۃ الانبیاء اور سورۃ ''ن'' میں بجائے نام کے ذالنون اور صاحب الحوت کی صفت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ مچھلی کا واقعہ پیش آیا ہے۔

سورۃ یونس

ترجمہ: اور کیوں یونس کی قوم کے سوا کوئی (اور ایسی) بستی نہ ہوئی جو (سب کی سب) ایمان لاتی۔ اور اس کا ایمان لانا اس کو نفع دیتا۔ جب وہ (یعنی یونس کی قوم کے لوگ) ایمان لائے۔ تو ہم نے ان (پر) سے اس ورلی زندگی میں (بھی) رسوائی کا عذاب دُور کر دیا۔ اور انہیں ایک وقت تک (ہر طرح کا) سامان عطا کیا۔ 10:99

سورۃ النساء

ترجمہ: جس طرح ہم نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) تمام انبیاء پر وحی (نازل) کی تھی۔ یقیناً تجھ پر (بھی) ہم نے وحی (نازل) کی ہے۔ اور ہم نے ابراہیمؑ پر اور اسماعیلؑ پر اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور (اس کی) اولاد عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ پر (بھی) وحی (نازل) کی تھی اور ہم نے داؤدؑ کو (بھی) ایک کتاب دی تھی۔ 4:164

سورۃ الانعام

ترجمہ: اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو (بھی ہدایت دی تھی) اور ان سب کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی۔ 6:87

سورۃ الانبیآء

ترجمہ: اور ذوالنون (یونس کو بھی یاد کر) جب وہ غصہ کی حالت میں چلا گیا اور دل میں پُر یقین تھا۔ کہ ہم اس کو تنگ نہیں کریں گے پس مصائب میں اس نے ہم کو پکارا (اور کہا) کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے۔ میں یقیناً ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔ 21:88
پس ہم نے اس کی دُعا کو سنا اور غم سے اسے نجات دی اور ہم اس طرح مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ 21:89

سورۃ الصّٰفّٰت

اور یونس بھی یقیناً رسولوں میں سے تھا۔ 37:140
(یاد کرو) جب وہ بھاگ کر ایک کشتی کی طرف گئے جو پُر ہونے والی تھی۔ 37:141
(اور طوفان نے ان کو آلیا اور ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا)۔ تب اُنہوں نے (باقی سب سواروں سے مل کر) قرعہ اندازی کی۔ اور چونکہ قرعہ میں ان کا نام نکلا وہ قرعہ کی رُو سے) دریا میں پھینکے جانے والے ہو گئے۔ 37:142
جس پر اُسے ایک بڑی مچھلی نے نگل لیا۔ جبکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا۔ 37:143
اور اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا، تو اس مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک پڑا رہتا (یعنی مر جاتا)۔ 37:145
پھر ہم نے اس کو ایک کھلے میدان میں پھینک دیا۔ جبکہ وہ بیمار تھا۔ 37:146
اور ہم نے اس کے پہلو میں ایک کدّو کا درخت اُگایا۔ 37:147
اور ہم نے اس کو ایک لاکھ سے کچھ زیادہ آدمیوں کی طرف رسول کر کے بھیجا۔ 37:148
پس وہ سب ایمان لے آئے۔ اور ہم نے ان کو ایک لمبے عرصے تک دنیوی فائدے پہنچائے۔ 37:149

تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 3 سے تفسیر:

غور کرنے والے کے لئے اس آیت میں رحمت الٰہی کی عظمت معلوم کرنے

کا بے انتہا سامان موجود ہے۔ ان الفاظ سے کس قدر خواہش ٹپکتی ہے کہ سب کی سب دُنیا ہدایت پا جائے۔ اور کس قدر افسوس کا اظہار یہ الفاظ کر رہے ہیں۔ کہ کیوں یونس کی قوم کی طرح پوری کی پوری ایمان لانے والی اَور اقوام نہ ہوئیں۔ اس پر جب عذاب آیا۔ تو اس قدر اخلاص سے تائب ہوئی کہ اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا۔ اور اسے عذاب سے نجات دی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا فتح مکہ کے موقع پر سب قوم نے اطاعت قبول کر لی۔ اَور عذاب سے محفوظ ہوگئی اَور اللہ کے فضلوں کی وارث بھی بنی۔ اور اس طرح رسول کریم ﷺ مثیل یونس بھی بن گئے۔

علماء بائبل کے بیان کے مطابق حضرت یونس گاتھ ہیپر ضلع زیبون میں پیدا ہوئے۔ اس وقت یر بعام (Joroboamm) بادشاہ کا زمانہ تھا۔ جس کی حکومت 781 قبل مسیح سے 741 تک رہی۔ اس بادشاہ کا ذکر 2 سلاطین باب 14 میں آتا ہے۔ بائبل میں ایک کتاب بھی یوناہ نبی کی کتاب کے نام سے درج ہے۔ (سورۃ یونس آیت 99 صفحہ 129 تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 3)

حضرت یونس علیہ السلام کی دُعا سے قبولیتِ کا گُر معلوم ہوتا ہے۔ جسے ہمیشہ اَپنے مدنظر رکھنا چاہئے۔ اَور وہ یہ کہ دُعا سے پہلے انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد کرلیا کرے۔ اَور پھر اپنا مدعا اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا کرے۔ چنانچہ دیکھ لو حضرت یونس علیہ السلام سے پہلے یہی کہا کہ یعنی اَے میرے ربّ تو کامل تعریف کا مستحق ہے اَور تیرے سوا اَور کوئی معبود قابلِ پرستش نہیں اَور پھر تُو ہر قسم کے نقائص اَور عیوب سے منزّہ ہے۔ اس تسبیح و تحمید کے بعد اُنہوں نے اَپنا مدّعا پیش کیا اَور اللہ تعالیٰ سے اَپنی مصیبت میں مدد چاہی۔ یہی طریق ہر مومن کو اختیار کرنا چاہئے۔ دُنیا میں بھی جب کسی کے دروازہ پر کوئی سائل آتا ہے تو وہ پہلے مالک مکان کی تعریف کرتا ہے اور اس کی خوبیوں کے گیت گاتا ہے اَور پھر اپنا مدّعا پیش کرتا ہے اَور سمجھتا ہے کہ اَب میرا آنا رائیگاں نہیں جائے گا یہی

طریق عمل دُعا میں اختیار کرنا چاہئے اَور خُدا تعالیٰ کی قدرت اَور اُس کی عظمت و جبروت کا اِقرار کرنے اَور اس کی تسبیح و تحمید کرنے کے بعد حرفِ مدّعا زبان پر لانا چاہئے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن سورۃ الانبیاء جلد پنجم صفحہ 562-561)

☆☆☆☆☆☆

اقتباس حضرت مسیح موعود علیہ السلام:

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: اصل بات یہ ہے کہ انسان فطرتاً کسی بات کی پیروی نہیں کرتا جب تک کہ اُس میں کمال کی مہک نہ ہو۔ اور یہی ایک سِرّ ہے جو اللہ تعالیٰ انبیا علیہم السلام کو مبعوث کرتا ہے اور خاتم النّبیین کے بعد مجدّ دین کے سلسلہ کو جاری رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے عملی نمونہ کے ساتھ ایک جذب اور اثر کی قوت رکھتے ہیں۔ اور نیکیوں کا کمال اُن کے وجود میں نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ انسان بالطبع کمال کی پیروی چاہتا ہے۔ اگر انسان کی فطرت میں یہ قوت نہ ہوتی تو انبیا علیہم السلام کے سلسلہ کی بھی ضرورت نہ رہتی لیکن یہ بات کہ انبیاء اور خدا تعالیٰ کے ماموروں کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے اور ان کی تعلیم کی طرف عدمِ توجّہی کیوں کی جاتی ہے اس کا باعث زمانہ کی وہ حالت ہوتی ہے جو اُن پاک وجودوں کی بعثت کا موجب ہوتی ہے۔ زمانہ میں فسق و فجور کا ایک دریا رواں ہوتا ہے اور ہر قسم کی بدکاریاں اور بُرائیاں خدا تعالیٰ سے بُعد اور حرمان اس نیک عُمدہ مادے کو اپنی نیچے دبا لیتا ہے چونکہ بدکاریوں کے کمال کا ظُہور ہو چکا ہے۔ اس لئے طبیعت کا یہ مادہ کہ وہ ہر کمال کی پیروی کرنا چاہتا ہے۔ اس طرف رُجوع کر گیا ہوتا ہے اور یہی وہ سِرّ ہوتا ہے کہ ابتداء انبیا علیہم السلام اور ماموروں کی مخالفت اور اُن کی تعلیم سے بے پروائی ظاہر کی جاتی ہے۔ آخر ایک وقت آجاتا ہے کہ نیکی کے بر واور کمال کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔

(ملفوظات جلد 1 صفحہ: 14-213)

حضرت زکریا علیہ السلام

سورۃ آل عمران

ترجمہ: تب زکریا نے اَپنے رَبّ کو پکارا اَور کہا کہ اے میرے ربّ تو مجھے بھی اَپنی جناب سے پاک اولاد بخش۔ تو یقیناً دُعاؤں کو بہت قبول کرنے والا ہے۔ 3:39

اس پر فرشتوں نے اُسے جبکہ وہ گھر کے بہترین حصہ میں نماز پڑھ رہا تھا آواز دی کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کی بات کو پورا کرنے والا ہوگا۔ اور (نیز) سردار اور (گناہوں سے) روکنے والا اور نیکوں میں سے (ترقی کرکے) نبی ہوگا۔ 3:40

اس نے کہا اَے میرے ربّ مجھے (میری زندگی میں) (عمر پانے والا) لڑکا کس طرح ملے گا، حالانکہ مجھ پر بڑھاپا آ گیا ہے اَور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا اللہ ایسا ہی (قادر) ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ 3:41

(پھر) اس نے کہا اے میرے ربّ! میرے لیے کوئی حکم دے۔ فرمایا کہ تجھے یہ حکم ہے کہ تو لوگوں سے تین دن تک اشارہ کے سوا بات نہ کرے اَور اَپنے ربّ کو بہت یاد کرے اَور شام اَور صبح اُس کی تسبیح کرے۔ 3:42

سورۃ مریم

ترجمہ: اَور میں یقیناً اپنے رشتہ داروں سے اَپنے (مرنے کے) بعد (کے سلوک سے) ڈرتا ہوں۔ اَور میری بیوی بانجھ ہے، پس تو مجھے اپنے پاس سے ایک دوست (یعنی بیٹا) عطا فرما۔ 19:6

جو میرا وارث بھی ہو اور آلِ یعقوب (سے جو دین وتقویٰ ہم کو ورثہ میں ملا ہے اس) کا بھی وارث ہو۔ اَور اَے میرے ربّ اس کو (اپنا) پسندیدہ (وجود) بنائیو۔ 19:6

(اس پر اللہ نے فرمایا) اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی خبر دیتے ہیں (جو جوانی کی عمر تک پہنچے گا اَور) اس کا نام (خُدا کی طرف سے) یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اس سے پہلے کسی کو اس نام سے یاد نہیں کیا۔ 19:8

(زکریا نے) کہا۔ اے میرے ربّ! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اَور میں بڑھاپے کی آخری حدود کو پہنچ چکا ہوں۔ 19:9

ترجمہ: (زکریا نے) کہا، اَے میرے ربّ! میرے لئے کوئی حکم بخش۔ فرمایا تیرے لئے یہ حکم ہے کہ تو لوگوں سے تین راتیں متواتر کلام نہ کر۔ 19:11

سورۃ الانبیآء

ترجمہ: اَور زکریا کو بھی (یاد کر) جب اُس نے اَپنے رَبّ کو پکارا تھا اَور کہا تھا اَے میرے ربّ مجھے اکیلا نہ چھوڑ۔ اور تو وارث ہونے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ 21:90

حاشیہ تفسیر صغیر۔ زکریا علیہ السلام کا یہاں اس لئے ذکر آیا ہے کہ اس کے بعد مریم اَور اس کے بیٹے کا ذکر ہے جو زکریا کے زمانے کے اور اس کے رشتہ دار تھے۔ (تفسیر صغیر صفحہ:418)

ترجمہ: اور ہم نے اس کی دُعا کو سنا اور اس کو یحییٰ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کی خاطر تندرست کر دیا۔ وہ سب لوگوں نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو محبت اور خوف سے پکارتے تھے اور ہماری خاطر عجز کی زندگی بسر کرتے تھے۔ 21:19

تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد پنجم صفحہ 124 سے 143

حضرت زکریاؑ نے ان آیات میں خدا سے اپنی قوم کو مذہب پر قائم رکھنے کے لئے اَپنے بڑھاپے کے باوجود ایک اَیسے بیٹے کی دُعا کی ہے جو اُن کو صحیح تعلیم کی طرف راغب رکھ سکے۔ اور اُن کا اس حالت میں خدا سے دُعا کرنا جب کہ نا اُمیدی کی صورت ہو خدا پر توکل ظاہر کرتا ہے کہ ان تمام مشکلات کے باوجود خدا اُن کی اس دُعا کو شرفِ قبولیت عطا کرے گا۔ جیسا کہ وہ اس سے پہلے بھی ہمیشہ سے کرتا آیا ہے۔

حضرت زکریاؑ اور اُن کے رشتہ دار پروہت فیملی سے تھے۔ جو بیت المقدس

اَور دوسری عبادت گاہوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔
زکریا علیہ السلام سمجھتے تھے کہ اُن کی قوم دُنیاداری کی طرف راغب ہو رہی ہے ۔اَور وہ یہودیت اَور مذہب کو بچانے کے لئے کوئی عملی کام نہیں کر رہے۔ اُن کے اس رجحان کو دیکھتے ہوئے حضرت زکریّاؑ نے اپنے ربّ سے دُعا کی اے میرے ربّ میں بوڑھا ہو چکا ہوں میری بیوی بانجھ ہے پس اَے خدا! تو مجھے اپنے پاس سے اَیسا شخص عطا فرما جو ہمارے خاندان کی اولادوں کا حافظ ہو اور ان کو دین پر قائم کرے جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو اسی طرح موسیٰ ،ہارون، داؤد،سلیمان اور دوسرے انبیاء سے اُنہوں نے جو جو خوبیاں حاصل کی ہیں وہ سب اس میں پائی جاتی ہوں۔
حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں سبحان اللہ کیسی لطیف دُعا ہے کہ اولاد کی کوئی اُمید نہ ہونے کے باوجود صالح اولاد ہونے کی دُعا کرتے ہیں اَور ایک ایسے بیٹے کی تمنا کرتے ہیں جو اَپنا پورا زور اس بات پر لگا دے کہ بنی اسرائیل آنے والے مسیح کی منکر نہ ہو۔ اَور وہ ایک ایسا بیٹا ہو جو نہ صرف اُن کی خوبیاں رکھتا بلکہ اَپنے باپ دادا کی صفات بھی رکھتا ہو۔ نہ صرف اُن کا پسندیدہ ہو بلکہ خدا کا بھی پسندیدہ ہو۔ بے شک وہ پیشگوئیوں کی بنا پر جانتے تھے کہ نبوت اور وحی والہام کا سلسلہ جو بنی اسرائیل میں ایک لمبے عرصے سے جاری ہے وہ نور اب بنی اسرائیل سے چھینا جانے والا ہے۔ حضرت زکریّاؑ نے یہ دُعا اس لئے مانگی تھی کہ ان کا بیٹا آنے والے اسرائیلی موعود کا رستہ صاف کرے۔ خداتعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی دُعا کو سنا اَور قبول بھی کیا اور اُن کو ایک ایسے بیٹے کی بشارت دی جو اُن کے ہی خوبیاں والا تھا۔ خدا نے نہ صرف دُعا سنی بلکہ زکریا کو بشارت دی کہ اُس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اَور وہ اَپنی صفات میں بے مثل ہوگا۔ (حضرت یحییٰ اُن نبیوں میں سے ہیں جو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے گئے ہیں۔ کیونکہ آپ کی نبوت مسیح کے ساتھ وابستہ تھی اور مسیح کی نبوت آنحضرت ﷺ کے ساتھ وابستہ تھی جو کہ رہتی دُنیا تک زندہ رہنے والے نبی ہیں)۔ اَور وہ اُدھیڑ عمر کو پہنچے گا۔ ۔۔ لیکن خدائی تقدیر اٹل تھی وہ اَپنی پوری کوشش کے باوجود اپنی قوم کو مسیح پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ کر سکے۔ خدا کی طرف سے یہ خوشخبری پانے کے بعد حضرت زکریّاؑ نے خدا سے دُعا کی کہ اب مجھے شکریہ کا موقع دے تو خدا نے فرمایا کہ تو تین دن مسجد میں اعتکاف بیٹھ اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو۔ یہ تمہاری طرف سے ہمارے لئے شکریہ کا نشان ہوگا۔ لیکن یہاں انجیل قرآنی تعلیم کے خلاف اس کی تفسیر کرتی ہے کہ جب خُدا نے زکریّاؑ کو اُن کے بڑھاپے کے باوجود ایک نیک بیٹے کی بشارت دی تو حضرت زکریا نے حیرت اور استعجاب سے کہا یہ کس طرح ہوسکتا ہے اس پر خدا اُن سے ناراض ہوا۔ اور سزا کے طور پر اُن کی قوتِ گویائی چھین لی۔ حضور اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک غیر معمولی دُعا کی قبولیت پر حیرت واستعجاب کا ظاہر کرنے والے کو انعام تو مل سکتا ہے سزا نہیں۔ پس تین دن کی خاموشی ذکرِ الٰہی کے لئے تھی نہ کہ سزا کے طور پر کیونکہ اگر یہ سزا ہوتی تو حضرت زکریا کے ساتھ ساتھ اُن کی بیوی کو بھی ملتی۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زکریّاؑ کو بھی یاد کرو جب اُس نے ربّ سے دُعا کی۔ اور کہا کہ اَے میرے ربّ! مجھے اکیلا مت چھوڑ اَور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ تب ہم نے اُس کی دُعا سنی اور اس کی بیوی کی اصلاح کی اور اس کو یحییٰ عطا کیا۔ (دیکھ لو۔ اصولی طور پر اس سارے گھرانے کے حالات حضرت ایوبؑ سے ملتے ہیں) پھر وجہ بیان کرتا ہے کہ ہم نے ان لوگوں کی تنگیوں کی کیوں بدل دیا۔ اس لئے کہ یہ گروہ نیکی کرنے میں جلدی کرتا تھا اور ہمارے انعام کی رغبت سے اور ہماری سزا کے خوف سے ہمیں پکارتا رہتا تھا۔ اَور ہمیشہ ہمارے حضور عاجزی کیا کرتا تھا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:562)
حضرت زکریّاؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب تین دن خاموش رہ کر ذکرِ الٰہی کرنے کی ہدایت ہوئی تو انہوں نے نیت کر لی کہ میں اب کوئی بات نہیں کروں گا اور خُدا کے ذکر میں مشغول رہوں گا۔ چنانچہ وہ اَپنے کمرہ میں سے یا مسجد کے اُس حصّہ میں سے جہاں امام کھڑا ہوتا ہے باہر آئے اور انہوں نے ایسے رنگ میں بات کی کہ غیر لوگ اس کو نہ سُنیں گویا نہایت آہستگی سے اپنے دوستوں کے پاس کھڑے ہو کر بات کی تا کہ غیر لوگ نہ سنیں۔ اس سے بھی معلوم ہوُا کہ اُن کے گونگے ہونے کا کوئی سوال نہیں تھا صرف ایسے رنگ میں بات کرنا مراد تھا کہ دوسروں کو سنائی نہ دے۔
(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:145)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سورۃ آل عمران

ترجمہ: (پھر اس وقت کو یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ تجھے اپنے کلام کے ذریعے (ایک لڑکے کی) بشارت دیتا ہے اس (مبشر) کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ جو (اس) دُنیا میں اور آخرت میں صاحبِ منزلت ہوگا اور (خدا کے) مقربوں میں سے ہوگا۔ آیت 46

تو وہ پنگھوڑے (یعنی چھوٹی عمر میں) بھی لوگوں سے باتیں کرے گا اور اُدھیڑ عمر ہونے کی حالت میں (بھی) اور نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ 3:47

اس نے کہا (کہ) اَے میرے ربّ میرے ہاں بچہ کس طرح ہوگا حالانکہ کسی بشر نے (بھی) مجھے نہیں چھوا۔ فرمایا اللہ (کا کام) ایسا ہی (ہوتا) ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (اور) جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے متعلق صرف یہ فرماتا ہے کہ تو وجود میں آجا سو وہ وجود میں آجاتی ہے۔ 3:48

اور (یہ بھی بشارت دی کہ اللہ) اسے کتاب اور حکمت (کی باتیں) سکھائے گا اور تورات اور انجیل (سکھائے گا)۔ 3:49

اور بنی اسرائیل کی طرف رسول (بنا کر اُسے اس پیغام کے ساتھ بھیجے گا) کہ میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک نشان لے کر آیا ہوں (اور وہ یہ ہے) کہ میں تمہارے (فائدہ کے) لئے بعض طینی خصلت رکھنے والوں سے پرندہ (کے پیدا کرنے) کی طرح (مخلوق) پیدا کروں گا پھر میں اُن میں ایک نئی رُوح پھونکوں گا جس پر وہ اللہ کے حکم کے ماتحت اُڑنے والے ہو جائیں گے۔ میں اللہ کے حکم کے ماتحت اندھے کو اور مبروص کو اچھا کروں گا اور مردوں کو زندہ کروں گا۔ اور جو کچھ تم کھاؤ گے اور جو کچھ تم اَپنے گھروں میں جمع کرو گے اس کی تمہیں خبر دوں گا (اور) اگر تم مومن ہو تو اس میں تمہارے لئے ایک نشان ہوگا۔ 3:50

اللہ یقیناً میرا (بھی) ربّ (ہے) اور تمہارا (بھی) ربّ ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔ آیت 52

ترجمہ: پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو کہا کہ اللہ کے لئے کون (لوگ) میرے مددگار بنتے ہیں حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے (دین کے) مددگار بنتے ہیں۔ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمابردار ہیں۔ 3:53

اور اُنہوں نے (یعنی مسیح کے دشمنوں نے) بھی تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی تدبیریں کیں اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ۔3:55

(اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے (طبعی طور پر) وفات دوں گا اَور تجھے اَپنے حضور میں عزت بخشوں گا اور کافروں (کے الزامات) سے تجھے پاک کروں گا اور جو تیرے پیرو ہیں انہیں ان لوگوں پر جو منکر ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا پھر میری ہی طرف تمہیں لوٹنا ہوگا تب میں ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے ہو تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔ 3:56

(یاد رکھو) عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک یقیناً آدم کے حال کی طرح ہے اسے (یعنی آدم کو) اس نے خشک مٹی سے پیدا کیا پھر اس کے متعلق کہا کہ تو وجود میں آجا تو وہ وجود میں آنے لگا۔ 3:60

سورۃ مریم

ترجمہ: (اس پر اُس فرشتہ نے) کہا میں تو صرف تیرے ربّ کا بھیجا ہوا پیغامبر ہوں تا کہ میں تجھے (وحی کے مطابق) ایک پاک لڑکا دوں (جو جوانی کی عمر تک پہنچے گا)۔ 19:20

(مریم نے) کہا میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا حالانکہ اب تک مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا اور میں کبھی بدکاری میں مبتلا نہیں ہوئی۔ 19:21

(فرشتہ نے) کہا (بات) اسی طرح ہے (جس طرح تو نے کہی مگر) تیرے ربّ نے یہ کہا ہے کہ یہ (کام) مجھ پر آسان ہے (ہم اس لیے یہ لڑکا پیدا

کریں گے) تا کہ ایسے لوگوں کے لیے ایک نشان بنائیں اور اپنی طرف سے رحمت (کا موجب بھی بنائیں) اور یہ (امر) ہماری تقدیر میں طے ہو چکا ہے۔19:22

اس پر مریم نے (اپنے پیٹ میں) اس (بچہ) کو اُٹھالیا اور پھر اس کو لے کر ایک دُور مکان کی طرف چلی گئی۔19:23

پس (جب وہ وہاں پہنچی تو) اسے دردِ زہ (اٹھی اور اسے) مجبور کر کے ایک کھجور کے تنے کی طرف لے گئی (جب مریم کو یقین ہو گیا کہ اس کے ہاں بچہ ہونے والا ہے تو اس نے دُنیا کی اُنگشت نمائی کا خیال کر کے) کہا۔ اے کاش! اس سے پہلے میں مر جاتی۔اور میری یاد مٹا دی جاتی۔19:24

پس (فرشتہ نے) اس کو نچلی جانب سے پکار کر کہا کہ (اے عورت) غم نہ کر اللہ نے تیری نچلی جانب ایک چشمہ بہایا ہوا ہے (اس کے پاس جا اپنی اور بچے کی صفائی کر)۔19:25

اور (وہ) کھجور (جو تیرے قریب ہو گی اس) کی ٹہنی کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا وہ تجھ پر تازہ بتازہ پھل پھینکے گی۔19:26

پس (ان کو) کھاؤ اور (چشمہ سے پانی بھی) پیؤ اور (خود نہا کر اور بچہ کو نہلا کر) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو، پھر اگر (اس عرصہ میں) تو کسی مرد کو دیکھے تو کہہ دے میں نے رحمٰن (خدا) کے لیے (ایک) روزے کی نذر کی ہوئی ہے پس آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔19:27

اس کے بعد وہ اس کو لے کر اپنی قوم کے پاس سوار کرا کے لائی جنہوں نے کہا اَے مریم! تو نے بہت برا کام کیا ہے۔19:28

اس پر اس نے اُس (بچہّ) کی طرف اشارہ کیا۔اس پر لوگوں نے کہا، ہم اس سے کس طرح باتیں کریں جو کہ (کل تک (پنگھوڑے میں بیٹھنے والا بچہّ تھا۔19:30

(یہ سُن کر ابنِ مریم نے) کہا کہ مَیں اللہ کا بندہ ہوں اور اُس نے مجھے کتاب بخشی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔19:31

اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے بابرکت (وجود) بنایا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوۃ کی تاکید کی ہے۔ 19:32

اور مجھے اپنی والدہ سے نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور مجھے ظالم اور بد بخت نہیں بنایا۔19:33

اور جس دِن میں پیدا ہوا تھا اس دن بھی مجھ پر سلامتی نازل ہوئی تھی اور جب مَیں مروں گا اور جب مجھے زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا (اس وقت بھی مجھ پر سلامتی نازل کی جائے گی)۔19:34

(دیکھو) یہ (حقیقی) عیسیٰ ابنِ مریم ہے اور یہ (اس کا اصل) سچّا واقعہ ہے جس میں وہ (لوگ) اختلاف کر رہے ہیں۔19:35

ترجمہ: خُدا کی شان کے یہ خلاف ہے کہ وہ کوئی بیٹا بنائے۔وہ اس بات سے پاک ہے وہ جب کبھی کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے (ایسا) ہوتا جائے تو ویسا ہی ہونے لگتا ہے۔(پھر اسے مدد کے لئے بیٹا بنانے کی کیا ضرورت ہے)۔19:36

اور اللہ میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔اُسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔19:37

سورۃ المائدہ

ترجمہ: جو لوگ کہتے ہیں کہ یقیناً اللہ ہی مسیح ابنِ مریم ہے۔وہ بلا شبہ کافر ہو گئے ہیں۔تو (اُن سے) کہہ دے۔اگر اللہ مسیح ابِ مریم (کو) اور اس کی ماں (کو) اور (اُن) تمام لوگوں کو جو زمین میں (پائے جاتے) ہیں۔ہلاک کرنا چاہے تو اس کے مقابلہ میں کون کسی بات کی طاقت رکھتا ہے اور آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان (پایا جاتا) ہے اُن (سب) پر حکومت اللہ ہی کی ہے۔وہ جو (کچھ) چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اَور اللہ ہر ایک بات پر پورا پورا قادر ہے۔5:18

ہم نے عیسیٰ بن مریم کو جب کہ وہ اس (کلام) یعنی تورات کو پورا کرنے والا تھا، اُن (مذکورہ بالا نبیوں) کے نقشِ قدم پر چلایا۔اور ہم نے اسے انجیل دی تھی جس میں ہدایت اور نُور تھا اور وہ اس (کلام) کو جو اس سے پہلے (آ چکا) تھا پورا کرنے والی تھی اور وہ متقیوں کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی۔5:47

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یقیناً اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے وہ ضرور کافر ہو گئے

ہیں اور مسیح نے (تو) کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا (بھی) ربّ (ہے) تمہارا (بھی) ربّ ہے بات یہی ہے جو (شخص کسی کو) اللہ کا شریک بنائے تو (سمجھو کہ) اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی (بھی) مددگار نہیں (ہوگا)۔5:73

مسیح ابن مریم صرف ایک رسول تھا اس سے پہلے رسول (بھی) فوت ہو چکے ہیں۔ اس کی ماں بڑی راستباز تھی وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھ ہم کس طرح ان کے (فائدہ کے) لیے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھ ان کا خیال کس طرح بدل دیا جاتا ہے۔ آیت 76

اس وقت اللہ (عیسیٰ ابن مریم سے بھی) کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم! جو نعمت میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر نازل کی تھی اس کو یاد کر (یعنی) جب کہ میں نے پاک وحی سے تیری مدد کی تھی اور لوگوں سے بچپن میں (بھی) اور اُدھیڑ عمر میں (بھی روحانیت کی) باتیں کرتا تھا (اس وقت کو یاد کر) جب کہ میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت (کی باتیں) سکھائیں تورات اور انجیل (سکھائی)۔ اور جبکہ تو میرے حکم سے طینی خصلت رکھنے والے (افرد میں) سے پرندہ کے پیدا کرنے کی طرح مخلوق پیدا کرتا تھا پھر تُو اُن میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے اُڑنے کے قابل ہو جاتے تھے اور تو اندھے اور مبروص کو میرے حکم سے بری قرار دیتا تھا اور جبکہ تو میرے حکم سے مردوں کو نکالتا تھا۔ اور جبکہ بنی اسرائیل کو (جو تیرے قتل کا ارادہ رکھتے تھے) میں نے تجھ سے روکے رکھا (اس وقت) جب کہ تو ان کے پاس دلائل لے کر آیا اور ان میں سے کافروں نے کہا یہ تو کھلے کھلے دھوکے والی باتیں ہیں۔ 5:111

اور (اس وقت کو یاد کر) جب میں نے (تیرے) حواریوں (یعنی شاگردوں) کو وحی کی مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے (اس وحی کے جواب میں) کہا کہ ہم ایمان لاتے ہیں اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمابرداروں میں (شامل ہوگئے) ہیں۔5:112

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا تیرے ربّ میں طاقت ہے کہ ہمارے لئے آسمان سے (کھانوں سے بھرا ہوا) ایک خوان اتارے۔ اس پر مسیح نے کہا کہ اگر تم (سچے) مومن ہو تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔5:113

انھوں نے (یعنی حواریوں نے) کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس (مائدہ) میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں (کہ ہمارا خُدا قادر ہے) اور ہمیں یقین ہو جائے کہ تُو نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم اس کے بارے میں گواہی دینے کے قابل ہو جائیں۔5:114

(اس پر) عیسیٰ ابن مریم نے کہا، اے اللہ، اے ہمارے ربّ! ہم پر آسمان سے (کھانوں سے بھرا ہوا) طشت اُتار جو ہم (مسیحوں) میں سے پہلے حصہ کے لئے بھی عید (کا موجب) ہو اور آخری حصہ کے لئے بھی عید (کا موجب) ہو اور تیری طرف سے ایک نشان (ہو) اور تو (اپنے پاس سے) ہم کو رزق دے تو سب رزق دینے والوں میں سے بہتر رزق دینے والا ہے۔5:115

اور جب اللہ نے کہا۔ اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو تو اس نے جواب دیا کہ (ہم) تجھے (تمام عیبوں سے) پاک قرار دیتے ہیں۔ میری شان کے شایاں نہ تھا کہ مَیں (وہ بات) کہتا جس کا مجھے حق نہ تھا اور اگر مَیں نے ایسا کہا تھا تو تجھے ضرور اس کا علم ہوگا جو کچھ میرے جی میں ہے تُو جانتا ہے اور جو کچھ تیرے جی میں ہے مَیں نہیں جانتا۔ تو یقیناً (سب) غیب کی باتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔5:117

میں نے ان سے صرف وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا (بھی) ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے اور جب تک میں ان میں (موجود) رہا میں ان کا نگران رہا اور جب تو نے میری رُوح قبض کر لی تو تُو ہی مجھ پر نگران تھا (میں نہ تھا) اور تو ہر چیز پر نگران ہے۔5:118

<u>سورۃ البقرہ</u>

ترجمہ: اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل (کرنے کا دعویٰ) کیا پھر تم نے اس کے بارے میں اختلاف کیا حالانکہ جو (کچھ) تم

چھپاتے تھے اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔2:73

یہ (مذکورہ بالا) رسول وہ ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی تھی۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں۔ جن سے اللہ نے کلام کیا۔ اور ان میں سے بعض کے (فقط) درجات بلند کئے اور عیسیٰ ابن مریم کو ہم نے کھلے کھلے دلائل دیے تھے اور رُوح القدس کے ذریعے سے اسے طاقت بخشی تھی کہ اگر اللہ چاہتا تو جو لوگ ان کے بعد آئے تھے کھلے (کھلے) نشانوں کے آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے (جھگڑتے) لیکن (تعجب ہے کہ) انہوں نے (باوجود اس کے) اختلاف کیا چنانچہ ان میں بعض ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے (جھگڑتے) لیکن اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔2:254

<u>سورۃ النساء آیت 158,160,172</u>

ترجمہ: وہ ان کے (یہ بات) کہنے کے سبب سے کہ اللہ کے رسول مسیح ابن مریم کو ہم نے یقیناً قتل کر دیا ہے (یہ سزا ان کو ملی ہے) حالانکہ نہ انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ اُنھوں نے اُسے صلیب پر لٹکا کر مارا بلکہ وہ ان کے لئے (مصلوب کے) مشابہ بنا دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس (یعنی مسیح کے صلیب سے زندہ اُتارے جانے) میں اختلاف کیا ہے وہ یقیناً اس (کے زندہ اُتارے جانے کی وجہ سے) شک میں (پڑے ہوئے) ہیں انھیں اس کے متعلق کوئی بھی (یقینی) علم نہیں ہے۔ ہاں (صرف ایک) وہم کی پیروی (کر رہے ہیں) اور انھوں نے اس (واقعہ کی اصلیت) کو پوری طرح نہیں سمجھا اور جو سمجھا ہے غلط سمجھا ہے4:158

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے اُسے اپنے حضور میں عزت (ورفعت) دی تھی (اور وہ صلیب پر مرا نہیں گیا تھا) کیونکہ اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔4:159

اہل کتاب میں سے ایک بھی نہیں جو اس (واقعہ) پر اپنی موت سے پہلے اس واقعہ پر ایمان نہ لاتا رہے۔ اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا۔4:160

اے اہل کتاب! تم اپنے دین (کے معاملہ میں) غلو سے کام نہ لو اور اللہ کے متعلق سچی بات کے سوا (کچھ) نہ کہا کرو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا صرف (ایک) رسول اور اس کی (ایک) بشارت تھا جو اس نے مریم پر نازل کی تھی اور اس کی طرف سے ایک رحمت تھا اس لئے تم اللہ (پر) اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ اور یُوں نہ کہو کہ (خُدا) تین ہیں (اس امر سے) باز آ جاؤ (یہ) تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اللہ ہی اکیلا معبود ہے وہ (اس بات سے) پاک ہے کہ اُس کے ہاں اولاد ہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اسی کا ہے اور اللہ کی حفاظت کے بعد اور کسی کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔4:172

مسیح ہرگز اس (امر) کو بُرا نہیں منائے گا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ متصوّر رہا اور نہ (ہی) مقرّب فرشتے (اسے بُرا منائیں گے) اور جو (لوگ) اس کی عبادت سے بُرا منائیں اور تکبّر کریں وہ (یعنی خُدا تعالیٰ) ضرور اُن سب کو اپنے حضور میں اکٹھا کرے گا۔4:173

<u>سورۃ المؤمنون</u>

ترجمہ: اَور ہم نے ابن مریم اور اسکی ماں کو ایک نشان بنایا اور ہم نے ان دونوں کو ایک اُونچی جگہ پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور بہتے ہوئے پانیوں والی تھی۔23:51

<u>سورۃ الصّف</u>

ترجمہ: اَور (یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہوں جو (کلام) میرے آنے سے پہلے نازل ہو چکا ہے یعنی تورات، اس کی پیشگوئیوں کو میں پورا کرتا ہوں اور ایک ایسے رسول کی خبر دیتا ہے جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا پھر جب وہ رسول دلائل لے کر آ گیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا کھلا فریب ہے۔61:7

<u>سورۃ التوبہ</u>

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ (بات) صرف ان کے منہ کی لاف ہے وہ (صرف) اَپنے سے پہلے کفار کی باتوں کی نقل کر رہے ہیں اللہ ان کو ہلاک کرے وہ (حقیقت سے) کیسے دُور جا رہے ہیں۔9:30

تفسیر از تفسیرِ صغیر و کبیر

قُرآن کہتا ہے کہ حضرت مریم نے جب یہ نظارہ دیکھا تو انہوں نے کہا اِنِّیٓ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡکَ اِنۡ کُنۡتَ تَقِیًّا۔ اگر تُو تقی ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اِن الفاظ میں اُن کے قلب کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ حضرت مریم اِس نظارہ کو دیکھ کر اس قدر گھبرائیں کہ اُنہوں نے اُس سے کہا کہ اگر تجھ میں تقویٰ پایا جاتا ہے۔ تو مَیں خدائے رحمٰن سے دُعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے تیرے شر سے بچالے۔ رحمٰن کے معنے ہیں وہ ہستی جو بے محنت اور کوشش کے اپنا فضل نازل کرتی ہے۔ گویا وہ اس قدر گھبرائیں کہ انہوں نے کہا خُدایا تو میرے عمل کو نہ دیکھ کہ مَیں نے تیری رضا کے لئے کچھ کیا ہے یا نہیں میں تجھے رحمانیت کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ تُو مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔ اگر اس میں رحیمیت کا واسطہ ہوتا تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ خُدایا کچھ عمل میں نے بھی کئے ہوئے ہیں اُن کی جزاء کے طور پر میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھ پر رحم فرما لیکن وہ رحیمیت کا واسطہ دیتی ہیں اور کہتی ہیں خُدایا میرا کوئی عمل نہیں مجھ بے عمل پر ہی رحم کر دے اور یہ کرب و بلا کا وقت مجھ سے دُور فرما دے۔

حضرت مریم نے فرشتے سے کہا اگر تم میں کچھ تقویٰ ہو اور تم خُدا تعالیٰ سے ڈرتے ہو تو رحمٰن کے نام سے پناہ مانگتی ہوں۔ تو فرشتہ نے کہا گھبراؤ نہیں مَیں تو تمہارے ربّ کی طرف سے ایک پیغامبر کے طور پر آیا ہوں۔

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا تا کہ تم کو ایک زکی غلام دُوں۔

(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ: 166.167)

حضرت مسیح کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی تھی اور الٰہی نشان کے طور پر تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ فعل اس لئے کیا کہ حضرت موسیٰؑ کی نسل سے جو نبیوں کا سلسلہ چلا آرہا تھا خُدا تعالیٰ اس کو ختم کر کے بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ سِلسلہ اتنا لمبا ہو گیا تھا کہ بنو اسحاق کے خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ نبوت اُن کے گھروں سے منتقل ہو کر اب کسی اَور قوم میں چلی جائے گی اس کے لئے ایک بڑی ٹھوکر کی ضرورت تھی اور وہ ٹھوکر حضرت مسیحؑ کی بن باپ پیدائش تھی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ معجزہ تھا۔ مگر یہ معجزہ ایک ابتلاء کا رنگ لئے ہوئے تھا۔ (تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ: 193)

خُدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ضرور ایسا کریں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ ہماری ایک آیت ہو جائے گا اور لوگوں کے لئے رحمت بن جائے گا۔ یعنی ہمارے اس فعل کے نتیجہ میں وہ لوگوں کے لئے ایک نشان بن جائے گا اور ہمارے اس فعل کے نتیجہ میں وہ لوگوں کے لئے رحمت بن جائے گا۔ مُراد یہ ہے کہ ہم جو اُسے بغیر باپ کے پیدا کریں گے تو یہ نشان ہو گا اس بات کا کہ ابراہیمی نُور اب ہم بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل کی طرف نعمتِ نبوت منتقل کرنے والے ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف نعمتِ نبوت منتقل ہونے کے نتیجہ میں ہی نبی آخر الزمان نے پیدا ہونا تھا پس چونکہ وہ ذریعہ بننے والا تھا رحمۃ اللعالمین کے ظہور کا اور وہ رحمت والی تعلیم کا راستہ صاف کرنے والا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اُسے اپنی رحمت کے ماتحت نازل کیا ہے۔ یعنی ہم نے اُس کو ذریعہ بنایا ہے اُس عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے کا جس کے نتیجہ میں نبی آخر الزمان نے پیدا ہونا ہے۔ گویا مسیح ایک کُنجی تھا اس دروازہ کی جس کے کھلنے پر خُدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی رحمت نے دُنیا پر نازل ہونا تھا۔

یہ قُرآن کریم کا کتنا بڑا کمال ہے کہ مسیح سردار تو عیسائیوں کے ہیں لیکن انجیل میں جہاں مسیح کی پیدائش کی پیشگوئی ہے وہاں یہ ذکر تک نہیں کیا گیا کہ مسیح دُنیا کو محبت کی تعلیم دے گا۔ مگر قُرآن مجید نے اُس کی پیدائش کی پیشگوئی میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش سے پہلے مریم کو بتادیا تھا کہ وہ محبت کی تعلیم دے گا۔ مسیحؑ کا سب سے بڑا کمال اس کی رحم کی تعلیم تھی۔ مگر انجیل نے اس کی پیدائش کی پیشگوئی میں اس کا ذکر تک نہیں کیا ہاں قُرآن نے کیا ہے جو اس کے کامل اور سچّا ہونے کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔ (تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ: 171.172)

حضرت مریم کس طرح حاملہ ہوئیں یہ ایک الٰہی راز ہے، جو قانونِ قدرت سے بالا ہے۔ یا اگر قانونِ قدرت میں ہی شامل ہے تو یہ ایک ایسا حصّہ ہے جس کا ابھی انسان کو علم نہیں ہو سکا۔ قانونِ قدرت کے بھی کئی راز ایسے ہیں جن کا ابھی انسان کو پتہ نہیں لگا جیسے ایٹم بم کا اس سے پہلے نسلِ انسانی کو کوئی

علم نہیں تھا لیکن اب اس کا انکشاف ہوا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کئی راز ایسے ہیں جن کو ابھی دُنیا دریافت نہیں کر سکی اُنہی اسرار میں سے ایک بن باپ ولادت بھی ہے۔ بہر حال وہ خُدا جس نے کُن سے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ وہ مادہ میں بھی نئے تغیر پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ تاریخ میں ہمیں بعض ایسی شہادتیں بھی نظر آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اور بچے بھی بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:174)

بائبل کی روایت سے پتہ لگتا ہے کہ بچہ بیت الحم میں پیدا ہوا اور بیت الحم ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے جو سمندر سے 2350 فٹ اونچی ہے۔ اس کے اِرد گرد سبز وادیاں ہیں جو سارے یہوداہ سے زیادہ سر سبز ہیں۔ اس پہاڑی کے اندر دو چشمے ہیں جن کو چشمۂ سلیمان کہتے ہیں۔ اور یہیں سے شہر میں نالیوں کے ذریعہ پانی لایا جاتا ہے۔ مگر شہر سے جنوب مشرق کی طرف آٹھ سو گز یعنی نصف میل پر اور وہ بھی نیچے ڈھلوان کی طرف چشمہ ہے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:178)

قُرآنِ کریم سے یہ بتاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ اس موسم میں پیدا ہوئے جس موسم میں کھجور تیار ہوتی ہے اور کھجور زیادہ تر جولائی اگست میں ہوتی ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ جولائی یا اگست میں پیدا ہوئے۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:183)

خُدا نے کہا کہ کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا۔ اور اگر تمہیں کوئی شخص نظر آئے۔ تو اُسے کہو کہ آج میں نے خُدا کے لئے روزہ رکھا ہوا ہے۔ پس آج میں کسی سے بات نہیں کروں گی، حضرت مریم کو خُدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ زیادہ باتیں نہیں کرنی بلکہ اپنا وقت ذکرِ الٰہی میں بسر کرنا۔ اِس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ ابھی بچہ پیدا ہوا تھا اس لئے لازماً جو بھی ملتا وہ ضرور پوچھتا کہ یہ کس کا بچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ آج ذکرِ الٰہی کرو اور اگر کوئی شخص تم سے کچھ پوچھنا چاہے تو اُسے بھی کہہ دو کہ آج میں نے ذکرِ الٰہی کرنا ہے۔ اِس طرح بات ختم ہو جائے گی اور اگلی بات پیدا ہی نہیں ہوگی۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:187)

قُرآن کہتا ہے کہ رشتہ داروں سے مسیحؑ نے باتیں کیں۔ انجیل کہتی ہے کہ پیدائش کے بعد مسیحؑ ناصرہ گیا وطن نہیں گیا۔ پس وطن کسی دوسرے وقت میں گیا اور دوسری جگہ یروشلم کا گردونواح ہے جہاں اُس کا جانا دو دفعہ ثابت ہے۔ ایک دفعہ بچپن میں جب اُس کی ماں اور باپ آپس کے حالات سے ابھی نا آشنا تھے اور دوسری دفعہ جب وہ مدعی ہو کر گیا۔ پس یہ گفتگو اُسی وقت ہوئی۔ اس سے پتہ لگ گیا کہ اَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ سے وہ زمانہ مراد ہے۔ جب مسیح 33 سال کے ہو چکے تھے اور دعویٰ بنوت کر چکے تھے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحملہ سے مراد کیا ہے۔ بچہ کو تو ماں اسی وقت اُٹھاتی ہے جب وہ چھوٹا ہوتا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ بے شک اس کے ایک معنے گود میں اُٹھانے کے ہیں لیکن اس کے علاوہ مجازی طور پر یہ کسی کا ساتھ دینے اور اس کی تائید اور نصرت کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قُرآن کریم نے بتایا ہے کہ حضرت مریم تو مسیحؑ کے ساتھ ساتھ آئی تھی اور کہتی تھی کہ میں اس پر ایمان لاتی ہوں یہ سچا ہے۔ تم کہتے ہو یہ حرام کا بچہ ہے کیا حرام کہ بچے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ تم اس سے بات کر کے تو دیکھو تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ یہ حلال زادہ ہے یا نہیں۔

(تفسیر کبیر جلد وسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:190.191)

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے ساتھ تو اس لئے ملایا تھا کہ یہ بتاتا کہ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰؑ کے لئے ارہاص کے طور پر آئے تھے مگر آگے اُن دونوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ بھی آپس میں اتنی ملتی ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں وجود ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے تھے۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ:231)

حضرت مسیحؑ کی صحیح شناخت اُسی نام سے ہوتی ہے۔ جو خُدا نے اس کے لئے تجویز کیا ہے۔ یعنی "ابنِ مریم" اگر ہم اس کو صرف عیسیٰ کہیں تو ہر ضلع میں بیسیوں لوگ ایسے نکل آئیں گے جن کا نام عیسیٰ ہوگا۔ ہماری جماعت میں بھی کئی ایسے لوگ موجود ہیں جن کا نام عیسیٰ ہے۔ پس اگر صرف عیسیٰ کہا جاتا تو یہ حضرت مسیحؑ کی شناخت کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں تھا۔ اگر عیسیٰ ابنِ آدم رکھا جاتا تب بھی مشکل پیش آتی کیونکہ ہر عیسیٰ آدم کا بیٹا ہے اِس میں مسیح کی کوئی خصوصیات نہیں۔ اگر خُدا کا بیٹا کہا جاتا تو سب لوگ کہتے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اِن مشکلات کو دُور کرتے ہوئے قُرآن نے مسیح کو عیسیٰ بن مریم کہہ دیا جس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ سب کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے اور مسیح کی

شناخت کا ایک بڑا عمدہ ذریعہ ہے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 5 صفحہ: 241)

قُرآنِ کریم حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق سورۃ الانبیاء آیت 6 میں فرماتا ہے۔یعنی مریم جو حضرت عیسیٰ کی والدہ تھیں انہوں نے اپنے تمام سوراخوں کو گناہ سے محفوظ رکھا تھا اَور ان کو جو حمل ہوُا تھا وہ ناپاک اَور شیطانی رُوح کا نہ تھا بلکہ ایک پاک رُوح جو ہماری طرف سے تھی اُن کے اندر داخل ہوئی تھی اور ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے عیسیٰ کو دُنیا کے لئے ایک نشان بنایا تھا۔(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 1 صفحہ: 83.84)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے بلکہ انہوں نے تورات کے بعض مضامین کو نمایاں طور پر دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا اور رُوح القدس سے اللہ تعالیٰ نے اُن کی تائید فرمائی تھی۔کیونکہ گو موسوی دَور میں شریعت کی تکمیل ہوگئی تھی لیکن آہستہ آہستہ لوگوں کی نگاہ مغز سے ہٹ کر صرف چھلکے کی طرف آگئی۔پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تا کہ ایک طرف تو تورات کے احکام پر عمل کرائیں جیسا کہ انہوں نے خود کہا ہے:۔

یہ نہ سمجھو کہ مَیں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔(متی باب 5 آیت 17)

اور دوسری طرف وہ لوگ جو بالکل اس کے چھلکے کو پکڑ کر بیٹھ گئے تھے ضروری تھا کہ اُن کی اصلاح کی جاتی۔اور اس نکتہ کو کھول کر بیان کیا جاتا کہ ظاہری شریعت اِس دُنیا کی زندگی کو درست کرنے کے لئے اور باطنی شریعت کے قیام میں مدد دینے کے لئے ہے۔ورنہ اصل چیز صرف باطنی صفائی اور پاکیزگی اور تقدس ہے۔سو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ کام لیا۔انہوں نے ایک طرف تو موسوی احکام کو دوبارہ اصل شکل میں قائم کیا اور دوسری طرف جو لوگ قشر کی اتباع کرنے والے تھے انہیں بتایا کہ اس ظاہر کا ایک باطن ہے۔اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے تو ظاہر لعنت بن جاتا ہے۔

مسلمانوں کو رسولِ کریم ﷺ نے چونکہ پوری بات کھول کر بتا دی تھی اس وجہ سے انہیں دھوکا نہ لگا۔یہ کھول کر بتانا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق تھا۔انہوں نے کہا تھا کہ جب وہ رُوحِ حق آئے تو وہ تمہیں ساری سچّائی کی راہ بتائے گی اِس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی بلکہ جو کچھ سُنے گی سو کہے گی(یوحنا باب 16 آیت 13) بہر حال رسولِ کریم ﷺ کے بات کو واضح کرنے کی وجہ سے باوجود اس کے کہ آپ نے بھی وہی بات کہی تھی جو حضرت مسیح علیہ السلام نے کہی تھی مسلمانوں کو دھوکا نہ لگا۔اور انہوں نے شریعت کو لعنت قرار دیا۔بلکہ صرف اس عمل پر شریعت کو لعنت قرار دیا جس کے ساتھ دل کا تقدس اور اخلاص اور تقویٰ شامل نہ ہو۔مگر مسیحیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے کلام سے دھوکا کھایا۔اور جب اُن کی روحانیت کمزور ہوئی تو انہوں نے اپنی کمزوری کے اثر کے ماتحت غلط تاویلوں کا راستہ اختیار کرلیا۔اَور شریعت کو لعنت قرار دینے لگے اَور یہ خیال نہ کیا کہ اگر وہ لعنت ہے تو حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے حواری روزے کیوں رکھتے تھے عبادتیں کیوں کرتے تھے اِن امور سے صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ ظاہری عبادت کو لعنت نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ظاہر کے ساتھ باطن کی اصلاح نہ کی جائے تو وہ ظاہر لعنت بن جاتا ہے۔

غرض ایدنہ بروح القدس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ پر پاکیزگی قلب کے خاص راز ظاہر کئے گئے تھے اور قدوسیّت اور باطنی تعلیم پر زور دینے کے لئے اُن کو خاص طور پر حکم دیا گیا تھا۔اور ظاہری احکام کی باطنی حکمتیں انہیں سمجھائی گئی تھیں۔گویا اُن کے دَور میں تصوف نے زمانۂ بلوغت میں قدم رکھنا شروع کر دیا تھا۔(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ: 573.574)

خُدا تعالیٰ سورۃ الفرقان آیت 4 میں فرماتا ہے۔تفسیر: کہ کفار کی عقل تو ایسی ماری گئی ہے کہ انہوں نے خُدا کے سوا معبود بنالئے ہیں جو پیدا تو کچھ نہیں کرتے ہاں آپ پیدا کئے جاتے ہیں اور خود اپنی ذات کے لئے بھی ضرر اور نفع کی کوئی طاقت نہیں رکھتے اور نہ موت اور زندگی اور دوبارہ جی اُٹھنا اُن کے ہاتھ میں ہے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معبودانِ باطلہ کی تردید میں بعض اَور دلائل دیئے ہیں۔فرماتا ہے کہ انہیں پہلی بات تو یہ سمجھنی چاہیئے کہ خُدا تعالیٰ کے لئے خالق ہونا ضروری ہے۔مگر یہ لوگ جن کو معبود قرار دیتے ہیں اُن میں سے کسی کے متعلق بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ خالق تھا۔

عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کی طرف اِس قسم کے معجزات تو منسوب کر دئے ہیں کہ وہ مُردے زندہ کر دیا کرتے تھے۔لیکن انہیں خالق قرار دینے کی عیسائیوں کو بھی جرأت نہیں ہوئی البتہ مسلمانوں میں سے بعض نادانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت مسیحؑ پرندے پیدا کیا کرتے تھے حالانکہ اگر وہ پرندے پیدا کیا کرتے تھے تو پھر وہ پرندے کہاں ہیں؟اور آیا اُن کی نسل بھی چلتی تھی یا نہیں؟اور اگر چلی تھی تو یہ کیونکر پتہ لگ سکتا ہے کہ فلاں پرندے مسیحؑ کے پیدا کردہ ہیں اور فلاں خُدا کے۔ بہر حال خُدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔اِن معبودانِ باطلہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے کوئی چیز پیدا کی ہو پس انہیں معبود قرار دینا اپنی حماقت اور نادانی کا ثبوت پیش کرنا ہے۔

دوسری دلیل اللہ تعالیٰ نے یہ دی کہ وہ صرف خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔یعنی وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور جن میں اس قدر احتیاج الی الغیر پائی جاتی ہو کہ تب تک کوئی اور ہستی انہیں پیدا نہ کرتی وہ اس دُنیا میں آ بھی نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے خُدائی کیا کرنی ہے کیا خُدا تعالیٰ کو بھی کوئی پیدا کیا کرتا ہے؟اور جب تمہیں نظر آتا ہے کہ جن ہستیوں کو یہ لوگ خُدا تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں۔وہ سب کی سب مخلوق ہیں۔حضرت مسیحؑ بھی مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔اَور بہاء اللہ جن کو مدّعی اُلوہیت قرار دیا جاتا ہے۔وہ بھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔اِسی طرح وہ تمام پیر اور فقیر اور سجادہ نشین جن کی قبروں پر سجدہ کیا جاتا ہے وہ بھی اپنی اپنی ماؤں کے پیٹ سے ہی پیدا ہوئے تو وہ خُدا کس طرح ہوئے؟یا اُن کی قبروں پر سجدہ کرنا کس طرح جائز ہوگیا پھر ایک اَور دلیل اللہ تعالیٰ اُن کے خلاف دیتا ہے اَور فرماتا ہے کہ یہ لوگ جن کو تم معبود قرار دیتے ہو ان کی تو یہ حالت ہے کہ زندگی بھر نہ تو اُن میں یہ طاقت تھی کہ کسی دُکھ اور تکلیف سے اَپنی خُدائی کی وجہ سے بچ سکتے اور نہ اُن میں یہ طاقت تھی کہ بغیر خارجی ذرائع کی امداد کے کوئی نفع حاصل کر سکتے۔ اگر یہ دُکھوں سے بچتے تھے تو بیرونی ذرائع کی امداد سے اور اگر نفع حاصل کرتے تھے تو بیرونی اسباب کے ذریعہ۔پھر جو لوگ اس قدر کمزور تھے کہ وہ بات بات میں دوسرے ذرائع اور اسباب کے محتاج تھے اُن کو خُدا اقرار دینا کتنی کوتاہ عقلی اور نادانی کا ثبوت پیش کرنا ہے۔حضرت مسیح ناصری کو ہی دیکھ لو۔اگر ضرر سے بچنے کی اُن میں طاقت ہوتی تو دشمن انہیں صلیب پر کیوں چڑھاتا۔اور کیوں انہیں کہنا پڑتا کہ:-" **ایلی ایلی لما سبقتنی یعنی** اَے میرے خُدا اے میرے خُدا:تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔"(متی باب 27 آیت42)

اور اگر اپنے لئے وہ ہر قسم کا آرام اور فائدہ اپنے زورِ بازو سے حاصل کر سکتے تھے تو جب شیطان انہیں جنگل میں آزمانے کے لئے گیا تو وہ چالیس دن بھوکے کیوں رہے اور کیوں انہوں نے یہ کہا کہ

آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا

بلکہ بات سے جو خُدا کے منہ سے نکلتی ہے

(متی باب4 آیت4)

اگر اُن میں یہ طاقت تھی کہ وہ اپنے آپ کو فائدہ پہنچا سکتے تو چالیس دن کا فاقہ انہیں کیوں برداشت کرنا پڑتا؟حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایک کشف تھا جس کو عیسائیوں نے ظاہر پر محلول کر لیا۔ورنہ اگر وہ حضرت مسیحؑ کو واقعہ میں پہاڑ پر لے جاتا تو لوگوں کو شیطان بھی نظر آتا اور اُن کا پہاڑ پر جانا بھی نظر آتا اَور اور پھر حواری ان کو اکیلا کس طرح چھوڑ دیتے لازماً وہ بھی ساتھ جاتے۔ پس درحقیقت یہ ایک کشف یا خواب کا نظارہ تھا جس کو ظاہر پر محمول کر کے مضحکہ خیز بنا دیا گیا ہے۔اسی طرح حضرت مسیحؑ نے ایک موقعہ پر کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں۔اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں ۔(متی باب8 آیت20)

اس فقرہ میں بھی حضرت مسیحؑ نے اَپنے عجز اور بے چارگی کا اقرار کیا ہے اَور بتایا ہے کہ میرے لئے تو دُنیا میں سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں اور جس شخص کی یہ کیفیت ہو۔اس کے متعلق یہ کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ وہ اَپنے اندر خُدائی صفات رکھتا۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد6 صفحہ:437.439)

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام فرماتے ہیں۔کہ درخت اَپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔مگر اس کا یہ مفہوم نہیں کہ اگر درخت کو پھل نہ لگا ہو تو درخت پہچانا نہیں جاسکتا۔اِس کے معنے یہ ہیں کہ درخت کی اصل قیمت اُس وقت معلوم ہوتی ہے جب اُسے پھل لگا ہؤا ہو۔اِسی طرح مذہب بھی اپنے ساتھ بعض

پھل رکھتا ہے۔اگر وہ پھل کسی شخص میں پائے جائیں تو اُس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ سچے مذہب کا پیرو ہے۔لیکن اگر وہ پھل نہ پائے جائیں تو محض زبان سے کسی مذہب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا اُسے نجات نہیں دے سکتا۔خود حضرت مسیح ناصریؑ کا ایک حواری ایسا تھا جس نے تمیں درہم یعنی ساڑھے سات روپے میں حضرت مسیح علیہ السلام کو بیچ دیا۔بیچنے کا لفظ اس لئے بولا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو پولیس تلاش کرتی رہتی تھی لیکن آپ اُن کے ہاتھ نہیں آتے تھے۔آپ کو پولیس کی آمد کا علم ہو جاتا تھا۔اور آپ وہاں سے روپوش ہو جاتے تھے۔ایک شخص جو کہ کئی سال تک دھڑلے سے اپنی تبلیغ دُنیا کو پہنچاتا رہا اور لوگوں کے سامنے تقریریں کرتا رہا اُس کے متعلق ہم یہ تو نہیں سمجھ سکتے کہ پولیس اُسے پہچان نہ سکتی تھی۔ پولیس آپ کو پہچانتی تو تھی لیکن معلوم ہوتا ہے مسیح علیہ السلام ایسے طور پر رہتے تھے۔کہ لوگوں کو آپ کا علم نہ ہوتا۔جیسا کہ رسولِ کریم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے اپنے اِردگرد ایسے طور پر چادر لپیٹ لی کہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے۔روایات میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہے تو آپؓ نے فرمایا۔یہ میرا ہادی ہے۔ ھادی کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔یہ بھی کہ یہ میرا آقا ہے اور یہ بھی کہ یہ مجھے راستہ دکھانے والا ہے۔اُس شخص نے سمجھا کہ یہ شخص راستہ دکھانے والا ہے۔اور وہ خاموشی سے چلا گیا۔یہ سچ کا سچ تھا اور بات کا پتہ بھی نہ لگ سکا۔ اِسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام لباس وغیرہ تبدیل کر لیتے تھے اور جگہ بدل لیتے تھے اور پہچانے نہ جاتے تھے۔آخر پولیس نے یہ تجویز کی کہ مسیحؑ کے حواریوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ ملایا جائے۔چنانچہ انہوں نے یہودا اسکریوطی کو تمیں درہم دے کر اپنے ساتھ ملایا۔اُس نے کہا کہ مجلس میں مَیں جس کے ہاتھ پر بوسہ دوں وہی مسیح ہوگا۔چنانچہ وہ مجلس میں آیا اور اُس نے آتے ہی اے استاد کہہ کر حضرت مسیح علیہ لاسلام کے ہاتھ کو چوم لیا۔اِس پر پولیس نے آپ کو گرفتار کر لیا۔اب وہ شخص بھی بظاہر مومن کہلاتا تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں اپنے آپ کو شامل کرتا تھا۔مگر اپنی بدبختی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا موجب بن گیا۔حضرت مسیح علیہ السلام کو پکڑوانے سے پہلے وہ ان کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ آپ نے الہام کے ذریعہ خبر پا کر بتایا کہ جو شخص میرے پکڑوانے کا موجب ہوگا اُس کا اور میرا ہاتھ اِس وقت پیالے میں اکٹھا پڑ رہا ہے۔اُس وقت یہودا، اسکریوطی آپ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ یہ میرے متعلق ہے اُس نے کہا کہ اے اُستاد! یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔؟ مسیح علیہ السلام نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔چنانچہ ایسا ہی ہوُا۔اور اس شخص نے ساڑھے سات روپے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام کو بیچ دیا۔ذلیل سے ذلیل چوروں کے سامنے بھی گورنمنٹ بعض دفعہ پانچ پانچ دس دس ہزار روپے پیش کرتی ہے کہ اپنے ساتھیوں کو پکڑوا دو۔لیکن وہ نہیں پکڑواتے مگر اُس نے ساڑھے سات روپے لے کر اَپنے رہبر کو پکڑوا دیا۔

(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 7 صفحہ :634.632)

حضرت مسیح ناصریؑ کے واقعہ صلیب کے متعلق مختلف اقوام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کو انہوں نے صلیب پر لٹکا دیا تھا۔اور صلیب پر ہی وہ مر گئے پھر ان کی لاش کو ایک قبر میں رکھ دیا گیا جہاں سے اُن کے مرید اُن کی لاش کو اُٹھا کر لے گئے اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ حضرت مسیح زندہ ہو گئے ہیں تا کہ وہ یہودیوں کے اس اعتراض سے بچ جائیں کہ جو شخص صلیب پر لٹکا کے مار دیا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے۔آج کل کے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر نہیں لٹکائے گئے بلکہ ان کی جگہ کسی اور شخص کو صلیب پر لٹکا دیا گیا ہے۔اور اُن کو خُدا تعالیٰ آسمان پر زندہ اُٹھا کر لے گیا اس عقیدہ کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ملتا۔

بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ان اقوال سے اختلاف کیا ہے۔اور قُرآنِ کریم، اناجیل اور تاریخ سے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر لٹکائے گئے تھے۔مگر خود حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے مطابق جو انجیل میں بیان ہیں اور آج تک محفوظ ہیں صلیب پر سے زندہ اُتار لئے گئے اور زخموں کی شدّت سے دو تین دن بے ہوشی اور ضعف کی حالت میں ایک کمرہ میں پڑے رہے۔تیسرے دن طاقت آنے پر وہاں سے نکلے اور حواریوں کی مدد سے اور انجیل کی اس پیشگوئی کے مطابق کہ مسیحؑ بنی اسرائیل کی گمشدہ

بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے آیا ہے۔ ان دس قبائل میں تبلیغ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے جن کی نسبت بائبل اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بخت نصر اُنہیں قید کر کے عراق فارس کی طرف لے گیا اور وہاں سے اُس نے اُنہیں سلطنت کے مشرقی ممالک یعنی افغانستان اور کشمیر کی طرف پھیلا دیا تھا۔ (تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد اصفحہ:517)

حاشیہ: یہودی مسیح کو صلیب پر مارنے میں کامیاب نہیں ہوئے مفسرین کی رائے کے مطابق اسکے یہ معنی کرنا کہ کوئی اور شخص بدل کر مسیح کی جگہ صلیب پر لٹکا دیا گیا تھا مضحکہ خیز خیال ہے اگر کسی شخص کو شکل بدل کر مسیح کی جگہ صلیب پر لٹکا دیا گیا تھا تو پھر یہودی سچے ہوئے کیونکہ وہ تو یہی سمجھے تھے کہ ہم نے مسیح کو صلیب پر لٹکا دیا ہے اور وہ اس پر مر گیا پھر وہ اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتے بعض لوگوں کو یہ دھوکا لگتا ہے کہ ایسے تمام الفاظ مسیح کی نسبت کیوں استعمال کیے جاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مسیح کی نسبت یہ پیشگوئی تھی کہ وہ تمثیلوں میں باتیں کریگا۔ (حاشیہ تفسیرِ صغیر صفحہ 161)

حضرت مسیحؑ نے بھی انجیل میں پیشگوئی کی ہے کہ آنے والا مسیح چوروں کی طرح آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے حواریوں سے کہا کہ "جاگتے رہو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ تمہارا خداوند کس دن آئے گا۔ لیکن یہ جان رکھو کہ اگر گھر کے مالک کو معلوم ہوتا کہ چور رات کے کون سے پہر آئے گا تو جاگتا رہتا اور اپنے گھر میں نقب نہ لگانے دیتا۔ اس لئے تم بھی تیار رہو۔ کیونکہ جس گھڑی تم کا گمان بھی نہ ہوگا۔ ابنِ آدم آجائے گا"

(متی باب 24 آیت 43.44) تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 6 صفحہ:40)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ اُس نے مسیحؑ اور اُن کی والدہ کو ایک بڑی مصیبت سے نجات دے کر ایسی جگہ پناہ دی جو بلند اور اُونچی زمین پر واقع تھی اور جہاں پانی کے چشمے جاری تھے۔ کیونکہ واقعہ صلیب سے پہلے حضرت مسیحؑ اور اُن کی والدہ پر کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں اُن کو کوئی بڑی مصیبت پہنچی ہو اور جس سے اُن کو پناہ دی جانی ضروری ہو۔ صرف صلیب کا واقعہ ایسا تھا جس نے اُن کو اور اُن کی والدہ حضرت مریم صدیقہ کو سخت غم پہنچایا۔ اَور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت مسیحؑ کو صلیب سے بچا لیا تھا اس لئے ضروری تھا کہ اب وہ کسی اور ملک کو ہجرت کر جاتے کیونکہ ملک شام میں قیصر کے باغی قرار پا چکے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہجرت کا حکم دے دیا اور پھر اپنے فضل واحسان سے انہیں ایک اَیسے بلند مقام پر جگہ دی جو اُن کے دشمنوں کی دست درازی سے محفوظ تھا۔ اور جہاں خوشگوار پانی کے چشمے بہتے تھے۔ یہ مقام جیسا کہ تاریخی شواہد سے ثابت ہے کشمیر کا علاقہ ہے جیسے اعلیٰ درجہ کے چشموں اور سَر سبز و شاداب مقامات اور نہایت عمدہ آب و ہوا کی وجہ سے لوگ جنّت نظیر قرار دیتے ہیں۔ بلکہ خود کشمیر کا لفظ حضرت مسیحؑ کے سفر کشمیر کی طرف صریح اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ کشمیری زبان میں کشمیر کو کشیر کہتے ہیں جو در حقیقت ایک عبرانی لفظ ہے۔ جو کاف اور اشیر کا مرکب ہے کاف کے معنے مانند کے ہیں اور اشیر عبرانی زبان میں ملک شام کو کہتے ہیں۔ پس کشمیر کے معنے تھے ملک شام کی مانند لیکن کثرتِ استعمال سے الف ساقط ہو گیا اور صرف کشیر رہ گیا۔ جسے بعد میں غیر قوموں کے لوگوں نے آہستہ آہستہ کشمیر بنا دیا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ کشمیری زبان میں اب تک کشمیر کے رہنے والوں کو کشیری لوگ کا شر کہتے ہیں اَور پنجابی لوگ کشمیری کہتے ہیں۔ پھر صرف کشمیر کا لفظ ہی اِس اَمر کا ثبوت نہیں کہ کسی زمانہ میں عبرانی قوم اس جگہ ضرور آباد رہ چکی ہے بلکہ تاریخی کُتب سے صراحتاً ثابت ہے کہ آج سے دو ہزار سال پہلے ایک اسرائیلی نبی کشمیر میں آیا تھا۔ جو بنی اسرائیل میں سے تھا اَور شہزادہ نبی کہلاتا تھا اُس کی قبر محلّہ خان یار میں ہے جو یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لفظ جیسا کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتب میں لکھا ہے یسوع آصف کا بگڑا ہوُا ہے۔ آصف عبرانی زبان میں اُس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی قوم کو تلاش کرنے والا ہو۔ اور یوز کا لفظ یسوع سے بگڑا ہوُا ہے گویا مسیح کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ وہ اسرائیل کے اُن دس قبائل کی تلاش اَور اُن کو خُدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے نکلے تھے۔ جن کو بخت نصر غلام بنا کر لے آیا تھا۔ اور جسے اُس نے مشرق کے علاقوں یعنی افغانستان اَور کشمیر میں لا کر بسا دیا تھا۔ حضرت مسیحؑ نے خود ایک موقعہ پر اپنے اِس مشن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اَور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا"۔ جس طرح فلسطین کے یہود کو حضرت مسیحؑ نے خُدا تعالیٰ

کا پیغام پہنچایا اِسی طرح اُن کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ مشرقی ممالک کے یہود کو خُدا تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے اور وہ اُن کی آواز پر لبیک کہتے کیونکہ مسیحؑ کے نزدیک فلسطین کی بھیڑوں نے تو اُسے کم مانا تھا لیکن دوسری بھیڑوں نے اُس کی آواز پر بہت جلد جمع ہو جانا تھا۔ان پیشگوئیوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کئے کہ فلسطین میں اُن کے خلاف مخالفت کی ایک عام رَوچل پڑی۔ یہاں تک کہ حکومت کی طرف سے آپ پر بغاوت کا مقدمہ دائر کیا گیا اور اس کے لئے پھانسی کی سزا تجویز ہوئی مگر جس طرح اللہ تعالیٰ نے یوناہ نبی کو موت کے مونہہ سے بچا لیا تھا اسی طرح حضرت مسیحؑ کو بھی اُس نے صلیبی موت سے بچالیا۔اور چونکہ اس کے بعد وہ اَپنے ملک میں نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ حکومت کی طرف سے جسے پھانسی کا حکم مل چکا ہو۔وہ اگر بچ بھی رہے تو دوبارہ تختۂ دار پر لٹکایا جاتا ہے۔اس لئے انہوں نے اس ملک کو چھوڑ دیا۔اور باوجود اس کے کہ فلسطین سے افغانستان اور کشمیر تک کا راستہ بڑا ہولناک تھا۔ پھر بھی وہ ہجرت کر کے اِن ممالک میں آئے اَور جیسا کہ قُرآنِ کریم بتاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے کشمیر کو دارالہجرت بنایا جوذاتِ قرارومعین کا مصداق تھا۔یعنی وہاں انہوں نے بغیر کسی مزاحمت کے امن وعافیت کے ساتھ رہائش اختیار کر لی۔اور پھر یہ جگہ ایسی تھی جہاں نہ صرف صاف پانی کے چشمے تھے بلکہ یہ علاقہ اپنی ٹھنڈک اور سرسبزی و شادابی میں ملک شام کی مانند تھا جہاں پہنچ کر اُن کی تمام کلفتیں دُور ہو گئیں اَور وہ ایک سو بیس سال کی عمر تک خُدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں کو پہنچاتے رہے اور آخر انہوں نے یہیں وفات پائی اور سری نگر کے محلّہ خان یار میں دفن ہوئے جہاں آج تک اُن کی قبر پائی جاتی ہے۔(تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 6 صفحہ:177 تا 179)

رسولِ کریم ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درمیانی عرصہ چھ سو سال کا ہے ۔اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درمیانی زمانہ 13 سو سال کا ہے ۔یہ 19 سو سال ہوئے۔(تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 8 صفحہ:587)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سورۃ التین کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں تین اور زیتون کے بارے میں مفسرین نے جو معنی کئے ہیں ان سے مراد تین اور زیتون کے پیدا ہونے کی جگہ ہے خصوصاً تین اور زیتون سے مُراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ مقام ہے جہاں آپ نازل ہوئے (طورِسنین) سے مراد وہ مقام جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اَور (بلد الامین) سے مُراد وہ مکّہ ہے جہاں رسولِ کریم ﷺ مبعوث ہوئے ان تینوں مقامات کا تورات کے آخر میں ذکر ملتا ہے۔بائبل میں ان تینوں انبیاء کا ذکر اس ترتیب سے کیا ہے جس ترتیب سے یہ انبیاء یکے بعد دیگرے آئے پہلے طورِ سینا سے حضرت موسیٰ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جبال فاران سے رسولِ کریم ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے۔البتہ قُرآنِ کریم نے بائبل کی ترتیب کو درجوں کے لحاظ سے ظاہر کیا ہے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور پھر رسولِ کریم ﷺ کا قُرآن کریم نے زمانی ترتیب کو نہیں لیا بلکہ درجہ کی ترتیب کو لیا اس لئے پہلے تین اور زیتون کا ذکر آیا جس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ باقی دو انبیاء سے درجہ میں چھوٹے تھے اس کے بعد طورِ سنین میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا کیونکہ وہ درجہ میں حضرت عیسیٰؑ سے بڑے تھے آخر میں البلد الامین میں رسولِ کریم ﷺ کا ذکر کیا گیا کیونکہ آپؐ حضرت عیسیٰ اور موسیٰ دونوں سے افضل ہیں۔ (تفسیرِ کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 9 صفحہ:15)

☆☆☆☆☆☆

دُعا میں رِقّت حاصل کرنے کی دُعا

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ، تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدُّمُوْعِ مِنْ خَشْیَتِكَ، قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا، وَالْاَ جْرَاسُ جَمْرًا۔

(ابن عساکر۔بروایت ابن عمرؓ :خزینۃ الدعا صفحہ:27)

ترجمہ: اے اللہ! مجھے برسنے والی آنکھیں عطا کر دے۔جو تیری خشیّت میں آنسوؤں کے بہنے سے دل کو ٹھنڈا کر دیں۔ پہلے اِس سے کہ آنسو خون بن جائیں۔

حضرت لقمان علیہ السلام

حضرت لقمان کو خدا کی طرف سے حکمت کا عطا ہونا۔ اور ان کی اَپنے بیٹے کو نصائح

سورۃ لقمان ترجمہ تفسیر صغیر آیت ۱۳ تا ۲۰ صفحہ نمبر 535.534

ترجمہ: اور ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی اور کہا تھا کہا اللہ کا شکر ادا کر اور جو شخص بھی شکر کرتا ہے اس کے شکر کرنے کا فائدہ اسی کی جان کو پہنچتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ سب قسم کے شکروں سے بے نیاز ہے اور بڑی حمد والا ہے۔ 31:13

اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے بیٹے اللہ کا شریک کسی کو مت قرار دے شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ 31:14

اور ہم نے یہ کہتے ہوئے کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر انسان کو اَپنے والدین کے متعلق (احسان کرنے کا) تاکیدی حکم دیا تھا اور اس کی ماں نے اسے کمزوری کے (ایک دَور کے) بعد کمزوری (کے دوسرے دَور) میں اُٹھایا تھا اور اُس کا دودھ چھڑانا دو سال کے عرصے میں تھا یاد رکھو میری ہی طرف تجھ کو لوٹ کر آنا ہے۔ 31:15

اور اگر وہ تجھ سے دونوں بحث کریں کہ تو کسی کو میرا شریک مقرر کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو اُن دونوں کی بات مت مانیو۔ ہاں دینوی معاملات میں اُن کے ساتھ نیک تعلقات قائم رکھیو اور اس شخص کے پیچھے چلیو جو میری طرف جھکتا ہے اور تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہوگا اس وقت میں تم کو تمہارے عمل سے خبردار کروں گا۔ 31:16

لقمان نے کہا کہ) اے میرے بیٹے بات یہ ہے کہ اگر ایک عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو پھر وہ (رائی کے برابر عمل کسی) پتھر میں یا آسمانوں میں یا زمین میں چھپا ہوا ہو تو اللہ اس کو ظاہر کردے گا۔ اللہ باریک سے باریک راز کو پالینے والا اور بہت خبردار ہے۔ 31:17

اَے میرے بیٹے نماز کو تمام شرائط سے قائم رکھ اور معروف (یعنی وہ باتیں جو عرف عام میں اچھی سمجھی جاتی ہیں) باتوں کا حکم دیتا رہ اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتا رہ اور (جو تنگی ترشی) تجھے پہنچے اس پر صبر سے کام لے یہ بات یقیناً نہایت ہی ہمت والے کاموں میں سے ہے۔ 31:18

اَپنے گال لوگوں کے سامنے (غصہ) سے مت پھلا اور زمین میں تکبر سے مت چل اللہ یقیناً ہر شیخی کرنے والے اور فخر کرنے والے سے پیار نہیں کرتا۔ 31:19

اور اَپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور اَپنی آواز کو دھیما رکھا کر (کیونکہ) آوازوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے (جو بہت اُونچی ہوتی ہے)۔ 31:20

از تفسیر کبیر

سورۃ لقمان میں لقمان کا قول ہے۔ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ (سورۃ لقمان 31:14)

مثنوی رومیؒ میں حضرت لقمان کے متعلق جن کو بعض لوگ نبی بھی سمجھتے ہیں ایک واقعہ لکھا ہے کہ وہ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ انہیں کسی نے ان کے والدین کی وفات کی وجہ سے غلام بنا لیا اور ایک تاجر کے پاس بیچ دیا۔ اس تاجر نے انہیں ذہین اور ہوشیار سمجھ کر ان سے غلاموں والا سلوک ترک کر دیا۔ اور اُن سے محبت کرنے لگا۔ ایک دن کسی نے اسکو تحفۃً ایک خربوزہ پیش کیا جو بظاہر بہت اچھا تھا۔ اُس نے ایک قاش کاٹ کر حضرت لقمان کو دی۔ انہوں نے چکھی تو نہایت کڑوی تھی۔ لیکن بڑے مزے لے لے کر کھانی شروع کر دی مالک نے ایک اور قاش کاٹ کر دے دی۔ حضرت لقمان نے پھر مزے لے لے کر کھائی۔ حتی کے تاجر نے یہ سمجھ کر کہ یہ بڑا میٹھا خربوزہ ہے ایک قاش خود بھی چکھی تو اُسے معلوم ہوُا کہ نہایت کڑوا خربوزہ ہے۔ اس پر وہ حضرت لقمان کو خفا ہوُا کہ تم نے بتایا کیوں نہیں۔ اگر تم بتاتے تو مَیں تمہیں اور کڑوی قاشیں تو نہ کھلاتا۔ حضرت لقمان نے کہا۔ کہ جس ہاتھ سے اتنی میٹھی قاشیں مَیں نے کھائی ہوئی تھیں کیا مَیں اتنا ہی بے شرم تھا کہ اُس کی ایک دو قاشوں کو کڑوی سمجھ کر ردّ کر دیتا۔ (تفسیر کبیر دوسرا ایڈیشن جلد 2 صفحہ: 298)

"*Og gå med moderate skritt og senk din stemme, for den avskyeligste stemmen er visselig eselets stemme.*" (31:20)

Hadrat Luqman[as] var foreldreløs og ble derfor tatt til slave og solgt videre til en handelsreisende. Handelsmannen så at Hadrat Luqman[as] var annerledes enn resten av slavene og behandlet ham dermed godt og ga ham kjærlighet.

En dag gav handelsmannen Hadrat Luqman[as] en melonskive, og selv om denne var sur spiste Hadrat Luqman[as] den uten å klage og lot som om det smakte godt. Da handelsmannen så dette ga han ham en skive til, og igjen gjorde Hadrat Luqman[as] det samme. Dette fikk handelsmannen til å tro at denne melonen var søt og dermed kunne han også spise den, men da han tok en bit så forstod han at det ikke var tilfelle. Han ble sur på Hadrat Luqman[as] og sa: «Hvorfor sa du ikke ifra om at melonen var sur? Hvis du hadde sagt ifra ville jeg ikke ha gitt deg flere skiver.» Til dette svarte Hadrat Luqman[as]: «Jeg har alltid spist godt fra din hånd, hvorfor skulle jeg da klage over disse to skivene som ikke smakte like godt?» Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave side 298

Profeten Luqman[as]

Følgende vers i Koranen omhandler Hadrat Luqmans[as] råd til sin sønn, og hvordan Allah skjenket Hadrat Luqman[as] visdom:

Sura Luqman

"*Dette er Allahs skapning. Men vis meg det Hans (såkalte) medguder har skapt. Men nei, de urettferdige befinner seg i en åpenbar villfarelse.*" (31:12)

"*Og Vi sjenket visselig Luqman visdom, (og sa): Vær takknemlig mot Allah, og den som er takknemlig, er takknemlig for sitt eget beste. Men den som er utakknemlig, (hans skal vite) at Allah visselig er Uavhengig, all lovprisning Verdig.*" (31:13)

"*Og (ihukom) da Luqman sa til sønn, da han formanet ham: Å min sønn, sett ikke (noen eller noe) opp ved siden av Allah, for avgudsdyrkelse er visselig en stor urett.*" (31:14)

"*Og Vi har pålagt mennesket (å handle godt) angående dets foreldre, dets mor bærer det i svakhet på svakhet og dets avvenning tar to år, (idet Vi åpenbarte): Vær takknemlig mot Meg og dine foreldre, til Meg vender du tilbake.*" (31:15)

"*Men hvis de strides med deg, om at du skal sette opp ved siden av Meg det som du ikke har noen viten om, så skal du ikke adlyde dem. Men omgås dem på passende vis i denne verden, og følg (det religionen angår) veien til den som vender seg til Meg. Så skal dere vende tilbake til Meg, og Jeg vil underrette dere om det dere pleide å gjøre.*" (31:16)

"*(Luqman sa): Å min sønn, om det så bare vekten av et sennepsfrø, og det er i en klippe eller i himlene eller på jorden, så vil Allah bringe det for dagen. Allah kjenner sannelig de mest skjulte hemmelighetene, (og Han er) Allvitende.*" (31:17)

"*Å min sønn, hold bønn (regelmessig) og påby det gode og forby det onde, og vær utholdene i (alt) som rammer deg, for det er (et spørsmål) om en fast beslutning.*" (31:18)

"*Og vend ikke ditt kinn bort fra mennesker (i forakt), og gå ikke hovmodig (omkring) på jorden, for Allah elsker visselig ikke noen arrogant praler.*" (31:19)

"*Messias forsmår ikke å være en tjener for Allah, og det gjør heller ikke de nærstående engler. Og de som forsmår å tjene Ham, og føler seg for stolte, dem vil Han visselig samle alle sammen til Seg.*" (4:173)

Sura Al-Muminun

"*Og Vi gjorde (Jesus), Marias sønn, og hans mor til et tegn. Og Vi skjenket dem tilflukt i et høyland, et fredelig sted med strømmende vann.*" (23:51)

Sura Al-Saff

"*Og da Jesus, Marias sønn, sa: Å Israels barn, jeg er visselig Allahs sendebud til dere, som bekrefter og oppfyller det som er før meg, (av profetiene) i Torahen, og bringer gledelig budskap om et sendebud som skal komme etter meg, hvis navn skal være Ahmad. Så da han kom til dem med de klare bevis, sa de: Dette er åpenlys magi.*" (61:7)

Al-Tauba

"*Og jødene sier: 'Azîz [Ezra] er Allahs sønn, og de kristne sier: Messias er Allahs sønn. Dette er hva de sier med sine munner; de etterlikner talen til dem som var vantro før. Allahs forbannelse over dem! Som de er bortvendte.*" (9:30)

mangler), det passet seg ikke at jeg skulle si det jeg ikke har rett til. Hadde jeg sagt det, så hadde Du visst det. Du vet hva som er i mitt hjerte, men jeg vet ikke hva som er i Deg, for Du er alene Den som kjenner de skjulte ting." (5:117)

"*Jeg sa ikke annet til dem enn hva Du hadde befalt meg: Tjen Allah, min Herre og deres Herre! Og jeg var vitne over dem så lenge jeg var hos dem, men etter at Du lot meg dø, er Du vokter over dem, og Du er vitne til alle ting.*" (5:118)

<u>Sura Al-Baqarah</u>

"*Og (ihukom den tid) da dere forsøkte å drepe et menneske og stridde om det. Og Allah måtte bringe frem i lyset det dere skjulte.*" (2:73)

"*Disse sendebud har Vi opphøyet, noen over andre. Blant dem er de som Allah har talt til, og noen av dem (har Han) opphøyet i rang. Og Vi ga Jesus, Marias sønn, de klare bevis og styrket ham med den Hellige ånd. Og om Allah hadde villet det, så ville de (som kom) etter dem, ikke ha kjempet mot hverandre etter at de klare bevis var kommet til dem. Men de ble uenige. Og blant dem er det dem som tror, og blant dem er det dem som er vantro. Og om Allah hadde villet det, hadde de ikke kjempet innbyrdes, men Allah gjennomfører det Han ønsker.*" (2:254)

<u>Sura Al-Nisa</u>

"*Og fordi de har sagt: Sannelig, Vi har myrdet Messias, Jesus, Marias sønn, Allahs sendebud! - De myrdet ham ikke, og de drepte ham ikke ved korsfestelsen, men han forekom dem (død), og de som var uenige om det, er visselig i tvil om det. De har ingen (sikker) viten, men følger (bare) en formodning, og de drepte ham visselig ikke.*" (4:158)

"*Derimot har Allah æret ham hos Seg, og Allah er Allmektig, Allvis.*" (4:159)

"*Og det er ingen gruppe blant Skriftens folk unntagen at den visselig vil tro på ham før hans død, og på Oppstandelsens dag vil han [Jesus] være et vitne mot dem.*" (4:160)

"*Å dere Skriftens folk, overdriv ikke deres religion og si ikke noe om Allah unntagen sannheten. Sannelig Messias, Jesus, Marias sønn, var bare Allahs sendebud og (oppfyllelsen av) Hans ord, som Han sendte til Maria, og en barmhjertighet fra Ham. Tro derfor på Allah og Hans sendebud og si ikke: Tre! Avhold dere (fra det), det vil være best for dere, sannelig Allah er bare én Gud! Hellig er Han, fra å ha en sønn! Ham tilhører det som er i himlene og det som er på jorden! Og Allah er tilstrekkelig som Beskytter.*" (4:172)

"*Og Vi lot Jesus, Marias sønn, følge i deres [sendebudenes] fotspor som oppfyllelse av det som var før ham i Torahen. Og Vi ga ham Evangeliet hvor (det var) rettledning og lys og en bekreftelse på det som var før det, nemlig Torahen, og en rettledning og en formaning for de gudfryktige.*" (5:47)

"*Sannelig, de er vantro som sier: Allah - det er Messias, Marias sønn! - Men Messias sa (selv): Å Israels barn, tilbe Allah, min Herre og deres Herre. Sannelig den som setter noen ved siden av Allah, ham har Allah visselig forbudt Paradiset. Og hans sted vil være (Helvetes) ild! Og de urettferdige skal ikke ha noen hjelpere.*" (5:73)

"*Messias, Marias sønn, var kun et sendebud! Og alle sendebud før ham er visselig gått bort! Og hans mor var en sannferdig kvinne. Begge pleide å spise, se hvordan Vi gjør tegnene klare for dem, og se så hvordan de har vendt seg bort (fra sannheten).*" (5:76)

"*(På den dag) da Allah vil si: Å Jesus, Marias sønn, ihukom Min nåde mot deg og din mor da Jeg styrket deg med den Hellige ånd. Så du talte til mennesker i vuggen og som middelaldrende. Og (ihukom) den tid da Jeg lærte deg Boken og visdommen og Torahen og Evangeliet, og da du dannet av leire liksom en fugl på Mitt bud, og deretter blåste du i den livsånd, og den ble et bevinget vesen etter Mitt bud. Og du helbredet de blinde og de spedalske på Mitt bud. Og da du gjorde de døde levende på Mitt bud. Og da Jeg holdt Israels barn borte fra deg da du kom til dem med klare bevis. Men de vantro blant dem sa: Dette er intet annet enn åpenlyst bedrag!*" (5:111)

"*Og da Jeg åpenbarte til disiplene: Tro på Meg og Mitt sendebud, sa de: Vi tror, og bevitner at vi har underkastet oss.*" (5:112)

"*Da disiplene sa: Å Jesus, Marias sønn, mon din Herre kan sende oss et bord med føde fra himmelen? - sa han: Frykt Allah om dere er troende.*" (5:113)

"*De sa: Vi ønsker å spise av det, og våre hjerter vil være fylt av fred, og vi vil vite at du visselig har talt sannhet til oss, og vi vil være vitner til det.*" (5:114)

"*Jesus, Marias sønn sa: Å Allah, vår Herre, send oss et bord med føde fra himmelen, så det skal være en fest for oss, for de første av oss og de siste av oss, og et tegn fra Deg. og forsyn Du oss, for Du er den Beste av (alle) forsørgere.*" (5:115)

"*Og (ihukom den tid) da Allah vil si : Å Jesus, Marias sønn, har du sagt til menneskene: Ta meg og min mor som to guder ved siden av Allah? Han vil si: Hellig er Du (og fri for alle*

Gud har sagt at vi vil sannelig gjøre det slik og dette vil føre til at han vil bli et av våre tegn og han vil bli en nåde for menneskeheten. Altså det at han ble født uten en far, vil gjøre ham til et tegn for menneskeheten, og en nåde for dem. Det at han ble født uten en far vil være et tegn på at Abrahams lys, i form av profetdømmet, nå vil overføres fra israelittene til Ismaels nasjon.

Dette er visselig Koranens storhet at der den nevner Jesus fødsel, nevnes også samtidig hans lære om kjærlighet. Bibelen, derimot nevner ikke hans lære om kjærlighet i tilknytning til hans fødsel. Jesus storhet var hans lære om kjærlighet, og Koranens nevnelse av dette, vitner om Jesu[as] storhet og sannhet.

Hadrat Masih Nasri[as] har sagt at et tre kjennetegnes via sine frukter. Men, dette betyr ikke at hvis et tre ikke bærer frukter så kan ikke dette treet gjenkjennes. Dette betyr at et tres sanne verdi blir oppdaget først når det får frukter. På samme måte har også en religion eller trosretning mange frukter knyttet til den. Hvis disse fruktene er å finne i noen av menneskene som tror på denne religionen kan vi si at dette mennesket sannelig tror på det sanne. Men, hvis de fruktene ikke er å finne hos ham så er det ikke tilstrekkelig for å oppnå frelse, at man kun sier med ord at man tror.

En av Jesu[as] sine disipler forrådte ham for 30 dirham. Politiet var på søken etter Jesu[as], men klarte ikke å få tak i ham, da han alltid klarte å komme seg unna. Det var ikke her snakk om at politiet ikke gjenkjente ham, han misjonerte jo i flere år og holdt taler foran folk. Politiet kunne gjenkjenne ham, men det fortelles at Jesu[as] oppførte seg på en måte som gjorde ham lite synlig for de rundt ham. Slik som profeten Muhammad[saw] tok et sjal rundt seg idet han skulle flykte til Medina sammen med Hadrat Abu Bakr[ra]. Det berettes også at en person spurte Hadrat Abu Bakr[ra] om hvem som var med ham og han svarte: «Dette er min hadi». Hadi kan bety to ting. Det første at dette er min mester, den andre betydningen kan være at dette er han som viser meg veien. Han som stilte spørsmålet tenkte at dette er en som viser Hadrat Abu Bakr[ra] veien. Svaret til Hadrat Abu Bakr[ra] var sant, samtidig som han slapp å avsløre hvem som var med han.

<u>Sura Al-Maidah</u>

"*Vantro er sannelig de som sier: Sannelig Allah, Han er Messias, Marias sønn. Si: Hvem har da noen makt mot Allah, om Han ønsker å tilintetgjøre Messias, Marias sønn, og hans mor og alle som er på jorden? Og Allah tilhører kongedømmet over himlene og jorden, og det som er mellom dem. Han skaper det Han vil! Og Allah er mektig over alle ting.*" (5:18)

«*Han [Jesus] svarte: Jeg er Allahs tjener. Han har gitt meg Boken og gjort meg til profet.*» Vers 31

«*Og Han har gjort meg velsignet, hvor jeg enn er, og Han har befalt meg bønn og almisse, så lenge jeg lever.*» Vers 32

«*Og Pliktfull opptreden mot min mor, og Han har ikke gjort meg hovmodig (og) nådeløs.*» Vers 33

«*Og fred være med meg den dag jeg ble født og den dag jeg dør, og den dag jeg gjenoppstår til nytt liv.*» Vers 34

«*Dette var Jesus, Marias sønn. (Dette er) en sann beretning, som de tviler om.*» Vers 35

«*Det er umulig, at Allah kunne ta Seg en sønn. Hellig er Han (uten feil og mangler). Hvis Han beslutter en sak, så sier Han kun: Bli til, og så blir den til.*» Vers 36

«*(Jesus sa): Og sannelig, Allah er min Herre og deres Herre, tilbe derfor Ham (alene). Dette er den rette vei.*» Vers 37

Forklaring fra «Tafseer-e-Sagheer» og «Tafseer-e-Kabeer»

Koranen sier at da Hadrat Mariam[as] så dette synet sa hun at hvis du er «taki» så ber jeg om den Nåderikes beskyttelse fra deg. Disse ordene vitner om hennes tilstand, og det er også fortalt at Hadrat Mariam[as] ble så bekymret etter å ha observert dette at hun spurte: «Finnes det gudfryktighet i deg?» Jeg ber til Gud den Nåderike at han skal beskytte meg fra din vrede. Den Nåderike betyr den som skjenker mennesket velsignelser uten at det er gjort noen forsøk i dette henssende fra menensket selv. Hun ble altså så bekymret at hun sa til Gud: «Gud, ikke se hen til mine handlinger, ikke se på om jeg har gjort noe for å oppnå ditt velbehag eller ikke, jeg ber Deg til deg på grunn av Din nåde om at Du skal beskytte meg fra denne personens vrede.»

Profeten Jesu[as] ble født uten en far og som et tegn på Guddommelighet. Dette skjedde fordi Gud ville at profetdømmet som frem til nå var skjenket profeten Moses[as] sitt folk skulle opphøre og overføres til Hadrat Ismaels[as] stamme. Profetdømmet hadde vært deres over så lang tid at Isaks nasjon aldri kunne forestille seg at profetdømmet noensinne kunne overføres en annen nasjon. For at dette skulle kunne finne sted var det imidlertid behov for en stor villedning, og Jesu fødsel uten en far, ble nettopp denne villedningen. Det er ikke tvil om at dette var et stort tegn fra Gud, men dette ble også samtidig en villedning for jødene.

"*(Ihukom den tid) da Allah sa: Å Jesus, Jeg vil la deg dø (en naturlig død) og forlene deg ære hos Meg og rense deg (for anklagene) fra dem som er vantro, og sette dem som følger deg over dem som er vantro, inntil Oppstandelsens dag. Så skal dere vende tilbake til Meg, og Jeg vil dømme mellom dere i det dere var uenige om.*" Vers 56

«*Sannelig, med Jesus er det hos Allah liksom med Adam [mennesket]. Han skapte ham av støv, og så sa Han til ham: Bli til, og han ble til.*» Vers 60

Sura Mariam vers 20 – 37

«*Han svarte: Jeg er kun et sendebud fra din Herre, som skal gi deg (nyheten om) en ren (og fullkommen) sønn.*» Vers 20

«*Hun sa: Hvordan kan jeg få en sønn, når ingen mann har rørt meg, og jeg ikke har vært ukysk?»* Vers 21

«*Han svarte: Slik (skal det være). Din Herre sier: Det er lett for Meg, og (Vi vil skape ham) for å gjøre ham til et tegn for menneskene, og en barmhjertighet fra Oss. Og (dette) er en allerede besluttet sak.*» Vers 22

«*Deretter ble hun svanger, og trakk seg tilbake med ham til et fjernt sted.*» Vers 23

«*Da drev fødselsveene henne til palmetreets stamme. Hun sa: Gid jeg hadde dødd før dette, og hadde blitt noe helt bortglemt.*» Vers 24

«*Da kalte (engelen) henne fra (et sted) nedenfor henne: Vær ikke bebdrøvet. Din Herre har frembrakt en bekk nedenfor deg.*» Vers 25

«*Og ryst palmetreets stamme mot deg, så vil det la friske modne dadler falle over deg.*» Vers 26

«*Så spis og drikk, og kjøl (ditt forgrette) øye, og hvis du ser noen mann, så si: Jeg har lovet den Nåderike en faste, derfor vil jeg ikke snakke til noe menneske i dag.*» Vers 27

«*Deretter førte hun barnet til sitt folk ridende. De sa: Å Maria, du har visselig gjort noe forunderlig.*» Vers 28

«*Da pekte hun på ham. De sa: Hvordan kan vi snakke med en som er (som) et barn i vuggen (sammenliknet med oss).»* Vers 30

Profeten Jesus[as]

Sura Al-Imran vers 46 – 60

«*Da englene sa: Å Maria, Allah gir deg visselig gledelig budskap ved et ord fra Ham; hans navn skal være Messias, Jesus, Marias sønn, æret i denne verden og i den kommende, en av dem som står (Gud) nær.*» Vers 46

«*Og han skal tale til mennesker (mens han er) i vuggen og som middelaldrende, og være en av de rettferdige.*» Vers 47

«*Hun sa: Min Herre, hvordan skal jeg få en sønn når ingen mann har rørt meg? Han sa: Slik er Allah, Han skaper hva Han vil. Når Han har besluttet en ting, så sier Han bare til den: Bli til – så blir den til.*» Vers 48

«*Og Han skal lære ham Skriften og visdommen og Torahen og Evangeliet.*» Vers 49

«*Og (vil sende ham som) et sendebud til Israels barn (for at han skal si): Jeg er visselig kommet til dere med et tegn fra deres Herre; jeg vil fremstille for dere av leire (noe) i likhet med en fugl, og så vil jeg blåse (livsånde) i den, og den vil bli et bevinget vesen med Allahs vilje, og jeg vil helbrede de blinde og de spedalske, og jeg vil gjøre de (åndelige) døde levende ved Allahs vilje, og jeg vil meddele dere hva dere spiser og hva dere lagrer i deres hus. Sannelig, i dette er det et tegn for dere, om dere da er troende.*» Vers 50

«*Sannelig, Allah er min Herre og deres Herre, tilbe derfor Ham; dette er den rette vei.*» Vers 52

«*Men etter at Jesus hadde oppdaget deres vantro sa han: Hvem er mine hjelpere i Allahs sak? Disiplene sa: Vi er Allahs hjelpere. Vi tror på Allah, og bevitne du at vi er gudhengivne.*» Vers 53

«*Og de [deres fiender] la en plan, og Allah la (også) en plan. Og Allah er den Beste planleggeren.*» Vers 55

Da profeten Sakarja[as] ble bedt av Gud om å ihukomme Gud i tre dager bestemte han seg for ikke å snakke med noen og holde seg opptatt med tilbedelse av Gud. Når han da kom ut av sitt rom eller ut av moskeen, snakket han til sine venner på en slik måte at fremmede ikke skulle kunne høre ham. Dette forteller oss blant annet at han ikke kunne ha vært helt stum. Meningen var kun å snakke lavt slik at ingen andre skulle høre ham. (Tafseer-e-kabeer, 2. utgave, bind 5, s. 145)

ville fornekte den kommende Messias[as]. Og at han ikke bare ville inneha sine fars egenskaper, men også sine forfedres. Og at Gud ville ha ham kjær.

Profeten Sakarja[as] visste, på grunnlag av flere profetier, at den jødiske stammen snart var i ferd med å bli fratatt den nåden de hadde fått i form av profetdømmet, åpenbaringer og profetier fra Gud. Han ba likevel denne bønnen, fordi han ønsket noen som kunne lede an veien for den lovede jødiske profeten som skulle komme.

Gud bønnhørte Sakarja[as] og ga ham en god nyhet om en sønn som ville være i besittelse av hans egenskaper, og at hans navn ville være Johannes[as]. Han ville være enestående og nå alderdom. (Johannes[as] er blant de profetene hvis navn er blitt holdt levende for all evighet. Dette fordi hans profetdømme er knyttet til profetdømme til Jesu[as], hvis profetdømme igjen er knyttet til profeten Muhammad[saw], hvis navn er holdt levende for hele verden til evig tid). Gudommelig dekret står imidlertid fast, og selv hvor mye profeten Johannes[as] enn prøvde, klarte han ikke å forberede jødene på å akseptere deres messias.

Da profeten Sakarja[as] hadde mottatt denne nyheten, ba han Gud om å gi ham en mulighet til å takke Ham. Han ble så bedt av Gud om å tilbringe 3 dager i bønn og dette skulle bli et tegn på hans takknemlighet. Toraen tolker dette imidlertid forskjellig fra Koranen, og sier at da Gud ga Sakarja[as] nyheten om en sønn i alderdom så ble profeten Sakarja[as] svært forbløffet og spurte hvordan dette kunne være mulig. Det sies videre at han grunnet sin reaksjon, ble straffet av Gud, ved at han ble fratatt taleevnen. Å bli overrasket over den absolutte aksept av ens bønn kan nok føre til at man får belønning, men ikke straff. Den tre dager lange stillheten til profeten Sakarja[as] var for Guds skyld, og ikke fordi han sonet en straff. Dersom det hadde vært tilfellet ville konen til profeten Sakarja[as] også fått den samme straffen. (Tasfeer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 5, s. 124-143)

Allah vil at vi skal minnes Sakarja[as] da han ba til sin Gud og sa: ”Å min Herre! Ikke etterlat meg alene, for du er den beste arving. Da hørte Vi hans bønn og helbredet hans kone - Vi ga ham Johannes[as]. (Denne familiens tilstand minner om profeten Job[as] sin). Så forteller Allah at Han hjalp dem fordi de alltid var raske til å utføre gode handlinger, og grunnet ønsket om belønning og frykt for straff, vendte de alltid til Gud om hjelp – Og ba alltid ydmykt til Ham. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 5, s. 562).

Sura Anbiya

«*Og (ihukom) Sakarja, da han påkalte sin Herre: Min Herre, etterlat meg ikke alene, og Du er den beste arving.*» (21:90)

Profeten Sakarja[as] er nevnt i dette verset fordi etter dette blir Mariam og hennes sønn nevnt, som begge levde under Profeten Sakarja[as] sin tid og var hans slektninger. (Tafseer-e-Sagheer s. 418)

«*Så bønnhørte Vi ham. Og Vi skjenket ham Johannes og helbredet hans kone for ham, da de pleide å kappes i gode gjerninger, og de påkalte Oss i håp og frykt, og de ydmyket seg for Oss.*» (21:91)

Tasfeer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 5, s. 124-143

Profeten Sakarja[as] har i disse versene, til tross for at han hadde nådd alderdommen, bedt Gud om en sønn som kan rettlede hans stamme og hjelpe dem med å holde fast ved sin tro. Det at han i en slik tilstand av fortvilelse og håpløshet ba til Gud viser at han hadde stor tillit til at Gud ville høre hans bønn, slik han alltid hadde gjort.

Profeten Sakarja[as] og hans slektninger tilhørte familien som tjente jødiske tilbedelsessteder, og holdt til blant annet ved Bait-ul-Muqaddas. Profeten Sakarja[as] merket at hans stamme ble mer og mer opptatt av det verdslige, og at de heller aldri gjorde noen forsøk på å redde sin tro, jødedommen. Når han så deres stadig økende tiltrekning til det verdslige ba han til Allah og sa: "Å min Herre! Jeg har nådd alderdommen og min kone er ufruktbar, skjenk meg noen som kan ta hånd om min slekt, og hjelpe dem med å holde fast ved sin tro. En som kan være arving av både meg, av Jakob[as], av Moses[as], av Aron[as], av David[as], av Solomon[as], og inneha alle disse profeters egenskaper. Hadrat Musleh Maud[ra] sier at Subhan'Allah, dette er en vakker bønn i den forstand at selv om det ikke var noe håp om å få barn ba han likevel om å få en gudfryktig sønn som ville ha som mål å veilede den jødiske stammen slik at de, når den tid kom, ikke

Profeten Sakarja[as]

Sura Al-e-Imran

«*De påkalte Sakarja sin Herre. Han sa: Min Herre, skjenk Du meg en ren etterkommer, Du er sannelig den som bønnhører.*» (3:39)

«*Da kalte englene ham mens han sto og ba i kammeret: Allah gir deg gledelig budskap om Yahya (Johannes), som skal bekrefte et ord fra Allah, og (som skal være) edel og ren, en profet, en av de rettferdige.*» (3:40)

«*Han sa: Min Herre, hvordan skal jeg få en sønn, når jeg (dog) har nådd alderdommen, og min kone er ufruktbar. Han sa: Slik er Allah; Han gjør hva Han vil.*» (3:41)

«*Han sa: Min herre, bestem et tegn for meg. Han sa: Ditt tegn skal være at du ikke taler til mennesker i tre dager, unntagen ved geberder, og ihukom din Herre meget, og lovpris Ham aften og morgen.*» (3:42)

Sura Mariam

«*Og jeg frykter visselig (oppførselen til mine) slektninger etter (min død), og min hustru er ufruktbar. Så gi meg derfor (som en velsignelse) dra Deg, en etterfølger.*» (19:6)

«*Som vil arve etter meg og etter Jakobs slekt, og gjør ham, min Herre, velbehagelig (for Deg).*» (19:7)

«*(Allah sa): Å Sakarja. Vi sender deg visselig et gledelig budskap om en sønn, som skal hete Johannes. Vi har ikke gitt noen det navnet før ham.*» (19:8)

«*Han (Sakarja) sa: Hvordan skal jeg kunne så en sønn, når min kone er ufruktbar, og jeg allerede har nådd sen ytterste (grense av) alderdommen?*» (19:9)

«*Han sa: Min herre, gi meg et tegn. Han (Allah) svarte: Ditt tegn skal være, at du ikke snakker med mennesker på tre dager og tre netter på rad.*» (19:11)

vanlig tilnærmingsmåte å tilby gode ord før en legger frem sitt ønske, i et forsøk på å øke sjansene for innvilgelse av ønsket. Samme fremgangsmåte bør følges ved bønn. Først etter å ha erkjent Guds storhet og makt, og lovpriset og ihukommet Ham, bør en legge frem sin bønn. (Sura Ambii'a, Tafseer-e-kabeer s. 561-562; utgave 2, volum 5).

«*(De møtte en storm og det var fare for å synke) og han deltok I en trekning med alle andre reisende, og siden han ble trukket opp, ble han kastet ut i havet.*» (37:142)

«*Og en stor fisk slukte ham, mens han bebreidet (seg selv).*» (37:143)

«*Og hadde han ikke vært en av dem, som lovpriser Allah,*» (37:144)

«*ville han visselig ha forblitt i dens buk, inntil oppstandelsens dag (altså vært død).*» (37:145)

«*Så vi kastet ham opp på et åpent område (ved kysten), mens han var syk.*» (37:146)

«*Og vi lot en gresskarplante vokse ved ham,*» (37:147)

«*og vi sendte ham (som et sendebud) til over ett hundre tusen mennesker,*» (37:148)

«*og de (alle) trodde, og vi forkynte dem derfor (med forskjellige goder) for en lang tid.*» (37:149)

Fordypning fra Tafseer-e-kabeer utgave 2, Volum 3 og 5

Den som leser disse versene nøye, vil se de mange bevis på Guds storslåtte nåde som finnes i disse. Versene formidler et brennende ønske om at hele verden kunne oppnå rettledning, samtidig som de uttrykker en enorm sorg over at der ikke er flere nasjoner slik som profeten Jonas[as] sitt folk, hvor alle var troende. Når de stod ovenfor Guds vrede, vendte de seg oppriktig til Ham og Gud godtok da deres bønner om tilgivelse, og reddet dem fra Sin straff. Det samme skjedde med folket til profeten Muhammad[saw] da Mekka ble erobret, og Gud reddet dem fra Sin straff og velsignet dem. Dog kan det trekkes paralleller mellom profeten Muhammad[saw] og profeten Jonas[as].

I følge bibelen ble Hadrat Jonas[as] født i Gat-Heper i Zeboon. På den tiden, 187-145 FK, var det Jeroboam som hersket. Det fortelles om Jeroboam i bibelen, 2 Kongebok 14:25. Bibelen forteller også om profeten Jonas[as], som det er dedikert en bok til. (Sura Yunus, vers 99. Tafseer-e-kabeer s.129, utgave 2; volum 3)

Profeten Jonas[as] sin måte å be på, viser oss hemmeligheten bak hvilke bønner som blir hørt, og er noe som alle bør ha i minne, ved utførelse av en bønn. Før en legger frem sin bønn for Gud, er det viktig å lovprise og ihukomme Ham. Profeten Jonas[as] gjorde nettopp dette da han sa: "*Å min Herre, all lovprisning tilkommer Deg, ingen andre enn Deg er tilbedelsesverdig og Du er fri for enhver mangel*". Deretter la han frem sin nød og ba om Guds hjelp. Det er denne fremgangsmåten enhver sann troende bør etterfølge. Selv ved verdslige gjøremål er det en

Profeten Jonas[as]

I Koranen berettes det om profeten Jonas[as] ved 6 forskjellige anledninger. I sura Saff'at fortelles det om ham som et sendebud. I sura Al-An'am og Al-Nisa blir han omtalt som en av profetene. I sura Al-Ambij'a og sura (Noon) blir han ikke nevnt ved navn, men er gitt egenskapene dhun-nun og sahibul hut, på grunn av hendelsen med fisken.

Surah Yunus

«*Hvorfor har det da ikke vært noen annen by som trodde, unntagen Jonas' folk? Deres tro hadde vært til fordel for dem. Da de (stammen til Yunus) trodde, tok vi skjenselens straff fra dem i denne verden og forsynte dem (med enhver ting) i en tidsperiode.*» (10:99)

Surah Al-Nisa

«*Sannelig har Vi sendt åpenbaring til deg slik Vi sendte åpenbaring til Noah og profetene etter ham. Og Vi sendte åpenbaring til Abraham og Ismael og Isak og Jakob og stammene (hans) og Jesus og Ajjub (Job) og Jonas og Harun (Aron) og Salomo, og Vi ga (også) David en bok.*» (4:164)

Surah Al-An'am

«*Og Ismael og Jas'a (Jesaja) og Yunus og Lot (og rettledet dem). Og Vi opphøyde dem alle over folkene.*» (6:87)

Surah Al-Ambij'a

«*Og Dhun-Nun (ihukom Yunus), da han dro seg bort i vrede og tenkte, at Vi ikke ville plage ham. Da ropte han i (all slags) sorg: Det er ingen gud unntatt Deg! Hellig er Du (og fri for enhver mangel). Jeg hører visselig til dem som har feilet.*» (21:88)

«*Da bønnhørte Vi ham og frelste ham fra (hans) sorg. Og slik frelser Vi de (sanne) troende.*» (21:89)

Surah Al-Saff'at

«*Og Yunus var visselig (også) et av sendebudene.*» (37:140)

«*Ihukom da han flyktet til det fullastede skipet.*» (37:141)

sammensverget mot ham. Da dronningen mottok brevet som var innledet med «I Allahs navn», rådførte hun seg med sine hoffmenn og sa: «Konger har som vane å tilintetgjøre et land når de entrer det, og de gleder seg over å ydmyke dets respektable borgere.» Etter å ha rådført seg med sine hoffmenn og tenkt over saken, bestemte dronningen seg for å sende en gave til Salomo[as]. Hadrat Salomo[as] viste misnøye over denne handlingen da han anså denne gaven som en bestikkelse. Han spurte: «Hvordan kan du gi med en mindreverdig gave når Gud har velsignet meg med gaver mye bedre enn dette? Jeg vil sannelig angripe dette landet og ydmyke dets borgere og de vil måtte underkaste meg over lang tid.» Han henvendte seg til sine hærmenn og spurte: «Hvem av dere kan bringe frem en trone som vil få dronningens trone til å fremstå som verdiløs slik at hun kan anerkjenne at Gud har velsignet meg meget? Dette må skje før de kommer til meg i underkastelse.» En av generalene blant Salomos[as] livvakter hevdet han var i stand til å bringe frem en trone før de gikk til angrep. En annen general som besittet religiøs kunnskap, hevdet at han kunne utføre dette arbeidet i løpet av et øyeblikk. Med dette mente han at hebraiske lærde menn og jødiske eksperter ville kunne utføre dette oppdraget i løpet av den tiden det ville ta den ikke-jødiske generalen å finne den ettertraktede tronen. Og da Salomo[as] fikk presentert en utmerket trone, viste han takknemmelighet overfor Gud for at Han hadde skjenket ham dyktige og lydige generaler. Da dronningen fikk se tronen hevdet hun skrytende at hun eide en lignende trone. Videre sa hun: «Det er ikke nødvendig med noen overtalelser, ettersom jeg er bekjent med Salomos[as] religion som jeg anser for å være sann, og derfor underkaster vi oss.» Etter å hørt om hennes tilslutning, ga Salomo[as] henne råd om å avholde seg fra avgudsdyrkelse. Salomo[as] valgte å bygge et empirisk bevis i form av et palass med et glassbelagt gulv som vann kunne strømme under. Da dronningen ble bedt om å vandre over gulvet, beskyttet hun klærne sine fra å bli våte, fordi hun trodde det var en virkelig vannstrøm under hennes føtter. Salomo[as] forklarte henne at det var et gulv og ikke vann. Han sa: «Guds lys skinner gjennom alt i universet på samme måte som dette vannet er synlig gjennom gulvet.» Saba ble svært berørt av dette argumentet og ropte ubevisst ut: «Å min Herre! Jeg har handlet urett mot meg selv. Jeg vil fra i dag av tro på den Guddommen som er Herre over alle verdener. Solen og månen er også velsignet av Ham.»

av det hebraiske navnet Hudad. Dette navnet var svært utbredt blant jøder på Salomos tid. Det er på samme måte som det hebraiske navnet Abraham blir Ibrahim på arabisk, og det hebraiske navnet Jesus, er Isa på arabisk. Ut fra historiske kilder vet vi at Hudad var et vanlig navn blant edomittiske konger. Det arabiske ordet *hud* betyr «kraftig lyd». Vi vet at gutter med kraftige stemmer fikk navnet Hudad eller Hudhud. Også en av sønnene til Hadrat Ismael[as] het Hudhud. («Fødselen», del 25, vers 14)

En del folk kommer med kritikk om at hvis Hudhud var navnet på et mennesket, hvorfor blir ordet «slakte» brukt i dette verset. På hebraisk blir ordet «slakte» brukt på samme måte som «å drepe». På lignende vis blir ordet «slakte» brukt i vers 5 av sura Al-Qasas, hvor det nevnes at farao og hans ledsagere «pleide å drepe sønnene til det israelske folket.» Hvis man utfra ordet «å slakte» skal anta at Hudhud var en fugl, må vi også anse at israelittenes sønner også var fugler.

Hudhud var en prins fra den edomittiske slekt, og fungerte som militærgeneral i Salomos hær. Den edomittiske slekten var en del av Salomos[as] rike, og var en av hans motstandere. Da Salomo oppdaget at generalen fra denne slekten hadde forsvunnet, fryktet han at de hadde gått over til fiendens territorium for å skape vanskeligheter. Det er også mulig at Hudhud var en arabisk stammehøvding, ettersom historiske kilder beviser at flere arabiske stammer hadde bosatt seg i området mellom Palestina og Jemen. (Taqweem-ul-Baldân) Araberne og jødene var i stadig strid, og selv om de var underlagt Salomos herredømme, næret de indre motstand. Da Salomo oppdaget at en av de arabiske generalene hadde forsvunnet, ble han rammet av en mistanke, og viste sterk misnøye over deres gjerning, ettersom Jemen var en del av Arabia. Hadrat Salomo[as] var fortsatt bekymret over dette sviket da Hudhud vendte tilbake med en forklaring om at Sabas kongedømme, som var en del av hans land, var under angrep. Et felles språk gjorde det mulig for han å forhøre seg om landets situasjon. Hudhud avla en rapport om landets situasjon og fortalte at deres dronning var en svært innflytelsesrik leder og at hun og folket hennes hadde tilgang til alle velsignelser i sitt rike. Hudhud fortalte: «Uheldigvis er dette folket avgudsdyrkere ettersom de tilber solen. Vår Guds herredømme er mektigere enn herredømmet til dronningen, og Hans herredømme vil sannelig seire. Jeg måtte reise for å innhente denne informasjonen til landets fordel.» Salomo ble henrykt over hans handling og ba han derfor om å levere et brev til dronning Saba. Brevets budskap var som følgende: «Ikke gjør opprør mot meg og vend deg mot meg med lydighet.» Utfra dette brevet vet vi at Salomo[as] ikke gikk til et unødvendig angrep på Saba, men at det var de som først

Taqweem-ul-Baldân står det at turistattraksjonen Ashkelon er en av de største kystbyene som befinner seg i Gaza, ved Palestina. Denne byen ligger 12 mil mot nord, mens Beit Jibrin befinner seg i en nordlig by som verges av Damaskus. (Taqweem-ul-Baldân, side 238 og Ma'jm-ul-Baldân, vol 6, side 174). *Wâdi-e-Naml* er en dal som befinner seg langs kysten i den motsatte retningen av Jerusalem. Alternativt befinner denne dalen seg et sted mellom Damaskus og fjellkjeden Hijaz. Sannsynligvis er dette en dal ved 100 mil sør for Damaskus. I Hadrat Salomos tid var det arabere og meditere som bodde i denne dalen. (For en nærmere forklaring av dalens beliggenhet, se kart over Palestina og Syria i Nelsons Ensyklopedi om moderne tid og antikken)

I synonymordbok, vol. 3, side 219, står at det at Namlah-folket eide en vannkilde ved navn Abraqah. Dette er et bevis på at Namlah var en nasjon. I gamle dager var det populært med slike navn, på samme måte som en stamme i Kashmir heter Hapt, som betyr «bjørn». Da Salomo[as] reiste mot Jemen for å angripe dronningen av Saba, passerte han *Wâdi-e-Naml*. Det arabiske ordet «Hatmah» betyr «å ødelegge» og «å angripe i sinne». Det blir feil å tolke det som «å knuse med foten». Derfor betyr ikke dette at Salomo[as] ville knuse maurene med hælen sin. Hudoor[ra] forklarer dette ordet med å si at ethvert fromt og empatisk menneske unngår å gå på veier der det kravler maur og insekter, slik at vedkommende ikke unødig dreper dem. Da Salomo[as] vandret forbi *Wâdi-e-Naml* sa dronningen at alle burde søke ly i sine boliger for å opprettholde freden og for å unngå eventuelle feilsignaler om krig. Hun fryktet at Salomo[as] ville knuse deres makt. Da Salomo[as] ble informert om dronningens advarsel smilte han og henvendte seg til Gud og sa: «Det er din velsignelse at mitt fromme rykte har spredt seg til alle hjørner. Gi meg evnen til å vise takknemmelighet overfor Deg for de gavene Du har skjenket meg, og gi meg og min hær evne til å utføre gode gjerninger. Og la folk anerkjenne at vi ikke ønsker å påføre noen smerte med vilje. Og la meg bli en av din fromme tilhengere.»

Da Hadrat Salomo[as] så over hæren sin, ble regimentet bestående av de velstående brakt frem til han. Generalen for dette regimentet, Hudhud, var ikke å finne blant hæren. Å oppdage dette rett før hæren skulle til å gå til angrep, satte sinnet hans i kok, og han gjettet seg til at dette var en form for forræderi. Han sa: «har jeg oversett Hudhud, eller har han desertert? Hvis han ikke klarer å bevise sin uskyld vil jeg enten gi han en streng straff eller henrette ham.»

Det står om Hudhud i vers 22 og 121 av sura Al-Naml. Kommentatorene har igjen gjort en feiltagelse ved å hevde at Hudhud var en fugl. Det arabiske navnet Hudhud kommer egentlig

sammenlignet med en fugl, fordi mennesker ikke har vinger mens fugler har det. Altså er «fugl» i denne sammenhengen ikke en fysisk fugl, men heller en metafor på utvalgte mennesker.

Kort sagt vil Salomos[as] utsagn om at «jeg har blitt belært fuglenes språk», bety at «jeg har også blitt skjenket visdom og kunnskap om det sanne, slik tidligere profeter og fromme mennesker ble skjenket.» Gud velsignet Hadrat Salomo med alle verdslige nødvendigheter, og dette var Hans Nåde mot ham.

I vers 18 står ordet *fugl* i sammenheng med ordet *Djinn*; Hadrat Salomo[as] trente opp en hær som også besto av en del *Djinner*. واذاخلوا الىٰ شيطينهم Som oftest tolker kommentatorene ordet *Djinn* med unike skapninger som kan muliggjøre det umulige. Hudoor[ra] forklarer at dette ordet også er en metafor, hvis betydning har blitt klargjort i Koranen under flere anledninger. Samtlige kommentatorer enes om at i dette verset betyr ordet «demoner» – Shaiyateen – mennesker. Hvorfor kan ikke *Djinn* være et menneske når Satan kan? Ulike vers fra Koranen beviser at *Djinn* i virkeligheten er mennesker og ingen adskilte skapninger: «Å, mennesker og *Djinner* som står foran Oss; bevitnet dere ikke sendebud som var mennesker blant dere?» Ved en annen anledning sier Han: «De pleide å advare dere, og de advarte dere mot Dommens dag.»

Det finnes tydelige bevis i Koranen på at *Djinnene* underkastet seg profetens[saw] budskap. Ordet *Djinn* blir også brukt om mektige menn. I ordbøkene er definisjonen på *Djinn* «alle de gjenstander som mennesket ikke kan sanse». Det vil (sannsynligvis) si at ørene ikke kan høre de lydene de lager og at øynene ikke kan se dem, altså er det snakk om mennesker som lever adskilt fra resten av samfunnet, for eksempel den velstående standen. Og Salomos hær besto således av tre ulike folkegrupper:

1. Forsvarsregimentet bestående av velstående menn
2. Regiment bestående av den ordinære befolkningen
3. Regimentet bestående av åndelige menn

Kommentatorene har feiltolket betydningen av *Wâdi-e-Naml* og Hatma i vers 20, på samme måte som de feiltolker ordene *Djinnene* og *fuglene*. *Wâdi-e-Naml* var ikke en maurtue, men en virkelig dal som var befolket av mennesker. I den berømte ordboken *Taj Al-Arûs,* står det at *Wâdi-e-Naml* var et område mellom den syriske landsbyen Beit Jibrin og Ashkelon. I

Man må ta i bruk den hellige Koranens lære for å forstå hva som menes med fugler i denne konteksten. Betyr det virkelig at fjellene og fuglene ihukom Allah eller er dette en metafor? Vi kan bruke flere vers i den hellige Koranen for å klargjøre at fugler blir brukt som en metafor på menneskets gode handlinger som det foredler og dermed oppnår statusen til en sann troende – *Momin*. Han vil da leve et opphøyet liv slik at han istedenfor å degradere seg selv, flyr mot nye høyder. Dette er de opphøyde sjeler som rommer høy moral, og som er klar til enhver tid å nå nye høyder for religionens skyld.

I den hellige Koranen blir ordet «fugler» brukt i ulike sammenhenger:

"*Det er ikke noen dyr på jorden, heller ikke noen fugler på sine to viner, som ikke er i samfunn liksom dere selv. Vi har ikke forsømt noe i Boken. Deretter skal de samles sammen til sin Herre.*" (6:39)

"*Har du ikke sett, at alle som er i himlene og på jorden lovpriser Allah (alene), og (også) fuglene med utstrakte vinger? Enhver kjenner sannelig sin bønn og sin lovprisning. Og Allah vet hva de gjør.*" (24:42)

Merk: Har det noen gang hendt at fugler organiserer seg i rekker og rader for å utføre *Namâz* – tilbedelse? Det er kun muslimer som utfører *Namâz*, ergo er fugler her et symbol på fromme mennesker.

<u>Tafseer-e-Kabeer, vol. 7, s. 354-397</u>

I jødedommen blir Hadrat David[as] ansett for å være Hadrat Moses[as] sin sønn. Derfor blir Salomo[as] og David[as] nevnt etter Moses[as]. Der nevnes også at de er utnevnt for å være ledere over de troende gjennom det åndelige og det legemlige kalifatet. I versene av sura Al-Naml er det kun Salomos[as] navn som blir nevnt. Dette fordi det var først etter Hadrat Davids[as] bortgang at Hadrat Salomo[as] ble hans stedfortreder. Kommentatorene har tolket «Mantequt- Tair» med at Hadrat Salomo[as] ble skjenket evnen til å tale med duer, høner, spurver og vaktler. Denne beskrivelsen er en form for sammenligning og metafor. Det arabiske ordet *tair* blir brukt om alt som flyr, og kan derfor også være en metafor på mennesker som flyr mot spirituelle høyder og blir ansett for å være Guds utvalgte og elskede. Dette ordets betydning kan også utledes av følgende åpenbaring av Den utlovede Messias[as]: «Tusenvis av mennesker befinner seg under dine vinger» (Tazkarah, side 650). I denne åpenbaringen er den utlovede Messias blitt

Tolkning av 27:21 fra Tafseer-e-Sagheer

Flere Edomittiske konger het Hudad, men araberne uttalte dette navnet, Hudhud, et navn som var alminnelig blant Banu Ismael. Også en leder ved Salomos[as] hoff het Hudhud. Da Hadrat Salomo[as] henrettet en ingeniør ved navn Moab på grunn av han konspirasjoner, fryktet Hudhud for sitt eget liv og flyktet derfor til Egypt, men etter å ha bedt om tilgivelse vendte han tilbake. Det er mulig at flere av lederne het Hudhud, ettersom dette var et alminnelig navn. Og fordi navnet betyr «fugl» på arabisk, kan det hende at kommentatorene derfor trodde det her er snakk om en fugl.

Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, side 539, vol. 5

En del kommentatorer hevder at det her var snakk om oppdrettssauene til en bonde som var blitt borte. Hadrat David[as] hjalp bonden med å få sauene tilbake, men Salomo[as] sa: «Nei, la bonden først vanne åkeren, og når åkeren har blitt grønn og frodig kan han få tilbake saueflokken sin.» Hudoor[ra] skriver at når en profets folk oppnår ære, så vil det alltid, slik det også var på Hadrat David[as] og Hadrat Salomos[as] tid, være grådige mennesker som gjør sitt ytterste for å skape splittelse blant folk, og mennesker med dyriske instinkter vil prøve å ødelegge religionen. Gud sier at Han lærte Salomo[as] hvordan han skulle behandle slike tilfeller, slik at han dermed klarte å redde riket sitt mot erobring fra nabolandene. Salomo[as] og David[as] ble skjenket både et kongerike og visdom, men Salomo[as] hadde en gudgitt visdom slik at han handlet med barmhjertighet og inngikk avtaler og klarte på den måten å redde kongedømme mot ytre fiender.

Kommentatorene utfører en bokstavelig tolkning av disse versene; de mener at Hadrat David[as] og Hadrat Salomo[as] hadde herredømme over fjell og *Djinner*. De mente at de ihukom Allah sammen med Hadrat David[as], og når han hedret Allah, hedret fjellene, *Djinnene* og dyrene også Ham. En del kommentatorer mener også at fjellene fulgte etter Hadrat David[as] hvor enn han gikk. Hudoor[ra] sier at disse vrangforestillingene oppstår fordi folk flest ikke forstår disse sammenligningene og metaforene. Vi må da se hen til andre vers i Koranen for å forstå sammenligningene i dette. I vers 113 og 14 av sura Al-Jathiyah henvender Allah seg til Den hellige profetens[saw] folk og sier: *«Det er Allah som har underkastet dere havet, så skipene kan seile på det på Hans bud, så dere kan søke dere (noe) av Hans nåde, og så at dere måtte være takknemlige.* (45:13) *«Og Han har undertvunget for dere (alt) som er i himlene og på jorden. I dette er det sannelig tegn for folk som vil tenke seg om.»* (45:14)

Sura Sâd

"*Og vi skjenket David Salomo (som sønn og etterfølger.) En utmerket tjener, han vendte seg alltid (til Oss.) Da de edle hestene (som var) rakste til å løpe ble stilt foran han ved aftenen, sa han: Jeg elsker kjærligheten til de gode tingene, fordi det minner (meg om) min Herre. Inntil når de var gjemt bak sløret, (sa han): Bring dem tilbake til meg. Så begynte han å klappe dem på ben og hals. Og Vi prøvde visselig Salomo og plasserte på hans trone en (ren) kropp. Da vendte han seg til (Gud) og (søkte Hans barmhjertighet).*" (38:31-35)

"*Han sa: Min Herre, tilgi meg og skjenk meg et rike som ikke vil tilkomme noen annen etter meg; Du er visselig den Gavmilde. Så Vi underkastet vinden under ham, og den blåste mykt på has befaling, hvor hen han ønsket den skulle gå. Og motstanderne, alle bygningsmennene og dykkerne og andre, bundet sammen i lenker. Og han hadde visselig nærhet til Oss og (fikk) et godt (og kjønt) tilholdssted.*" (38:36-41)

Tolkning hentet fra Tafseer-e-Sagheer og Tafseer-e-Kabeer

Tolkning av 21:82 fra Tafseer-e-Sagheer

Fotnote: Dette verset viser til skipene til Hadrat Salomo[as] som seilet med utstyr fra Syria og mot Palestina.

Tolkning av 34:13 fra Tafseer-e-Sagheer

Fotnote: Vindene som blåste fra perserbukta mot Antiokia skapte gunstige forhold for skipsferd under Hadrat Salomos[as] tid. Han fikk muligheten til å bygge fabrikker med smelteovner som kunne utnytte kobber.

Tolkning av 27:19 fra Tafseer-e-Sagheer, side 487

Wâdi-e-Naml (dalen Naml) er en virkelig dal som enten ligger ved en strand som vender mot Jerusalem eller i nærheten av Damaskus mot Hijaz-fjellene. Sannsynligvis befinner denne dalen seg i et område 100 mil sørover fra Damishq. Frem til Salomos tid hadde arabiske og mediske stammer bosatt seg i dette landområdet. Namla var et folk som hadde bosatt seg der, og ut ifra dette verset vet vi at Salomos folk aldri med vilje utsatte noen for skade, men i stedet kom de svake stammene til unnsetning under vanskelige tider.

"*Og for Salomo (gjorde Vi) vinden voldsom. Den blåste på hans bud til landet, som Vi har velsignet. Og Vi har full viten om alle ting.*" (21:82)

"*Og (Vi underkastet for ham) motstandere, som dykket for ham og gjorde annet arbeid. Og det var Oss, som bevoktet dem.*" (21:83)

Sura Al-Baqarah

"*Og de [jødene] følger det som opprørerne foreleste under Suleimans [Salomos] kongedømme og Salomo var ikke vantro, men opprørerne var vantro, og lærte folk falskhet og bedrag. Og (de mener også å følge) det som ble åpenbart de to englene i Babylon, Hârût og Mârût. De to lærte ingen før de hadde sagt: Vi er bare en prøvelse (fra Allah), forkast (oss) derfor ikke. Altså lærte de av dem, det som skiller en mann fra hans hustru, dog kunne de ikke skade noen med det, unntagen på Allahs bud. Men (jødene her) læret det som skader dem, og ikke gjør dem noe godt. Og de vet visselig at den som tilkjøper seg dette (livet), ikke har noen andel i det kommende (liv), Og ondt er visselig det de selger sjelene sine for, om de bare visste.*" (2:103)

Sura Al-Saba

"*Og vinden underkastet (Vi) Salomo; hvis morgenreise var en måneds (reise), og hvis aftenreise (også) var en måneds (reise). Og vi lot en kilde av smeltet kobber strømme for ham. Og av Djinnene var det (noen) dom arbeidet for hans åsyn på hans Herres befaling. Og de blant dem som vil avvike fra Vår befaling, lar Vi smake den flammende ilds straff.*" (34:13)

"*De lagde for ham hva han ønsket av altre og statuer og basuner og store fat som beholdere, og store kokekar festet på sine plasser. (Og Vi sa): Handle takknemlig, Å dere alle i Davids hus. Men får av Mine tjenere er takknemlige.*" (34:14)

"*Og da Vi hadde kunngjort hans [Salomos] død, var det intet som kunne antyde hans død unntagen et jordens dyr, som spiste opp hans stav. Da den [altså styringsformen] så falt ned, ble Djinnene klare over, at de, om de hadde kjent det usette, ville de ikke ha lidd denne nedverdigende og smertefulle tilstand.*" (34:15)

"*En kraftfull høvding fra Djinnene sa: Jeg vil bringe deg den, før du står opp fra din leir. Og jeg har visselig makt til det, (og jeg er) pålitelig.*" (27:40)

"*En som hadde kunnskap om Boken, sa: Jeg vil bringe deg den, før ditt edle (sendebud) vender tilbake til deg – og da han så den oppstilt foran seg, sa han: Dette er en nåde fra min Herre, for at Han kan prøve meg, om jeg takknemlig eller utakknemlig. Og den som er takknemlig er kun takknemlig til det beste for sin sjel. Og den som er utakknemlig, (han skal vite) at min Herre er Uavhengig, den Nåderike.*" (27:41)

"*Han [Salomo] sa: Gjør tronen (så vakker at den) får hennes egen trone til å se ut som helt vanlig, (og) la oss se om hun følger den rette veien, eller om hun er (en) av dem som ikke lar seg rettlede.*" (27:42)

"*Da hun så var kommet, ble det sagt (til henne): Er dette lik din trone? Hun svarte: Det er som den var den samme. Men vi hadde fått kunnskap før dette, og vi har allerede underkastet oss.*" (27:43)

"*Og (Salomo) hindret henne fra å tilbe det hun pleide å tilbe istedenfor Allah, fordi hun visselig kom fra et folk som ikke trodde.*" (27:44)

"*(Deretter) ble det sagt til henne: Tre inn i palasset. Og da hun så det mente hun at det var et utstrakt vann og blottet sine bene. Han [Salomo] sa: Det er visselig et slott, belagt med glass. Hun sa: Min Herre, jeg har handler urett mot meg selv, men nå underkaster jeg meg sammen med Salomo, Allah, verdenenes Herre.*" (27:45)

<u>Sura Al-Ambijâ</u>

"*Og vi skjenket Salomo forståelse av det, og Vi ga dem begge visdom og kunnskap. Og Vi undertvang fjellene og fuglene, så de lovpriste (Allahs) fullkommenhet sammen med David. Og det er Oss, som gjennomførte (alle slike ting).*" (21:80)

"*Og Vi lærte han fremstillingen av (stål)kledninger for dere, til å beskytte dere mot hverandres vold (i kriger). Vil dere da være takknemlige?*" (21:81)

"*Jeg har funnet, at hun og hennes folk kaster seg ned (i bønn) for solen istedenfor Allah, og Satan har forskjønnet deres gjerninger for det, så at han vendt dem fra den (rette) vei, så de ikke er rettledede.*" (27:25)

"*(Og han har befalt dem) ikke å kaste seg ned (i bønn) for Allah, som binger det skjulte fro dagen i himlene og på jorden, og som vet hva dere skjuler, og hva dere åpenbarere.*" (27:26)

"*Allah! Det finnes ingen gud unntagen Ham, den mektige tronens Herre.*" (27:27)

"*Han [Salomo] svarte: Vi vil snart se om du har talt sannhet, eller om du hører til løgnerne.*" (27:28)

"*Gå med dette mott brev og legg fremfor dem, og vend deg så fra dem og se hvilket svar de gir. (Da dronningen fikk brevet), sa hun: Å mine rådsherrer, et fornemt brev er blitt brakt til meg. Det er fra Salomo, og det lyder: I Allahs navn, den Nåderike, den Barmhjertige. Opptre ikke hovmodig mot meg, men kom til meg i underkastelse. Hun sa: Å mine rådsherrer, gi meg et råd i min sak. Jeg pleier ikke å avgjøre noen sak med mindre dere er tilstede (som rådgivere). De svarte: Vi er et sterkt folk og mektige krigsfolk, men avgjørelsen ligger hos deg. Så Overvei hva du vil befale. Hun sa: Når konger erobrer en by, stifter de ufred i den og gjør folkets mektigste til de laveste og således gjør de alltid. Men jeg vil visselig sende en gave til ham, og så vente og se hva sendebudene bringer tilbake.*" (27:29-36)

"*Så da (dronningens sendebud) kom til Salomo, sa han: Drister dere å hjelpe meg med (deres) rikdom? Men det Allah har gitt meg, er bedre enn det Han har gitt dere. Nei, der er hovmodige over deres gave.*" (27:37)

"*Vend tilbake til dem, så vil vi visselig komme til dem med hærer, som de ikke kan tå seg (imot), vi vil visselig drive dem ut vanærende (fra deres land), og de vil bli ydmykende.*" (27:38)

"*Han sa: Å mine rådsherrer, hvem av dere vil bringe meg hennes trone før de kommer til meg i underkastelse?*" (27:39)

Profeten Salomo^{as}

<u>Sura Al-Naml</u>

"*Og Vi skjenket visselig David og Salomo kunnskap, og de sa: All lovprisning tilkommer (alene Allah), som har opphøyet oss over mange av Sine troende tjenere.*" (27:16)

"*Og Salomo arvet riket og profetdømmet) etter David. Og han sa: Å mennesker, vi har lært fuglenes språk, og vi har fått skjenket noe av alle ting. Dette er sannelig (Allahs) åpenbare nåde.*" (27:17)

"*Salomos hærskare av Djinner og mennesker og fugler forsamlet ham, og de (stod oppstilt) i avdelinger.*" (27:18)

"*Da de kom til* Wâdi-al-Naml*, sa kvinne til Naml-stammen: Å Naml, gå inn i deres boliger, så at Salomo og hærskare ikke skal trå dere ned, uten at de vet det.*" (27:19)

"*Da smilte (Salomo), i det han undret seg over hennes ord, og han sa: Min Herre, gi meg (styrken) til å være takknemlig for Din nåde, som Du har vist meg og mine foreldre, at jeg måtte gjøre slike gode gjerninger som behager Deg. Og la meg inngå i Din barmhjertighet blant Dine rettferdige tjenere.*" (27:20)

"*Og han inspiserte fuglene og sa: Hvordan kan det være, at jeg ikke ser Hudhud? Eller er han blant de fraværende?*" (27:21)

"*Jeg vil visselig straffe ham meg en streng straff, eller drepe ham, hvis han ikke kommer med en klar grunn (for sitt fravær).*" (27:22)

"*Og han ventet ikke lenge (før Hudhud kom), og han sa da: Jeg har erfart noe du ikke vet, og jeg er kommet til deg fra Saba med sikre buskap.*" (27:23)

"*Jeg har visselig funnet, at en kvinne hersker over dem, og det er blitt gitt henne alle ting, og hun har en mektig trone.*" (27:24)

I sura Al-An’âm, vers 39 står det følgende: *”Det er ikke noe dyr på jorden, heller ikke noen fugl som flyr på sine to vinger, som ikke er i samfunn liksom dere selv ”.*

I sura Al-Nur, vers42 står det følgende: “*Har du ikke sett, at alle som er i himlene og på jorden lovpriser Allah (alene), og (også) fuglene med utstrakte vinger? Enhver kjenner sannelig sin bønn og sin lovprisning. Og Allah vet hva de gjør”.*

Notat: Har du noen gang sett fugler stå skulder til skulder for å be namaz? Det er kun muslimer som gjør dette. Altså betyr fugler her, troende mennesker.

profeten Solomon[as] derfor å redde sitt folk fra dette. Gud skjenket kongedømmet og mye kunnskap til både profeten David[as] profeten Solomon[as]. Profeten Solomon[as] var mild i sin handlemåte og valgte å inngå avtaler med andre folkegrupper, for på denne måten å redde sitt folk fra ødeleggelse. Profeten David[as] ga imidlertid strenge straffer til de som gjorde opprør i landet og skapte uro og konflikter. Men både profeten Solomon[as] og profeten David[as] var vise og fornuftige mennesker.

Tolkning fra Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 5, s. 539

Enkelte lærde tar dette verset bokstavelig i sin betydning og mener at profeten David[as] og profeten Solomon[as] var herrer over djinner og fjellene og at de sammen tilba Gud. Altså, at når profeten David[as] tilba Gud begynte djinner, fjell, fugler osv. også å be. Det er til og med noen som sier at når profeten David[as] gikk fulgte fjellene etter ham. Hudoor[ra] sier at dette er oppspinn nettopp fordi lærde ikke har forstått liknelsene og metaforene. Der er andre vers som kan hjelpe oss med å forstå dette. Sura Al-Djathija:13-14: "*Det er Allah som har underkastet dere havet, så skipene kan seile på det på Hans bud, og så dere kan søke dere (noe) av Hans nåde, og så at dere måtte være* takknemmelige. *Og Han har undertvunget for dere (alt) som er i himlene og på jorden. I dette er det sannelig tegn for folk som vil tenke seg om*".

I sura Al Djummuah, vers 2 står det følgende: «*(Alt) det som befinner seg i himlene og på jorden lovpriser Allah, Kongen, den Hellige, den Allmektige, den Allvise.*»

Dersom dette verset blir tatt i sin bokstavelige betydning vil det si at alt mellom himmel og hav sender velsignelser over profeten[saw]. Altså, alt du berører mens du sender velsignelser over profeten Muhammad[saw] og lovpriser Gud, gjør det samme. For eksempel dersom du drikker te mens du lovpriser Gud vil også koppen gjøre det samme? Eller når du ligger i sengen og ber til Gud, vil det si at sengen også gjør det samme? Profeten David[as] var den første kongen til jødene som hadde kongedømmet også over områder tilstøtende den jødiske stammen. Ingen jødiske konger før ham hadde klart å få herredømmet over andre områder enn sine egne.

Det finnes flere vers i Koranen som kan være til hjelp for å finne ut om fuglene også lovpriste Gud sammen med profeten David[as]. Disse versene omhandler de egenskapene som mennesket utvikler for å oppnå en troendes status og lever et åndelig liv istedenfor et verdslig, og oppnår fremgang istedenfor underlag.

Etter dette drepte profeten David^{as}, Djalut. Det er kun grunnet likheten denne hendelsen har med hendelsen til Gideon at disse nevnes sammen til tross for at det er 200 års forskjell mellom dem. I Bibelen fremkommer at profeten David^{as} drepte Djalut, men Koranen nevner Djalut også i hendelsen om Gideon. Gideon og profeten David^{as} sine fiender er blitt beskrevet ved å bruke navnet Djalut nettopp på grunn av navnets betydning, som nevnt ovenfor. Forskjellen er at Gideon vant over sine fiender, mens Profeten David^{as} ikke bare vant, men fikk en overlegen seier.

Ifølge historien seiret Gideon over sin fiende i år 1256 f.kr. Og frem til 1161 hadde Gideon og sønnen hans herredømme. Og i år 1050 f.kr fikk profeten David^{as} herredømme. Bakgrunnen for å fortelle om disse to hendelsene sammen er fordi Gideon var den første til å bekjempe Israelittenes fiender og vekket patriotismen i dem, mens profeten David^{as} var den siste til å vinne over fienden. Altså, Gideon er "A" og David^{as} er "Å".

<u>Tolkning fra Tafseer-e-Sagheer, s. 599</u>

Ifølge enkelte lærde hadde profeten David^{as} 99 koner. De hevder at profeten David^{as} begynte å få følelser for konen til en general, og sendte derfor generalen til et farlig sted for å dø, for så å ta hans kone. Disse lærde hevder også at Gud sendte engler for å gi dem en lærepenge og som, Gud forby, spredte disse ryktene. Men sannheten er at da profeten David^{as} hadde hatt herredømme i en lengre periode begynte hans fiender å bli ergerlige, og de kom seg inn i huset til profeten David^{as}. De anklaget ham for å rakke ned på de fattige selv om de var mindre i antall. Dette stemte ikke. Sannheten var at landet til profeten David^{as} var veldig liten og de fattige gruppene var spredt helt til Irak, og de var betydelig større i antall enn det folkeslaget til profeten David^{as} var.

<u>Tolkning Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 5, s. 538-539</u>

I lys av dette verset beskriver Hudoor^{ra} forskjellen mellom profeten David^{as} og profeten Solomon^{as} sin handlemåte. Enkelte lærde mener at da en åker ble ødelagt av noen sauer, ga profeten David^{as} sauene tilbake til eieren, mens profeten Solomon^{as} ikke var enig i dette og sa at eieren til sauene burde vanne åkeren slik at den vokser og gror tilbake igjen. Når åkeren er kommet tilbake til sin opprinnelige tilstand kan eieren få sauene sine tilbake. I sin tolkning av denne hendelsen sier Hudoor^{ra}: Når Gud gir suksess og fremgang til et profets folk og de holder seg samlet, vil de som er misunnelige på dem forsøke å skape splittelser og konflikter blant dem. Gud sier at han har opplært profeten Solomon^{as} om hva han skal gjøre mot slike folk. Da de andre folkeslagene på den tiden forsøkte å ødelegge den jødiske stammen, klarte

I Bibelen står det at den israelske stammen begynte å be til Gud grunnet midjanittene. Gud sendte derfor en profet til dem som sa følgende: ”*Så sier Herren, Israels Gud: Det var jeg som førte dere opp fra Egypt og hentet dere ut av slavehuset. Jeg berget dere ut av hendene på egypterne og fra alle som undertrykte dere (...) Jeg sa til dere: Jeg er Herren deres Gud”.* Dom 6:2-10. I denne sammenhengen er det nevnt en profet og ikke en konge. I Koranen nevnes ordet ”*Junud*” og Bibelen forteller også at tre folkesalg var bosatt der, amalekittene, midjanittene og folk fra Østen.

«*Men Herren sa til Gideon: Ennå er det for mye folk. La dem gå ned til vannet, så skal jeg skille noen ut for deg der.*» (Dom 7:4)

«*Gud sa til Gideon om å ta med sitt folk ned til elven. Så førte Gideon hæren ned til vannet, og Herren sa til ham: Alle som lepjer vannet i seg med tungen slik som hunder gjør, skal du stille opp for seg, og på samme måte alle som legger seg på kne for å drikke. De som lepjet vann for hånden, var tre hundre i tallet. Alle de andre la seg på kne og drakk. Da sa Herren til Gideon: Med de tre hundre som lepjet, skal jeg berge dere, og jeg vil gi midjanittene i dine hender.*» (Dom 7:5-7)

Til slutt er det nevnt om frigjørelsen fra midjanittene. Sammen med de 300 menn kjempet han mot dem og vant kampen. Denne hendelsen er helt lik den som er å finne i Koranen. Bara-bin- Azib[ra] beretter: Profeten Muhammad[saw] sine ledsagere snakket med hverandre om at deres antall under Badar var lik antallet til Taluts hær som var på omlag 310 menn.

Den eneste forskjellen ligger i bruken av navnet i de to hellige bøkene. I Bibelen er navnet Gideon brukt mens i Koranen Talut. På arabisk har disse to navnene samme betydning. På arabisk betyr Gideon å skjære og kaste ned noen. Altså betyr Gideon en som kjemper mot sin fiende og overvinner ham. I Bibelen er Gideon blitt beskrevet som en djerv kriger. Talut har akkurat samme betydning som Gideon. På arabisk betyr Talut en som er liten og mindre velstående, men som vokser seg gradvis til å bli en sterk mann som løftes til suksess av Gud. Slike navn med attributter er nevnt flere steder i Koranen. Slik som Abdullah er en attributt av profeten Muhammad[saw], er også Talut en av Gideons attributter.

Dersom man ser på betydningen av navnet Djalut ser man at det betyr en gruppe som skaper uro og opptøyer i landet. På engelsk sier man Goliat som også betyr en som stjeler og er problemsøker og skaper konflikter, heller enn fred.

Det er mye her som ligner på hendelsene til Saul, men det finnes også mye som refererer seg til en annen person.

For eksempel nevnes en hendelse fra starten av den jødiske perioden. Dersom det her menes profeten David[as] så tilhørte han allerede den jødiske stammen. Det ville derfor ikke være hensiktsmessig å nevne navnet hans i denne sammenheng. 2) Det står at dette er som alltid oppnådde seier, men Saul ble ikke bare beseiret, han døde også en smertefull død. 3) Det står videre at han ble satt på prøve ved en elv, men i Bibelen neves ikke dette. I Bibelen nevnes folkeslag som, før krigen, ble advart mot å drikke vann fra en spesifikk elv. Det var noen som valgte å drikke fra vannet likevel og de tapte, men de som lot være å drikke, vant. De kristne mener at dette er hendelsen om Gideon og kritiserer Koranen for å ha nevnt hendelsen til Gideon og profeten David[as] sammen til tross for at det er 200 års forskjell mellom disse to. Men Koranen sier også at profeten David[as] drepte Djalut. Dersom det hadde vært ulike perioder, hvordan kunne profeten David[as] ha drept Djalut?

Det er en forskjell mellom hvordan Bibelen og Koranen har valgt å fortelle om hendelsen til Gideon. Forskjellen ligger i at Bibelen ikke nevner at det var en profet som utnevnte han. Det eneste Bibelen skriver er at Gud sendte en profet til den jødiske stammen som sa til ham; *"Jeg er Herren deres Gud. Dere skal ikke frykte gudene til amorittene, som eide landet dere bor i"*. Dom 6:10.

"Men dere ville ikke høre på meg. Dere sier videre at en engel ble vist Gideon som sa: Og det ble sendt en engel til Gideon som sa; Gå og berg Israel ut av hendene på midjanittene!" Dom 6:14.

Det finnes mange hendelser slik som denne i Bibelen som ligner Koranen. Bortgangen til profeten Moses[as] er i år 1451 f.kr. Mens Gideon hendelsen fant sted i år 1266 f.Kr. Det er 200 års forskjell mellom dem.

Bibelen skriver følgende om år 1257 f.Kr.: «*Israelittene gjorde det som var ondt i Herrens øyne. Da ga Herren dem i hendene på midjanittene i sju år. Midjanittene beholdt makten over Israel. For å komme unna Midjan laget israelittene seg de tilfluktsstedene som er i fjellene, både huler og fjellborge.*» Dom 6: 1-2. Denne hendelsen er helt lik disse ordene nevnt i Koranen: «*Vi ble skilt fra våre sønner og fratatt vårt hjem*».

huske at betegnelsen, Goliat, både på hebraisk og arabisk, er en attributt, som brukes om den som gjør opprør mot sitt land. Både Gideons og profeten Davids[as] fiende er blitt kalt Goliat, grunnet denne egenskapen. Begges fiende var en som gjorde opprør i landet, og var berettiget tittelen, Goliat. (Fotnote fra Tafseer-e-Sagheer s. 65)

Tolkning fra Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 2, s. 565-570

Før dette verset er Talut blitt nevnt i Koranen, og derfor kritiserer de kristne islam for å ha nevnt to ulike perioder sammen. Noen lærde mener at dette er grunnet Saul som var en konge, og hans fiende var Goliat. Det er ingen tvil om at det står veldig positivt skrevet om Saul i Bibelen. Deriblant står følgende: *Blant den israelske stammen var han den vakreste.*

"*Og han var et hode høyere enn alle andre*." (1 Sam 9:2)

«*Det berettes også at han tilhørte en av de minste stammene i Israel.*» (1 Sam 9:21)

Bibelen forteller imidlertid også at Gud ble misfornøyd med ham og tok fra ham kongedømme i 1 Sam 15:26. «*Saul tapte kampen til fordel for palestinerne, hans tre sønner ble drept og han tok selvmord.*» (1 Sam 31:1-5)

Koranen forteller derimot at han fikk hjelp av engler og oppnådde seier etter seier. Ifølge Koranen så var dette altså ikke Saul. Enkelte lærde kritiserer Koranen og sier at Koranen har valgt å berette om to ulike perioder sammen, mens selv forsøker kristne å nevne profeten David[as], Goliat og Talut sammen i en og samme periode. Når det kommer til Saul pleier de derfor å si at han var en veldig høy mann og at en av fiendene var en sterk mann ved navn Goliat. (1 Sam 17:4)

Før man kan tro på disse hendelsene, er det viktig å vurdere hva som sies i Koranen om dette. Koranen forteller oss følgende:

1. Denne nasjonen ble drevet ut av sine hjem
2. Det ble utnevnt en konge som ikke kom fra en velstående og mektig stamme
3. Dette var en person som Gud hjalp
4. Han ble satt på prøve ved en elv
5. Det var stor forskjell på antallet mellom ham og hans fiender
6. Hans hær var mindre i antall enn fiendens, og han overvant dem

palasset (hans)? Da de trådte frem for David, ble han urolig på grunn av dem, de sa: Frykt ikke. (Vi er) to stridende, hvorav den ene har begått overgrep mot den andre. Døm du da mellom oss i sannhet og begå ikke urettferdighet, og led oss til den rette vei. Dette er sannelig min bror. Han har nittini søyer, og jeg har (kun) søye. Så sa han: Gi den til meg, og han beseiret meg i ordstriden. Han (David) svarte: Han har visselig øvet urett mot deg ved å kreve din søye,(i tillegg) til sine (egne) søyer. Mange partnere begår visselig overgrep mot hverandre, unntagen de som tror og handler rettferdig, men de er få. Og David tenkte Vi prøvde ham, så han ba sin Herre om beskyttelse og falt ned, idet han bøyde seg (i tilbedelse), og han vendte seg (alltid til sin Herre). Derfor beskyttet Vi ham i denne saken, sannelig han besatt nærhet til Oss og (fikk) en god og skjønn tilflukt. (Så sa Vi til ham): Å David, Vi har gjort deg til stedfortreder på jorden, døm derfor rettferdig mellom mennesker og følg ikke det (onde) begjær, så det fører deg bort fra Allahs vei, sannelig de som farer vill fra Allahs vei, vil få e streng straff, fordi de glemte Regnskapets dag. Og Vi skjenket David Salomo (som sønn og etterfølger). En utmerket tjener, han vendte seg alltid (til Oss)». (38:18-31)

<u>Sura Saba</u>

«*Og Vi skjenket visselig David nåde fra Oss (og sa): Å dere fjell, gjenta (Allahs lovprisning) med ham, og (også dere) fugler! Og Vi gjorde jernet bløtt for ham. (Vi sa): Lag dere stålkledninger og tilmål ringene (i forhold til dem) å handle rettferdig, fordi Jeg ser visselig hva dere gjør*». (34:11,12)

<u>Sura Naml</u>

«*Og Vi skjenket visselig David og Salomo kunnskap, og de sa: All lovprisning tilkommer (alene) Allah, som har opphøyet oss over mange av Sine troende tjenere. Og Salomo arvet (riket og profetdømmet) etter David. Og han sa: Å mennesker, vi har lært fuglenes språk, og vi har fått skjenket noe av alle ting. Dette er sannelig (Allahs) åpenbare nåde*». (27:16,17)

Denne suraen omhandler profeten David[as] og hendelsen om Gideon. Disse hendelsene er nevnt sammen i Koranen grunnet deres store likheter. Under Gideon perioden forsøkte palestinere å drive vekk israelere som oppholdt seg i Palestina, men dette tidlige forsøket endte først under profeten David[as] sin tid. Disse hendelsene har mye til felles og er derfor blitt nevnt sammen, til tross for at det er 200 års forskjell mellom dem.

Det er et spørsmål som står ubesvart. Bibelen forteller at profeten David[as] drepte Goliat (Djalut), men Koranen har nevnt Goliat i tiknytning til hendelsen med Gideon. Det er viktig å

Profeten David[as]

Sura Baqarah

«*Og etter at Djalut og hans hærer var rykket frem, sa de (Talut og de troende): Vår Herre, la utholdenhet strømme ned over oss og styrk våre føtter og gi oss hjelp mot det vantro folk*». (2:251)

«*Så slo de dem på Allahs befaling. Og Dawud (David) drepte Djalut, og Allah ga ham kongedømmet og visdommen og lærte ham hva Han ville. Og om Allah ikke drev noen mennesker tilbake ved hjelp av andre, så ville jorden gå til grunne i ufred. Men Allah er Nådefull mot (alle) mennesker*». (2:252)

Sura Anbia

«*Og (ihukom) David og Salomo, da de begge avsa dom angående åkeren, når visse folks kveg beitet i den om natten. og Vi var vitne til deres dom*». (21:79)

«*Og Vi skjenket Salomo forståelse av det, og Vi ga dem begge visdom og kunnskap. Og Vi undertvang fjellene og fuglene, så de lovpriste (Allahs) fullkommenhet sammen med David. Og det er Oss, som gjennomførte (alle slike ting)*». (21:80)

«*Og Vi lærte ham fremstillingen av (stål)kledninger for dere, til å beskytte dere mot hverandres vold (i kriger). Vil dere da være takknemlige*?" (21:81)

Sura Bani Israel

«*Og din Herre kjenner best det som er i himlene og på jorden. Og Vi har visselig opphøyd noen av profetene over andre, og Vi ga David Salmene*». (17:56)

Sura Sad

«*Bær med tålmodighet hva de sier, og husk Vår tjener David, den sterke, sannelig, han vendte seg alltid (til Allah). Vi underkastet visselig fjellene - de lovpriste sammen med ham ved aftenen og soloppgang. Og (Vi underkastet også) fuglene, samlet sammen. Alle vendte seg til Ham (i lydighet). Og Vi styrket hans rike og skjenket ham visdom og en avgjørende dom (eller: klar tale). Og har fortellingen om de stridende nådd deg når de klatret over døren til*

ferdig denne kalven? Å lage en slik statue er ikke vanskeligere enn å støpe et par med vanlige armbånd som en gullsmed kan gjøre i løpet av noen timer. Dessuten, når lærte profeten Aron[as] å praktisere denne profesjonen? Disse spørsmålene burde besvares av kristne og jødene, fordi vi holder fast ved at Aron[as] ikke utførte denne syndige handlingen. Mannen bak kalveguden var en mann ved navn Samri, som enten selv var gullsmed, eller så fikk han hjelp fra andre likesinnede. (Tafseer-e-Kabeer, 2utgave, bind 1, side 429)

En del folk tror ut fra sin uvitenhet at en profet ikke kan være underlagt noen, men kun være overordnet. Det stemmer at en profet er overordnet det folket han blir sendt til, men dette betyr ikke at han dermed ikke kan være underlagt noen. Ellers kan det hevdes – Gud forby – at en profet heller ikke kan være underordnet Gud. Israelittene var pålagt å adlyde profeten Aron[as], mens han selv var underlagt profeten Moses[as]. Nettopp derfor sier profeten Aron[as] at han ikke var for hard mot sitt folk fordi han fryktet å gå utenfor Moses[as] sine retningslinjer og dermed skape splid blant folket. Profeten Aron[as] ventet alltid på en ordre fra Moses[as] i viktige henseender slik at han ikke skulle opptre ulydig overfor ham. Denne holdningen bærer vitnesbyrd om at allmenhetens tro om at en profet ikke kan være underlagt en annen profet, overhodet ikke samsvarer med Koranens lære. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 5, side 460)

netter.» (Mosebok, kapittel 24, vers 18.) Etter at Moses[as] hadde reist til fjellet, ble folket utålmodig og fikk Aron[as] til å lage en kalvegud som de kunne tilbe. Som et svar til dette står det i den hellige Koranen at profeten Moses[as] lovet folket sitt et fravær på tretti netter, men Allah åpenbarte sin Nåde ved å øke tiden med ti netter og ga Moses æren av å tale med Ham. Allah sier som følger: «Vi ga Moses et løfte om tretti netter, men vi forlenget tiden med ti netter og ferdigstilte dem.» Slik opprettholdt hans Herre et løfte om førti netter.

Av disse to fremstillingene er det Koranens utsagn som er den sanne. Dette fordi at dersom Moses[as] ikke hadde fastsatt en tid for sitt fravær, så ville ikke folket ha blitt bekymret kun etter en måned, da en måned ikke er å anse som veldig lang tid. De ble bekymret etter en måned nettopp fordi Moses[as] lovet folket å vende tilbake etter 30 netter, og når han ikke gjorde dette ble de bekymret og usikre. En mann ved navn Samri utnyttet denne muligheten til å stifte ufred blant folket. Profeten Aron[as] minnet folket om at dette var den sanne prøvelsen de skulle utsettes for. Faraos vrede var ingenting i forhold til dette fordi de da ble angrepet av en fiende utenfra, noe som oftest fører til enhet blant folk. Men når det oppstår en indre uro, og angrepet kommer fra en fiende blant dem selv, så er det flere svake mennesker som begynner å tvile på sin tro. Profeten Aron[as] minnet folket om alle de prøvelsene de hadde blitt utsatt for, men at denne var den største og mest krevende av dem. Denne ville skille de vantro fra de sannferdige. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 5, side 456-459)

Den hellige Koranen beskriver israelittene som skyldige i avgudsdyrkelse, mens den frikjenner profeten Aron[as] for å ha begått denne synden. Dessuten gjorde han sitt beste for å få dem til å avholde seg fra å utføre denne handlingen. I motsetningen til dette beskylder bibelen Aron[as] for å ha syndet, akseptert israelittenes ønske om en kalvegud uten å nøle, og oppfordret hele folket til å tilbe den. Bibelens beskrivelse er til de grader usannsynlig at den strider mot all menneskelig fornuft. Hvordan kan en profet som er blitt skjenket evnen til å tale med Ham, tilbe noen andre? Hvem utenom de kristne prestene og jødiske rabbiene som blindt tror på bibelens nedskrevne ord, kan akseptere er slik irrasjonell forklaring? En del folk stiller spørsmål ved hvordan kalveguden kunne bli skapt på kun ti dager? Ut ifra denne kritikken kan det synes som om de har funnet kalvegudens karakter så ekstraordinær og kompleks at det føltes nødvendig med fabrikker og høyklasses kunstnere for å skape den. Hvilken stor bragd er det i å smelte en klump med gull og deretter forme den som en gudestatue? Den personen som lagde denne statuen var avgudsdyrker av hjertet og ønsket derfor å gjeninnføre denne synden blant det israelske folk. Hvilken stor overraskelse er det i at han på noen timer laget

Egypt. Aron[as] ba dem om å vende tilbake med øreringene til deres hustruer, sønner g døtre. Da de kom tilbake med øreringene, skapte Aron[as] en kalv. Deretter sa han: «O, Israels barn, dette er guden som ledet dere ut av Egypt.» (Mosebok, kapittel 32, vers 1-4). Videre står det at Aron[as] bygget et tempel for israelittene slik at de kunne be der. Det er verdt å fundere over hvordan en profet som taler med Gud kan være blant avgudsdyrkerne. Hvordan kan han tilbe en kalv? Dermed kan man konkludere med at fornuften lett kan skille mellom den sanne hellige boken – Koranen – og Toraen. Profeten Moses[as] var sannelig arg da han vendte tilbake fra fjellet. Han brente kalveguden og blandet dens aske i vann som han ba israelittene drikke. Deretter ga han dem ordre om å drepe et menneske hver, og slik ble tre tusen menn drept. Profeten Moses[as] talte deretter til Allah og ba Ham om å frikjenne deres synder, eller viske hans navn fra den hellige boken. Men Herren svarte Moses[as] at han ville viske navnene til de som hadde syndet. (Mosebok, kapittel 32, vers 33)

Etter å ha håndtert denne konflikten vendte Moses[as] tilbake til fjellet. Allah ga ham påbud om å ikle Aron[as] et hellig klede som ville rense ham slik at han kunne tjene Ham. På samme måte ble hans sønner ikledd kjortler som kunne rense dem slik at de også kunne tjene Gud. Moses[as] adlød Allah og handlet deretter. (Mosebok, kapittel 4, vers 13-16). I følge bibelen er det tydelig at Aron[as] ble utdelt et hellig klede, mens de andre synderne fikk svi for sin avgudsdyrkelse. Samtidig fikk også hans avkom en utmerket stilling som overvåker av tilbedelsesstedene. Kan man få en slik stilling hvis man er en avgudsdyrker slik bibelen hevder? Hvis alle ledere av denne synden ble tilintetgjort, hvorfor ble ikke profeten Aron[as] også myrdet? Hvorfor ble ikke Aron[as] sitt navn visket, når Allah hadde lovet profeten Moses[as] at «Jeg vil viske navnet til de som syndet» (Mosebok, kapitel 32, vers 33.) Dessuten leser vi i bibelen at Gud uttrykte sin glede overfor Aron[as], og befalte han og hans avkom om å overvåke alle gudshus i fremtiden. Denne gaven samt Guds uttrykk av glede vitner om at Aron[as] ikke en gang var i nærheten av å tilbe kalven. I følge Koranen frarådet Aron[as] israelittene fra avgudsdyrkelse, og ønsket å etablere Guds enhet blant dem, men de nektet å adlyde ham. Denne sannheten er så åpenbar at det britiske leksikonet også forkaster muligheten for at profeten Aron[as] var en avgudsdyrker ved å hevde at denne hendelsen har blitt inkludert i bibelen i etterkant.

En studie av Toraen viser at profeten Moses[as] ikke fastsatte tiden for sitt opphold i fjellet da han forlot israelittene. Han sa bare at «jeg vil at dere skal vente på meg her til jeg vender tilbake» (Mosebok, kapittel 24, vers 14). «Han oppholdt seg på fjellet i førti dager og førti

«*Sannelig de som tok kalven (til gud), vrede fra deres Herre skal nå dem, og ydmykelse i det nærværende liv, og slik lønner vi løgnerne.*» (7:152)

Fotnote fra Tafseer-e-Sagheer, side 210: Profeten Moses[as] var fylt av raseri overfor sitt folk på grunn av deres avgudsdyrkelse, og var mest sint på sin bror for at han ikke satte seg opp mot folkets avgudsdyrkelse. Han lot sitt sinne gå utover sin bror, slik at resten av folket skulle innse alvoret og vende om.

<u>Sura Ta-Ha</u>

«*Og skjenk meg en hjelper fra min familie, Aron, min bror. Øk min styrke ved (hjelp av) ham. Og la han få del i min verv.*» (20:30-33)

«*Gå du og din bror med Mine tegn, og bli ikke trette i deres ihukommelse av Meg. Gå dere begge til Farao, da han har overskredet (alle) genser. Men tal til ham et blidt ord, for at han skal tenke seg om eller frykte. De sa: Vår Herre, vi frykter at han skal begå overgrep mot oss eller overskride (alle) grenser (ved å forfølge oss). Han [Allah] sa: frykt ikke, da Jeg sannelig er med dere. Jeg hører, og Jeg ser. Gå da dere begge til ham og si: Vi er din Herres sendebud. Send derfor med oss Israels barn. Og straff dem ikke. Vi er visselig kommet til deg med et tegn fra din Herre. Og fred være med den som følger rettledningen.*» (20:43-48)

«*Og Aron hadde sagt til dem i forveien: Å mitt folk, dere er visselig prøvet gjennom denne [kalven]. Og se, deres Herre er den Nåderike. Følg derfor meg og adlyd min befaling. De svarte: Vi vil ikke opphøre med å tilbe den før Moses vender tilbake til oss. Han [Moses] sa: Å Aron, hva hindret deg da du så dem fare vill, fra å følge meg? Har du da handlet ulydig mot min befaling? Han svarte: Å min mors sønn, grip ikke meg i skjegget, heller ikke (håret på) mitt hode. Jeg frykter at du skulle si: Du har skapt splittelse mellom Israels barn og ventet ikke på min avgjørelse.* (20:91-95)

<u>Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 5, side 456</u>

Dette verset er et bevis på at profeten Aron[as] ikke deltok i avgudsdyrkelsen, men at han frarådet folket sitt fra å utvikle en slik stor synd, det vil si å tilbe en kalv. Bibelen, derimot, beskylder han for avgudsdyrkelse. I Toraen står det følgende: «Når profeten Moses[as] tok lang tid med å klatre ned fra fjellet, samlet folket seg hos Aron og ba ham om å skape en gud til dem, slik at de kunne tilbe den. De sa at de ikke så noe til den guden som hjalp Moses[as] ut av

«*Han (Allah) sa: Vi vil styrke din arm ved hjelp av din bror, og Vi vil gi begge fullmakt, så de ikke skal kunne nå der (med noe ondt). (Gå da begge) Med Våre tegn. Dere og de som følger dere skal seire!*» (28:36)

Sura Maryam

«*Og av Vår barmhjertighet skjenket Vi ham hans bror Aron som profet.*» (19:54)

Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 5, side 293

I sura Ta-Ha nevnes at profeten Moses[as] søkte bistand hos Allah og ba om en hjelper blant sitt folk. Allah hørte hans rop om hjelp og utpekte Aron[as] som profet. I dette verset understrekes at profetdømmet til profeten Aron[as] skiller seg fra andre profetdømmer i den forstand at Aron[as] ble skjenket Moses[as] som en velsignelse fra Allah. Han var en profet, men en tjener for Moses[as], og en underdanig profet. Han var kun en hjelper.

Sura Al-Shu'ara

«*Og mitt bryst (føles) snevert og min tunge er ikke veltalende. Send derfor (bud) til Aron (også). Og de har en anklage mot meg, så jeg frykter at de vil drepe meg. Han [Allah] sa: Visselig nei, men gå dere begge med Våre tegn, Vi er visselig med dere (og) hører (deres bønner).*» (26:14-16)

Sura Al-A'raf

«*Og vi lovte Moses tretti netter (til møte på fjellet) og Vi fullendte dem med ti til, slik at tiden som var fastsatt av hans Herre ble fullendt med førti netter. Og Moses sa til sin bror Aron: Vør min stedfortreder blant mitt folk og hold fred mellom dem, og følg ikke urostifternes vei.*» (7:143)

«*Og da Moses vendte tilbake til sitt folk, vred og sorgfull, sa han: Ondt er de dere har gjort etter meg i mitt fravær. Ville dere fremskynde deres Herres befaling? Og han kastet tavlene og grep sin bror i hodet i det han trakk ham hen til seg. Han [Aron] sa: Sønn av min mor, folket regnet meg visselig som svak, og de hadde nær drept meg. La da ikke fiendene glede seg over meg, og anbring meg ikke sammen med det urettferdige folk.*» (7:151)

Profeten Aron[as]

Profeten Aron[as] nevnes i de tretten følgende suraene:

1. To ganger i sura Ta-Ha
2. To ganger i sura Al-A'raf
3. En gang hver i sura Al-Shu'ara, sura Maryam, sura Al-Mu'minun, sura Al-Saffat, sura Al-Baqarah, sura Yunus, sura Al-Qasas, sura Al-Ambija', sura Al-Nisa, sura Al-Furqan og sura Al-An'am.

Sura Al-Baqarah

«*Og deres profet sa til dem: Sannelig, tegnet på hans kongedømme skal være at det blir gitt dere et hjerte hvor det er fred fra deres Herre, og den (gode) arv som ble etterlatt av Moses' slekts og Arons slekt – englene skal bære den. I dette er det visselig et teg for dere, om dere tror.*» (2:249)

Sura Yunus

«*Etter dem sendte Vi så Moss og Aron til Farao og hans rådsherrer med Våre tegn. Men de var hovmodige og et folk av syndere.*» (10:46)

Sura Al-Saffat

«*Og Vi skjenket visselig Vår nåde til Moses og Aron, Og vi frelste dem begge og dere folk fra den store trengselen. Og vi hjalp dem, og det var de som seiret. Og vi ga dem begge en tydelig Bok. Og Vi veiledet dem på den rette vei. Og for ham (etterlot vi et godt rykte) blant de etterfølgende generasjonene. Fred være med Moses og Aron! Således belønner i visselig dem som handler godt. De var visselig begge våre troende tjenere.*» (37:115-123)

Sura Al-Qasas

«*Og bror Aron er mer veltalende enn meg. Send derfor ham med meg som en hjelper, som skal (bære vitnesbyrd) for min sannhet, jeg frykter visselig at de skal forkaste Deg.*» (28:35)

- Profeten Moses[as] fiender ble utslettet, men han fikk aldri makt over Egypt, mens da profeten Muhammad[saw] fiender tapte fikk han muligheten til å regjere i Mekka.

- Profeten Moses [as] følgere vandret 40 år i ørkenen før de fikk Kanaan. Mens profeten Muhammad [sa] følgere 12 år etter hans død klarte å regjere over den ikke-troende verden.

- Profeten Moses[as] virke tok slutt, mens profeten Muhammad[saw] virke aldri vil ta slutt.

- Profeten Moses[as] kalif, de kristnes messias, Jesus[as], følgere anerkjente ikke profeten Moses[as], storhet mens utlovede messias som er siste kalif for etterfølgerne av Muhammad[sa] har sagt" han er den ene, jeg er ingenting og det er bestemt."

  (Tafseer-e-Kabeer, 10.utgave, bind 2, s. 252, 261)

- Profeten Moses[as] ble sendt til et folk som var religiøse, mens profeten Muhammads[saw] folk var verken siviliserte eller religiøse.

- Et hjelpemiddel som profeten Moses[as] fikk var staven som forandret seg til en slange, noe som er farlig og biter, mens profeten Muhammad[sa] fikk Koranen som bare bringer med seg velsignelser.

- Da profeten Moses[as] fikk åpenbaringen om at han var en profet, synes han denne oppgaven var så krevende at han ba om en hjelper og gjerne en som var i slekt med ham. Mens profeten Muhammad[saw] som hadde en langt større oppgave påtok seg den alene og lovet å fullføre, noe han også gjorde.

- Begge profetene fikk åpenbart bøker, forskjellen er at den boken profeten Moses[as] fikk åpenbart ble ikke ivaretatt til tross for at det kom profeter etter han, men boken profeten Muhammad[saw] fikk åpenbart hadde ingen etterfølgere i over 1300 år og er fortsatt ikke forandret på, og ivaretatt.

- Profeten Moses'[as] lære var at om noen slår så slå tilbake, mens i profeten Muhammad[saw] lære oppfordres man til å være god, mild og høflig og ikke ta igjen.

- Profeten Moses[as] ble sendt som profet til Israels folk, mens profeten Muhammad[saw] ble sendt for å samle og forene hele menneskeheten.

- Profeten Moses[as] opplevde at alle de først fødte i hans nasjon døde, noe som i seg selv ikke er noe stort da alle en gang skal dø. Profeten Muhammad[saw] opplevde derimot at ikke bare de først fødte i hans nasjon, men også deres neste generasjon gjennomgikk en åndelig reformasjon. (Altså at deres liv før islam, døde, og de fikk et nytt åndelig liv gjennom islam)

- Profeten Moses[as] drepte en egypter ved ulykke og som Gud tilgav, men var før åpenbaringen kjent for å ha drept noen. Mens profeten Muhammad[saw] var selv før åpenbaringen fra Gud kjent for sin godhet, rettferdighet og ærlighet.

- Gud viste gjennom profeten Moses[as] store tegn som at han kastet staven og den ble til en slange, han pekte med staven og det førte til at havet delte seg i to, han slo hardt med staven og det kom vann ut av en topp. Tegn på storhet, men selv alt dette kan ikke slå det som profeten Muhammad[saw] ble velsignet med, nemlig Koranen.

"*Og hva den unge mann angikk, så var hans foreldre troende, og vi fryktet at han skulle overvelde dem med overtredelser og utakknemlighet*." (18:81)

"*Så vi ønsket at deres Herre skulle gi dem (et barn), som var bedre enn ham i renhet og nærmere i barmhjertighet*." (18:82)

"*Og hva muren angikk, så tilhørte den to foreldreløse gutter i byen, og under den var det en skatt som tilhørte dem begge. Og deres far hadde vært (en) rettferdig (mann). Derfor ønsket din Herre at de skulle nå deres modne alder, og bringe deres skatt for dagen (som) en barmhjertighet fra din Herre. Og jeg gjorde det ikke på egen foranledning. Dette er forklaring på hva du ikke kunne utholde (sammen med meg) i tålmodighet*." (18:83)

Folk har egentlig misforstått denne hendelsen. Sannheten er at profeten Muhammad[saw] og hans flukt fra Mekka er nevnt i sura Bani Isra'il og følgende av hans himmelreise er nevnt for å fortelle om hva som vil skje i fremtiden og om fremgangen som muslimene vil oppleve. Det er også nevnt om de farene som muslimene ville møte på i fremtiden, som motstand fra jødene og de kristne. Det er også nevnt en gruppe følgere av profeten Moses[as], kalt de kristne, som ikke vil kalle seg profeten Moses'[as] etterfølgere, men i Guds øyne er de det. Denne gruppen ville i den siste tid forårsake mye lidelse blant muslimene. Derfor har Gud utdypet dette ved å både nevne profeten Muhammad[saw] og profeten Moses[as] her. Det viser at profeten Muhammad[sa w] ville seire, og at profeten Muhammads[saw] folk ville bli skjenket seier. Og at Moses'[as] folk, altså den kristne gruppen, ikke ville seire. Denne hendelsen er basert på en visjon profeten Moses[as] hadde. (Tafseer-e-Kabeer, 4.utgave, bind 2, s.466-467)

I noen Hadith er det nevnt et møte mellom profeten Moses[as] og en som het Hizar. Det er forskjellige tolkninger om dette møtet og dets betydning som er godt beskrevet i sura. Den utlovede Messias forteller at Gud gjennom åpenbaring, viste profeten Moses[as] om den betydningen profeten Muhammad[saw] ville ha i fremtiden, for Moses[as] hadde ikke styrke til å gå side om side med denne mannen som er beskrevet som Khizar, men det er snakk om profeten Muhammad[saw].

En sammenlikning mellom profeten Moses[as] og profeten Muhammad[saw]

- Profeten Moses[as] kunne lese og skrive, mens profeten Muhammad[saw] derimot var analfabet. Til tross for dette lykkes han med sitt budskap i langt større grad enn profeten Moses[as].

”*Og hvordan skulle du kunne holde ut tålmodig, hva du ikke (selv) kan omfate med (din) kunnskap*?” (18:69)

”*Han [Moses] sa: Du vil finne meg tålmodig, om Allah vil, og jeg vil ikke være ulydig mot deg i (noen) sak*.” (18:70)

”*Han [Allahs tjener] sa: Hvis du da vil følge meg, så spør meg ikke om noen ting, før jeg selv nevner det for deg*.” (18:71)

”*Så dro de begge av sted, inntil de gikk ombord i en båt, hvis (plankene) han [Allahs tjener] rev av. Han [Moses] sa: Har du revet av (plankene) i den for å drukne båtens besetning? Du har visselig gjort en tåpelig ting*.” (18:72)

”*Han sa: Sa jeg ikke til deg, at du ikke kunne holde ut sammen med meg i tålmodighet*?” (18:73)

”*Han [Moses] svarte: Vær ikke sint på meg, fordi jeg glemte, og vær ikke hard mot meg på grunn av dette*.” (18:74)

”*Så dro de videre, inntil de møtte en ung mann, som han [tjeneren] drepte. Han [Moses] sa: Har du drept en uskyldig sjel uten (at han har drept) noen sjel? Du har visselig gjort noe avskyelig*.” (18:75)

”*Han [tjeneren] svarte: Sa jeg ikke til deg, at du ikke kunne holde ut med meg i tålmodighet?*” (18:76)

”*Han [Moses] sa: Dersom jeg spør deg om noe heretter, så trenger ikke du å holde meg med selskap. Du har visselig fått den siste unnskyldning fra meg*.” (18:77)

”*Så dro de videre, inntil de kom til innbyggerne i en by (og) ba dem om mat, men de avslo å beverte dem. Så de fant i den en mur, som ikke var langt fra å bryte sammen, og den (muren) satte (tjeneren) i stand. Han [Moses] sa: Om du hadde villet, kunne du ha krevd belønning for det*.” (18:78)

”*Han [tjeneren] sa: Dette (betyr) vår avskjed med hverandre. Jeg vil nå fortelle deg meningen med det du ikke formådde å bære med tålmodighet*.” (18:79)

”*Hva båten angikk, så tilhørte den noen fattige som arbeidet på havet, og jeg ønsket å skade den, fordi det var en konge etter dem, som tok enhver båt med makt*.” (18:80)

I sura Bani Isra'il, er følgende nevnt:

1. Dette landet vil bli tatt fra jødene og gitt til et annet folk
2. Etter en stund vil jødene få det tilbake
3. Bare for å miste det igjen
4. Landet vil så bli gitt tilbake, men ikke til jødene. Et annet folk som også tror på Moses[as] vil overta det, de kristne. Hvis de ikke følger guds lov, vil de bli fratatt det de også og det vil bli gitt til et annet folk, nemlig muslimene.

   (Tafseer-e-Kabeer, 5.utgave, bind 2, s. 573)

Sura Khaf

"*Og (husk den tid) da Moses sa til sin unge (disippel): Jeg vil ikke stanse, før jeg når (stedet) hvor de to floder møtes, selv om jeg også må fortsette over lang tid.*" (18:61)

"*Så da han hadde nådd stedet hvor de to floder møtes, glemte de begge deres fisk, og den fant hurtig sin vei til havet.*" (18:62)

"*Og da de gikk videre, sa han [Moses] til sin unge (disippel): Bring oss vårt morgenmåltid, da vi visselig har møtt (nye) besvær på denne reisen.*" (18:63)

"*Hans (disppel) svarte: Så du ikke, da vi søkte tilflukt på klippen, at jeg glemte fisken, (så den slapp bort). Og ingen annen lot meg glemme å nevne det (for deg) enn Satan og den fant sin vei til havet på en forunderlig måte.*" (18:64)

"*Han [Moses] sa: Det er hva vi har søkt. Og de vendte og fulgte sine egne fotspor tilbake.*" (18:65)

"*Så fant de en av Våre tjenere, som Vi hadde skjenket Vår barmhjertighet, og som Vi hadde skjenket kunnskap fra Oss Selv.*" (18:66)

"*Moses sa til ham: Får jeg følge deg, (på den betingelse), at du lærer meg (noe av) den rettledning som er blitt skjenket deg?*" (18:67)

"*Han svarte: Du kan ikke holde ut i tålmodighet med meg.*" (18:68)

Etter å ha krysset havet trygt, så israelittene hvordan den mektige fienden hadde blitt tilintetgjort av Gud med sine egne øyne og var veldig takknemlige. Området de nå søkte tilflukt i var øde, de var i tusener og siden de ikke hadde med noe da de flyktet, følte de seg ganske hjelpeløse. Etter å ha levd lang tid i fangenskap og i en tilstand av avhengighet, ønsket Gud å la dem bo i ørkenen en stund for å lære seg å overleve på ville urter. De skulle fortsette å vandre i ørkenen i førti år for at livet i ørkenen skulle styrke dem og gi dem mot til et nytt liv og for å styrke deres moral. Gud velsignet disse urtene med all næring som trengs for å overleve.

Gud kalte Moses[as] til seg for tredve dager, men holdt han igjen i førti. Under Moses[as] fravær, falt israelittene tilbake til tilbedelsen av en kalv, noe som var vanlig i Egypt. En gruppe ved navn Samri sto bak dette, de bestod hovedsakelig av håndverkere. De som sto bak denne intrigen og forsøkte å skape splid var av de som ikke trodde på Moses[as] som profet og hadde til hensikt å overta som ledere for israelittene. De ignorerte formaningene til Aaron og selv etter at Moses[as] kom tilbake og irettesatte dem kom de med unnskyldninger. Profeten Moses[as] var dypt skuffet over at israelittene hadde latt seg friste og glemt guds budskap og alt som hadde blitt gjort for dem. (Tafseer-e-Kabeer, 5.utgave, bind 2 s. 429, 463). For å få slutt på kalvetilbedelsen ba Gud om å slakte kalven som representerte denne tilbedelsen. Etter flere unnskyldninger og unnvikelser ble kalven til slutt slaktet, til stor ydmykelse for kalvetilbederne. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 1, s. 502) Det var også vanlig med slakting av mennesker, noe som ble strengt forbudt og står nevnt i Moselovene. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 6, s. 49)

Som nevnt i tafseer av sura Sjura er åndelig forfall blant hans følgere noe profeten Moses[as] forutså. Gud hadde gjort han kjent med kunnskapen om at hans følgere vil være tro mot han så lenge han leder dem, men vil være åndelig tomme og som slanger uten han. Da profeten så dette i en åpenbaring snudde han seg og løp vekk, men Gud beroliget ham ved å si at når profeter står til tjeneste for så er det for å motta belønning, ikke straff. Hans jobb var å lede israelittene men Gud ville la vite hvordan det ville gå med dem. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 7, s. 350)

Gjennom Moses[as] ble israelittene fortalt at dette landet ikke vil tilhøre dem for alltid. De ville først bo der en stund, så bli kastet ut, for så igjen å bosette seg der, men bli kastet ut igjen. Slik har historien vist at Guds ord har blitt sannhet. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 5, s. 571)

Disse to er ytterligere beskrevet i sura Naml, mens resterende fem er nevnt i sura A'raf. Der kommer det frem hva slags straff faraoen skulle få, noe som blant annet innebar at gresshopper ødela avlingene deres som førte til matmangel. De ble infisert med lus som de ikke klarte å bli kvitt på grunn av kulde og muligheten til å vaske seg, så kom det mye regn som førte til en froskeinvasjon. Etter flere slike tegn endte de opp med å drukne i en forferdelig storm. Disse tegnene var tydelige og selv om de innerst inne visste at det de gjorde var galt og det som de nå opplevde var straff, lot de sin arroganse ta overhånd og fortsatt med sin ondskap. (Tafseer-e-Kabeer, bind 7, s. 313, 353-354)

Da Moses[as] fikk i oppdrag om å vende tilbake til Farao og hans folk for deres veiledning og reformasjon, ble han redd for å bli drept før han fikk overlevert guds budskap, som straff for drapet han tidligere hadde begått. Han ba til Gud om å la hans bror Aaron bli med som medhjelper. Gud bønnhørte han og lovet at ingen kunne skade dem så lenge de var under guds beskyttelse. (Tafseer-e-Kabeer, 7.utgave, bind 2, s. 460) Det kommer frem av Bibelen og Koranen at profeten Moses[as] hadde en form for talefeil og slet med å formidle budskapet i klar tale eller at han ikke behersket språket. (Tafseer-e-Kabeer, 7.utgave, bind 1, s.442)

Moses[as] og Aaron overleverte guds budskap til Farao. Alt dette var imidlertid ukjent for Faraoen og han utfordret Moses[as] som en bedrager og løgner. Selv etter at profeten Moses[as] nedkjempet hans mektigste venner og mange av dem begynte å tro på Moses[as], lot Faraoen seg ikke overtale. I stedet straffet han de som begynte å tro på budskapet til profeten Moses[as]. Moses'[as] budskap om kjærlighet og åndelige føde fra Gud ble avvist med erklæringer om at Moses[as] hadde som intensjon å jage ut egypterne fra deres land. Selv etter mange tunge straffer fra Gud ville ikke Farao gjøre slutt på sin brutalitet. I løpet av denne tøffe tiden fikk Moses[as] en åpenbaring om at israelittene skulle forlate Egypt.

Moses[as] og Aaron førte israelittene ut av Egypt til Kanaan. Israelittene forlot landet i all hemmelighet om natten, men da Farao fikk vite om dette sendte han sine soldater etter dem, men de endte opp med å drukne i Rødehavet. Da Moses og israelittene kom til den nordlige enden av Rødehavet, hadde fjære av tidevannet begynt. Ettersom vannet forsvant, etterlot det seg jord og topper som gradvis var udekket, slik at de kunne krysse området. Ved ankomst ved Rødehavet så de egyptiske styrkene en naken strekning og fulgte etter israelittene, men deres vognhjul satt fast i våt jord og vannet kom tilbake i det vinden skiftet, og de druknet.

all hast og dro utover mot Midian i all hemmelighet og hele tiden i bønn om Guds beskyttelse mot det ondskapsfulle kongedømme.

Etter noen dagers reise kom profeten Moses[as] frem til en liten innsjø hvor han så at flere ga vann til dyrene sine. Blant dem var det to unge damer som holdt tilbake sine flokker. Profeten Moses[as] gikk bort og spurte dem om hvorfor de holdt tilbake sine dyr. De svarte at de kunne ikke ønsket å vanne sine dyr før alle de andre var ferdig med deres. De ønsket ikke å menge med mennesker med uanstendig atferd. Faren deres var blitt en gammel mann og kunne derfor ikke lenger passe på dyrene, og derfor jentene nødt til å gjøre dette nå. Profeten Moses[as] bestemte seg for å hjelpe dem og tok dyrene bort til innsjøen for at de kunne drikke vann. Etter dette satte han seg i skyggen av et tre og ba til Gud om hjelp og beskyttelse. Like etter kom en av jentene tilbake. De hadde fortalt om hans gode gjerning til sin far og han vil takke profeten Moses[as]. Profeten Moses[as] ble med og fortalte deres far om det som hadde skjedd i Egypt. Til dette sa faren "Frykt ikke noe mer, du har rømt fra et urettferdig folk". En av døtrene foreslo at Moses[as] kunne jobbe for dem for han hadde vist seg å være en sterk og rettferdig mann. Faren var selv imponert og foreslo at hvis han jobbet for ham i åtte år kunne han få gifte seg med en av døtrene hans og hvis han ble i ti år så ville det bli ansett som en stor tjeneste. Profeten Moses[as] godtok dette forslaget og sa at han ville gjøre sitt beste for å leve opp til avtalen. Etter hvert ble ekteskapskontrakten inngått og da profeten Moses[as] hadde holdt sin del av avtalen tok han med seg familien sin og vandret videre. Under denne reisen med sin familie så han manifestasjon av Gud gjennom en ildkule i enden av en dal. Han ba sin familie om å vente slik at han kunne dra videre for å se hva dette var og skulle komme tilbake enten med nyheter eller ild slik at de kunne holde på varmen. Da han kom til dette stedet hørte han en stemme fra sin høyre side "Å Moses. Jeg er visselig Allah, verdenes herre. Kast din stav. Og da han så den bevege seg som om det var en slange, vendte han seg i frykt og så ikke tilbake. Å Moses, vend deg om og frykt ikke, du hører visselig til dem som er i sikkerhet mot alt ondt. Stikk din hånd i din armhule, den vil komme ut hvit uten noe ondt. Og trekk så din arm tilbake til deg for frykten. Og dette er to tegn fra din herre til Farao og hans stormenn, de er visselig et syndig folk." (Al-Qasas 28:31-33)

Disse to tegnene var av de ni tegn som profeten Moses[as] fikk før han ble sendt for å bekjempe faraoen. Med «ild/flamme», menes her, guds kjærlighet og er en metafor for at den som kaster seg inn i flammene av kjærlighet til Gud vil være velsignet. Dette er noe som har blitt åpenbart for både Moses[as] og profeten Muhammad[saw].

svake i faraoens kongerike bli de som ble ledere og gi dem de samme fruktene som faraoen nøt så godt av. Så fortelles det om profeten Moses[as] sin fødsel hvor hans mor i en åpenbaring fikk beskjed av Gud om å amme ham, men når hun fryktet for hans liv skulle hun sette ham i en kurv og sende den avgårde langs elven. Profeten Moses[as] mor gjorde slik Allah befalte. Når hun ikke lenger kunne skjule ham, lagde hun en kurv, la han oppi og lot den flyte langs ved elvebredden. Da kurven fløt forbi faraoens slott så en av slektningene hans dette og tok den opp. Hun ble tiltrukket av spedbarnet og tryglet faraoen om å la det leve ”Han vil være en glede for øynene mine, og for deg også, så drep ham ikke, forhåpentligvis kan han vise seg å være nyttig for oss eller vi kan adoptere ham som en sønn.”

Moren til Moses gjorde som Gud befalte, og hennes bekymringer for hennes sønn forsvant. Det står at Gud styrket hennes hjerte. Hun sendte datteren sin etter kurven slik at hun skulle holde øyet med den. Datteren så hva som skjedde uten å bli oppdaget av egypterne. Etter hvert oppstod et spørsmål rundt amming da profeten Moses[as] ikke lot seg amme av noen. Søsteren snek seg da frem og kom med ett forslag om en som muligens kunne amme barnet og ga adressen hjem til seg selv og sa at her er det noen som kan ta seg jobben som ammemor med glede. Og etter denne Guds plan, gikk det til at profeten Moses[as] igjen endte hos sin mor.

Profeten Moses[as] var ved moden alder allerede en rettferdig mann. Gud hadde velsignet han denne egenskapen. Ved en anledning kom han over to innbyggere i håndgemeng. Den ene parten var egypter og den andre israelitt. Israelitten ba Moses[as] om hjelp og fikk det. Moses[as] slo egypteren med neven, noe som førte til at han falt om og døde. Profeten Moses[as] falt i bønn om tilgivelse og hjelp til å skjule hans ugjerning. Han ville bare hjelpe en av sine egne som ble undertrykt, men forårsaket en annen manns død. Med guds hjelpende hånd var det ingen myndighetspersoner i nærheten og Moses[as] slapp unna. Dagen etter så han samme israelitt i håndgemeng med en annen egypter. Da han så dette tenkte at han denne israelitten er hissig og en bråkmaker og gikk bort for å be han om å skjerpe seg. Men israelitten misforstod situasjonen og ble redd for at Moses[as] skulle slå ham slik han gjorde med egypteren. Av frykt skrek han, "O’Moses (fred være med ham) har du tenkt å drepe meg slik du drepte han i går?" Slik fikk alle rundt omkring med seg hva som hadde skjedd og egypteren israelitten var i håndgemeng med skjønte at det var profeten Moses[as] sto bak gårdagens dødsfall. Slik spredte nyheten om at Mose [as] sto bak mordet på en egypter.

Mens ryktet spredde seg kom en person i all fortrolighet til profeten Moses [as] for å fortelle han om at de som styrte kongeriket snakker om å ta livet av han som straff. Moses [as] forlot byen i

”*og løst knuten fra min tunge,*” (20:28)

”*slik at de kan forstå min tale.*” (20:29)

Tafseer-e-Kabeer

(Kommentarlitteratur av Koranen av Hadrat Mirza Basheer-ud-Din Mahmood Ahmad[ra])

I Koranen fortelles det at profeten Moses[as] ikke bare en av israelittene, men også den første profeten som ble sendt som sendebud til dem. Mens profeten Jesus[as] var det siste sendebud sendt til israelittene. Over et dusin ganger blir israelittene i Koranen nevnt som profeten Moses[as] sitt folk. Han ble sendt som sendebud for dette folk, men kun et fåtall av hans folk anerkjente og fulgte han som profet. (Tafseer-e-Kabeer, bind 1, s. 432)

Profeten Moses[as] sitt profetdømme varte i 1900 år. Profeten Moses[as] ble sendt for å veilede israelittene. (Tafseer-e-kabeer, bind 6, s. 389)

Profetens Moses'[as] lover (shariat) var for det jødiske folk og var gjeldene i 2000 år. Koranen forteller at Gud ga profeten Moses[as] Toraen, og hans bror, Aron, fikk ansvaret som hans underordnet. (Tafseer-e-Kabeer, bind 6, s. 498)

I Koranen og Bibelen kommer det frem at profeten Moses [as] var en av israelittene. Det er andre som påstår at han var en egypter, men sannheten er at det finnes ikke bevis som støtter opp om denne teorien, mens det finnes uttallige bevis som støtter opp om det faktumet at profeten Moses[as] var en av israelittene. (Tafseer-e-Kabeer, bind 1, s. 442)

Ramses den andre hersket på den tiden da profeten Moses[as] ble født og var stor motstander av israelittene og da han så deres fremgang ga han ordre til jordmødrene om å drepe alle guttebarn. Men jordmødrenes gode hjerter klarte ikke å gjennomføre dette så det ble gitt nye ordre. Alle guttebarn som ble født av israelitter skulle kastes i havet, mens jentene kunne spares. (Khrooj baab 1, sura 22) (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 1, s. 417)

Allah forteller i Koranen til profeten Muhammad[saw] om hendelsen mellom faraoen og profeten Moses[as]. Hendelsen nevnes som et tegn på Guds attributter som den Althørende og den som har kunnskap om det ukjente/det skjulte. Det fortelles i Koranen om faraoens arroganse og hvordan han skapte splittelse i befolkningen, drepte guttebarna til israelittene og lot jentene leve. Slik ville ha ta fra dem all makt. Men Gud hadde bestemt seg for å la de

”*Og Han svarte: Hvis du virkelig har kommet med et tegn, så vis oss det, om du hører til de sanndru.*» (2:107)

”*Og han kastet staven sin, og se – den ble tydeligvis en slange.*» (2:108)

”*Og han trakk hånden sin frem, og se – den så ut til å være hvit for beskuerne.*» (2:109)

«*Anførerne fra Faraos folk sa: Denne er visselig en dyktig trollmann.*» (2:110)

«*Han ønsker å drive dere ut av deres land. Hva vil dere da råde til?*» (2:111)

«*De sa: Hold ham og hans bror tilbake (en tid), og send herolder ut i byen,*» (2:112)

«*som skal bringe enhver dyktig trollmann til deg,*» (2:113)

«*Og trollmennene om til Farao og sa: Skal vi få en stor belønning hvis det er vi som seirer?*» (2:114)

«*Han svarte: Ja, så skal dere sannelig være blant dem som står meg nær*» (2:115)

«*De sa: Å Moses, skal du kaste (først), eller skal vi kaste?*» (2:116)

«*Han svarte: Kast dere, men da de kastet, forhekset de folks øyne og prøvde å inngyte dem frykt, og de frembrakte et stort trolldomsverk.*» (2:117)

«*Og Vi åpenbarte Moses: Kast staven din, og se, den spiste opp det de hadde funnet opp [altså deres bedrag].*» (2:118)

”*Slik ble sannheten innlysende, og det de pleide å gjøre viste seg å være bedrag.”* (2:119)

”*Og de ble beseiret der, og de vendte tilbake med ydmykhet.*” (2:120)

”*Og trollmennene ble kastet nesegrus til jorden.*” (2:121)

Sura Al-Naml

”*Og stikk din hånd i din armhule; den vil komme ut hvit, men uten sykdom. (Dette er et tegn) blant de ni tegnene til Farao og hans folk, de er et ondt folk.*” (27:13)

Sura Taha

”*Han [Moses] sa: Min Herre, utvid mitt bryst for meg,*” (20:26)

”*og gjør min sak lett for meg,*” (20:27)

«*Og (det ble sagt til ham): Kast din stav. Og da han så den bevege seg, som om det var en slange, vendte han seg (i frykt) og så seg ikke tilbake. (Da sa Vi): Å Moses, vend deg om og frykt ikke, du hører visselig til dem som er i sikkerhet (mot alt ondt).*» (28:32)

«*Stikk din hånd inn i din armhule; den vil komme ut hvit, uten noe ondt. Og trekk så din arm tilbake til deg (slik at du blir befridd) for frykten. Og dette er to tegn fra din Herre til Farao og hans stormenn, de er visselig et syndig folk.*» (28:33)

«*Han [Moses] sa: Min Herre, jeg har drept et menneske blant dem, og jeg frykter at de vil drepe meg (for å ta hevn).*» (28:34)

«*Og min bror Aron er mer veltalende enn meg. Send derfor ham med meg som en hjelper, som skal (bære vitnesbyrd) for min sannhet, jeg frykter visselig at de skal forkaste Deg.*» (28:35)

«*Han [Allah] sa: Vi vil styrke din arm ved hjelp av din bror, og Vi vil gi begge fullmakt, så de ikke skal kunne nå dere (med noe ondt). (Gå da begge) med Våre tegn. Dere og de som følger dere skal seire.*» (28:36)

«*Og da Moses kom til dem med Våre tydelige tegn, sa de: Dette er ikke annet enn forfalsket magi, og vi har ikke hørt om (noe likt) dette blant våre forfedre.*» (28:37)

«*Og Moses sa: Min Herre kjenner best hvem som kommer med rettledning fra Ham, og hvem som vil få det (evige) hjems belønning. Sannelig, de urettferdige vil ikke ha fremgang.*» (28:38)

«*Og Farao sa: Å dere stormenn, jeg kjenner ingen gud foruten meg. Brenn derfor Å Hâmân, leirstein til meg og lag meg et tårn, så jeg måtte skue Moses' Gud. Og jeg mener visselig, at han er en av løgnerne.*» (28:39)

Sura Al-A'raf

«*Deretter oppreiste Vi etter dem Moses (som profet), (og sendte ham) med Våre tegn til Farao og hans stormenn, men de forkastet (ham) med urette. Se da hvordan enden ble for dem som stiftet ufred.*» (7:104)

«*Og Moses sa: Å, Farao, jeg er sannelig et sendebud fra verdenenes Herre.*» (2:105)

"*Det er pålagt meg å ikke si annet enn sannheten om Allah. Visselig er jeg kommet med et klart og tydelig tegn til dere fra deres Herre. Send derfor Israels barn med meg.*» (2:106)

«Og han dro bort derfra, fryktsom og aktpågivende. Han sa: Min Herre, frels meg fra det urettferdige folk.» (28:22)

«Og da han hadde satt kurs mot Midian, sa han: Måtte min Herre lede meg på den rette vei.» (28:23)

«Og da han kom til Midians vann, fant han der en flokk menn som vannet (deres får), og han fant foruten disse, to kvinner som hold (deres får) tilbake. Han sa: Hva er det som er i veien med dere to? De svarte: Vi kan ikke gi (våre får) noe å drikke før hyrdene driver (deres dyr) bort, og vår far er en meget gammel mann.» (28:24)

«Da vannet han (deres flokk) for dem, deretter vendte han seg til skyggen og sa: Min Herre, jeg har visselig behov for hva. Du vil sende meg av godt.» (28:25)

«Og den ene av dem kom til ham, vandrende blyg. Hun sa: Min far kaller deg, for at han kan gi deg en belønning, fordi du vannet (dyrene) for oss. Så da (Moses) var kommet til ham og hadde fortalt ham historien (om seg selv), sa han: Frykt ikke, du har unnsluppet et urettferdig folk.» (28:26)

«En av de to sa: Å min far, lei ham (til å arbeide for oss), da den beste du kan leie er den sterke, den pålitelige.» (28:27)

«Han sa: Jeg ønsker visselig å la deg ekte en av mine døtre på betingelse av at du tjener meg i åtte år. Og hvis du fullfører ti (år), så skal det stå til deg selv. Og jeg ønsker ikke å være hard mot deg. Du vil finne at jeg, om Allah vil, er en av de rettferdige.» (28:28)

«Han [Moses] sa: Dette (er herved avgjort) mellom meg og deg. Hvilket av de to tidsrom jeg (enn) fullender, så skal det ikke være noen urett mot meg, og Allah vokter over hva vi sier.» (28:29)

«Og da Moses hadde fullendt fristen og reiste sin familie, oppdaget han en ild i retning av (fjellet) Tûr. Han sa til sin familie: Bli her, jeg har oppdaget en ild, kanskje vil jeg bringe dere noe nytt derfra, eller en glo fra ilden, så dere kan varme dere.» (28:30)

«Så da han kom til den, ble han kalt fra den høyre siden av dalen på det velsignede sted, fra treet: Å Moses, Jeg er visselig Allah, verdenenes Herre.» (28:31)

«*Og hun sa til hans søster: Følg etter ham. Og hun stod på siden og iakttok ham (da de tok ham opp). Men de visste ikke (noe om det).*» (28:12)

«*Og Vi hadde allerede dekretert at han skulle avslå de kvinner som ville amme ham. Så sa hun: Skal jeg vise dere en familie som vil oppfostre ham for dere, og som vil være ham hengiven?*» (28:13)

«*Slik brakte Vi ham tilbake til hans mor, slik at hennes øyne kunne gledes, og så at hun ikke skulle sørge, og for at hun kunne vite at Allahs løfte er sant. Men de fleste av dem vet det ikke.*» (28:14)

«*Og da han nådde sin modenhet og var fullvoksen, skjenket Vi ham visdom og kunnskap. Slik belønner Vi dem som handler godt.*» (28:15)

«*Og han gikk inn i byen, da dens innbyggere ikke hadde åpnet, og han fant der to menn som kranglet: den ene fra hans parti, og den andre fra hans fiender. Og den som var fra hans parti, ba ham om hjelp mot den som hørte til hans fiender. Da slo Moses ham med et neveslag og gjorde det av med ham. Han sa: Dette er Satans verk. Han er visselig en åpenbar, villedende fiende.*» (28:16)

«*Han sa: Min Herre, jeg har handlet urett mot meg selv, tilgi meg for det. Da tilga Han ham. Han er sannelig, Den tilgivende, Den barmhjertige.*» (28:17)

«*Han [Moses] sa: Fordi Du har vist meg nåde, vil jeg aldri være noen hjelper for de skyldige.*» (28: 18)

«*Og om morgenen var han i byen, fryktsom og aktpågivende. Og se; den som dagen før hadde bedt om hjelp, ropte (igjen) etter ham om hjelp. (Da) sa Moses til ham: Du er visselig en åpenbar villedet (person).*» (28:19)

«*Og da han hadde i sinne å gripe fatt i den som var en fiende av dem begge, sa han: Å Moses, har du i sinne å drepe meg, som du drepte et menneske i går? Du har visselig kun i sinne å bli tyrann i landet, og du har ikke i sinne å bli en av dem som stifter fred.*» (28:20)

«*Og det kom en mann løpende fra den andre enden av byen og sa: Å Moses, stormennene holder rådsmøte angående deg for å drepe deg. Dra derfor bort, jeg er visselig en av dem som gir deg et hengivent (råd).*» (28:21)

«*Og dere kjenner visselig dem blant dere som begikk overtredelser på sabbatsdagen. Da sa Vi til dem: Bli (som) foraktede aper.*» (2:66)

«*Slik gjorde Vi dette til et advarende eksempel for dem som var den gang, og (for) dem som kom etter – og til en formaning for de gudfryktige.*» (2:67)

«*Og (husk) da Moses sa til sitt folk: Sannelig, Allah befaler dere at dere slakter en ku. De sa: Driver du gjøn med oss? Han sa: Jeg søker tilflukt hos Allah mot (den tanken) at jeg skulle være en av de uvitende.*» (2:68)

«*De sa: Be til din Herre for oss, at Han gjør det klart for oss hvordan den er. Han svarte: Han sier visselig, at det sannelig er en ku, verken gammel eller ung, fullvoksen, midt imellom. Gjør nå det som dere er blitt befalt.*» (2:69)

«*De sa: Be til din Herre for oss, at Han gjør det klart for oss hvilken farge den har. Han svarte: Han sier visselig, at den sannelig er en gul ku, lys i fargen, og en fryd for dem som ser.*» (2:70)

«*De sa: Be til din Herre for oss, at Han gjør det klart for oss hvordan den er. For alle kyr synes like for oss. Og sannelig, om Allah vil, vil vi være rettledet.*» (2:71)

«*Han svarte: Han sier, visselig, at det sannelig er en ku, som ikke har båret åk for å pløye jorden eller for å vanne åkeren, sunn og uten daddel. De sa: Nå har du brakt oss sannheten. Etter det slaktet de den, selv om de ikke ville gjøre det.*» (2:72)

<u>Sura Al-Qasas</u>

«*Og Vi åpenbarte til Moses' mor: Am ham, men når du frykter for ham, sett ham da i floden, og frykt ikke og sørg ikke; (for) Vi vil visselig bringe ham tilbake til deg og gjøre ham til et av sendebudene.*» (28:8)

«Og (da hun hadde gjort det), så tok Faraos folk ham opp, slik at han kunne bli en fiende og en sorg for dem. Sannelig, Farao og Hâmân og deres hærskarer var syndere." (28:9)

«*Og Faraos hustru sa: (Han vil bli) en øyentrøst for meg og deg. Drep ham ikke, kanskje han kan bli til nytte for oss, eller vi kan ta ham som sønn. De ante ikke (hva Vår plan gikk ut på).*» (28:10)

«*Og hjertet til Moses' mor ble befridd (for sin sorg). Hun hadde nesten åpenbart (hvem han var), hvis Vi ikke hadde styrket hennes hjerte, så hun kunne bli en av de troende.*» (28:11)

«*Og (ihukom den tid) da dere sa: Å Moses, vi vil ikke tro på deg før vi ser Allah ansikt til ansikt, da rammet lynet dere mens dere så på.* (2:56)

«*Så oppreiste Vi dere etter at deres (tilstand var liksom) død, for at dere skulle være takknemlige.*» (2:57)

«*Og Vi lot skyene overskygge dere og sendte manna og salwâ ned over dere (og sa): Spis av de gode ting som Vi forsyner dere med. Og de skadet ikke Oss, men de gjorde urett mot seg selv.*» (2:58)

«*Og (husk) da Vi sa: Gå inn i denne byen, og spis rikelig av hva dere vil (og hvor dere vil), og gå inn gjennom porten i ydmykhet og si: (Vi) ber om tilgivelse (for våre synder). Så vil Vi tilgi deres synder, og Vi vil forøke (det gode) for dem som handler godt.*» (2:59)

«*Men de som var urettferdige, byttet om det som var sagt til dem med noe annet som ikke var sagt til dem. Da sendte Vi en straff ned fra himmelen over dem som var urettferdige, fordi de var opprørske.*» (2:60)

«*Og (ihukom den tid) da Moses ba om drikkevann for sitt folk. Da sa Vi: Slå på klippen med staven din – da brøt det tolv kilder frem av den, så hver stamme kjente sitt drikkested. (Vi sa): Spis og drikk av Allahs forsyning, og gjør ikke onde handlinger på jorden, idet dere stifter ufred.*» (2:61)

«*Og da dere sa: Å Moses, vi holder ikke ut med bare én (slags) mat. Be derfor til din Herre for oss, at Han skjenker oss av det som jorden lar vokse frem; av dens urter og dens agurker og dens hvete og dens linser og dens løk. Han sa: Ønsker dere å bytte om det bedre med det som er dårligere? Gå inn i en by, for der vil dere finne det som dere ber om, og de ble slått med skjensel og elendighet og pådro seg Allahs vrede. Dette skjedde fordi de forkastet Allahs tegn, og i sin urettferdighet søkte å drepe profetene. Dette skjedde fordi de var ulydige og begikk overtredelser.*» (2:62)

«*Og (ihukom den tid) da Vi opprettet en pakt med dere, og lot (fjellet) Tûr heve seg høyt over dere (og sa): Hold fast ved det som Vi gir dere med styrke, og husk det som er i det, så dere kan ta dere i akt (for ødeleggelsen).*» (2:64)

«*Men deretter vendte dere bort, og hadde det ikke vært for Allahs nåde mot dere og Hans barmhjertighet, hadde dere visselig vært blant taperne.*» (2:65)

Profeten Moses[as]

Israelittene levde i fangenskap i Egypt. Kongen av Egypt, faraoen, hadde utsatt dem for svært harde og vanskelige forhold. For å få fullstendig kontroll over israelittene var ett av tiltakene mot dem å drepe alle deres nyfødte guttebarn. Faraoen var arrogant og opplukt av makt og begikk stadig overgrep mot befolkningen. Han behandlet befolkningen ulikt og var ikke opptatt av deres fremgang. Han skapte konflikter og intriger mellom de ulike etniske og religiøse gruppene i befolkningen. Han kunne ta fra folk deres rett til beskyttelse og drepe deres sønner, mens hans sparte deres kvinner.

Under disse omstendighetene ble profeten Moses[as] født. Han var etterkommer av profeten Abraham[as]. Faren til profeten Moses[as] het Imran, broren Haroon og søsteren Maryam.

Profeten Moses[as] er nevnt i følgene sura i Koranen: Baqarah, Mai'dah, Mariam, TaHa, Naml, A'raf, Bani Isra'il, Shura, Yunus, Nazi'at, Mu'min, Zukhruf, Dukhan, Khaf, Ahzab, Saffat.

<u>Sura Al-Baqarah</u>
"*Og (ihukom den tid) da Vi frelste dere fra Faraos folk, som påla dere en hard straff, idet de drepte deres sønner og lot deres kvinner leve. Og i dette var det en stor prøvelse fra deres Herre*." (2:50)

«*Og (husk den tid) da Vi delte havet for dere og reddet dere (ved det), men Vi lot Faraos folk drukne mens dere så på.*» (2:51)

«*Og da Vi lovte Moses førti netter (til møte på fjellet), deretter tilba dere kalven i hans fravær, og dere var urettferdige.*» (2:52)

«*Så tilga Vi dere etter dette, for at dere skulle være takknemlige.*» (2:53)

«*Og (husk) da Vi ga Moses Skriften og sondringen mellom galt og rett, for at dere skulle være rettledet.*» (2:54)

«*Og da Moses sa til sitt folk: Å mitt folk, dere har visselig handlet urett mot dere selv ved å tilbe kalven. Vend derfor tilbake til deres Skaper, og drep deres onde begjær. Dette er bedre for dere i deres Skapers øyne. Da vendte Han Seg til dem med nåde, sannelig Han er den som stadig vender Seg i nåde, Den barmhjertige.*» (2:55)

har gitt deg bestikkelser, for at du skal svekke de midlene som har resultert i at vi har lykkes. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 7, s. 254)

Da profeten Sju'aib[as] fortalte folk at de ikke skulle plyndre andres rikdom, eller forbruke sin rikdom på forbudte ting – ble hans folk overrasket og sa at Shu'aib har blitt gal og snakker som de som har mistet forstanden. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 7, s. 107)

Da Guds straff kom over dem, ble profeten Sju'aib[as] og de som trodde på ham reddet, men de som utøvet grusomheter og barbari, ble omsvøpet av Guds straff. De døde sammenkrøpne i sine hjem. Denne forferdelige straffen var en overskyggende dags straff. Dette forble et tegn for kommende generasjoner i dette landet. I sura Al'Sjuara har Gud utdypet følgende om denne straffen; denne straffen kom i form av et forferdelig regnvær som resulterte i at de forble liggende sammenkrøpne i sine hjem. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 7, s. 254)

<u>Vedrørende Sura Hûd, vers 93</u>

Det er bemerkelsesverdig å studere hvorledes profeten Sju'aib[as] reagerer. Hadde det vært et alminnelig menneske hadde det kanskje reagert med glede over at dets stamme er så mektig at takket være den får jeg beskyttelse. Kanskje hadde man til og med understreket at du må gjerne tørre å plage meg så vil du se hvordan min stamme vil behandle deg – men profeten Sju'aibs[as] reaksjon viser den rake motsetningen. Han blir arg og sier; er min stamme mektigere enn Gud? Dere er verken redde for Guds straff, eller er gudfryktige, og vil ikke avstå fra å lure andre eller å plyndre, men er heller redd min stamme, og tør ikke å si meg mot på grunn av dette. Profeten Sju'aib[as] brydde seg ikke om at ved å reagere på denne måten, som kan se ut som at han håner sin stamme, kan føre til at stammen reagerer med sinne. Det eneste profeten[as] hadde i tankene var å prise og ære Gud. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 3, s. 242)

Etter dette sendte vi profeten Sju'aib[as] til Midians etterkommere, men også de på samme måte som profeten Lots[as] folk, fornektet Guds profet. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 7, s. 522)

<u>Fotnote Sura Al-Qasas Tafseer-e-Sagheer, s. 500</u>

På vei fra Egypt til Hebron – området måtte man gjennom Midian.

"*Sannelig, vi tilhører Allah, og til Ham skal vi vende tilbake*."

På denne tiden bodde det arabare i Midian området. Jødene har ikke været rettferdige i deres gjengjeldelse for at muslimene reddet Moses (2:157)

mellom profeten Sju'aib[as] og profeten Muhammad[saw], var at begge ble i hovedsak forfulgt av sine egne landsmenn, og begge måtte flykte til en annen by, Midian i profeten Sju'aibs[as] tilfelle, og Madina (Medina) i profeten Muhammads[saw] tilfelle.

Fotnote Tafseer-e-Sagheer: Profeten Sju'aibs[as] bosted Midian var ikke så langt fra hvor profeten Lot[as] holdt til. Det var mellom Egypt og Dødehavet. (Sura Hûd, vers 90, s. 284)

Profeten Sju'aib[as] kom til Midians etterkommere, og Midian er navnet på en av sønnene til profeten Abraham[as], som ble født av profeten Abrahams[as] tredje kone Kethûra. Etter skikken i datidens samfunn, ble avkom oppkalt etter sin far, og derfor ble også Midians etterkommere kalt Midian. Byen dette folket bosatte seg i ble også kalt Midian. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 3, s. 234)

Profeten Sju'aib[as] bodde i Midian som er en by i Arabia. Araberne anså seg selv som av høyere rang enn hebreerne. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 7, s. 237)

Dette området lå på veien til Syria og Egypt. Karavanene som skulle til Syria og Egypt reiste forbi dette området. Dette folket var "Ashâb-ul-Eikah" det vil si "Skogens folk". De hadde okkupert et område bestående av en enorm skog, med utallige plommetrær og pilotrær. I en slik skog var det enkelt å begå et ran, da det er veldig enkelt å skjule seg bak slike trær.
(Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 7, s. 249)

Profeten Sju'aib[as] formante sitt folk om å vise integritet ved en handel, og avstå fra tyveri, ran, drap og plyndring. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 7, s. 249)
Profeten Sju'aib[as] formante sitt folk om å gi fullt mål til andre, ikke vær de som skader dem, og gi full vekt slik at vektens målepinne står vannrett, og avstå fullstendig fra å skape strid og ufred i landet. De som imidlertid hadde fått smaken på Haram (forbudte) penger, begynte i stedet å øke i sin griskhet, og klarte ikke å avstå fra dette. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 7, s. 243)

På grunn av disse retningslinjene som han ga sitt folk, mente de at det var noen andre som lokket ham til dette, og som ga ham økonomisk støtte for å motarbeide og svekke dem som en nasjon. De mente at vi er vellykkede handelsfolk, og de som ikke kan overgå oss innen handel

"*og forminsk ikke tingene for deres folk, og vandre ikke på jorden, idet dere stifter ufred.*" (26:184)

"*Og frykt (Ham) som har skapt dere og de tidligere folk.*" (26:185)

"*De svarte: Du er kun en av de forheksede.*" (26:186)

"*Og du er kun et menneske som oss, og vi tror at du visselig hører til løgnerne.*" (26:187)

"*La da stykker av himmelen falle ned over oss, hvis du hører til de sanndru.*" (26:188)

"*Han sa: Min Herre vet best hva dere gjør.*" (26:189)

"*Så de forkastet ham. Da grep en overskyggende dags straff dem. Det var sannelig en stor dags straff.*" (26:190)

"*I dette er det visselig et tegn, men de fleste av dem er ikke troende.*" (26:191)

Bakgrunnen for Hadhrat Sju'aibs[as] tidsepoke

Profeten Sju'aib[as] kom etter profeten Noah[as], profeten Salîh[as], profeten Abraham[as] og profeten Lot[as], men før profeten Moses[as] – da Moses[as] sitt folk ikke er nevnt i det hele tatt, enda han bosatte seg nettopp i det samme området med sitt folk, hvor profeten Salîhs[as] folk bodde. (Tafseer-e-Kabeer, bind 3, s. 240)

Han var tilknyttet Midians etterkommere. Stedet hvor Midian folket bodde, ble kalt Midian. Dette området var ikke langt fra der profeten Lots[as] folk fikk sin straff. Mesteparten av byen Midian var bosatt av Ismaels etterkommere.

Introduksjon av profeten Sju'aib[as]

Fotnote: I følge Bibelen hadde profeten Abraham[as] foruten Hagar og Sara, enda en hustru. Med denne hustruen fikk han sønnen Midian. Midians etterkommere slo seg ned iområdene sør for Palestina og nord for Hijâz. Det er nevnt at en av deres byer, også kalt Midian, lå i dette området. Sju'aib[as] ble sendt til dette folket, formodentlig fra Palestina i nord og slo ned seg blant dem. Midian hadde en stor befolkning av Ismaels[as] etterkommere. En viktig likhet

”*Og da Vår befaling (til straffen) kom, reddet Vi Sju'aib og dem som trodde sammen med ham, med en barmhjertighet fra Oss, og den høyrøstede straffen grep dem som var urettferdige, og de lå sammenkrøpne i sine hus*,” (11:95)

”*som om de aldri hadde bodd i dem. Sannelig, tilintetgjørelsen er bestemt for Midian, liksom Thamûd ble tilintetgjort*.” (11:96)

Sura Al-Qasas

”*Og da han satte kurs mot Midian, sa han: Måtte min Herre lede meg på den rette vei*.” (28:23)

Sura Al-Ankabût

”*Og til Midian (sendte Vi) deres bror Sju'aib, som sa: Å mitt folk, tjen Allah og håp på den Ytterste dag og begå ikke overgrep på jorden, idet dere stifter ufred*.” (29:37)

”*Men de forkastet ham. Da grep jordskjelvet dem og de lå sammenkrøpne i deres hjem om morgenen*.” (29:38)

Sura Al-Sju'ara

”*Skogens folk forkastet sendebudene*.” (26:177)

”*Da Sju'aib sa til dem: Vil dere ikke være rettferdige*?” (26:178)

”*Sannelig, jeg er et trofast (og sanndru) sendebud til dere*.” (26:179)

”*Frykt derfor Allah og adlyd meg*.” (26:180)

”*Og jeg ber ikke dere om noen belønning for det, min belønning påhviler alene verdenenes Herre*.” (26:181)

”*Gi fullt mål, og vær ikke en av dem som forminsker (målet)*,” (26:182)

”*og vei med en rett vekt*,” (26:183)

Sura Hûd

”*Og til Midian sendte Vi deres bror Sju'aib. Han sa: Å mitt folk, tjen Allah (alene) og dere har ingen gud unntagen Ham (alene). Og forminsk ikke mål og vekt. Jeg ser dere i velstand, og jeg frykter for dere straffen på en dag som vil omringe (dere).*” (11:85)

”*Å mitt folk, gi fullt mål og vekt med rettferdighet og forminsk ikke tingene for menneskene, og begå ikke overtredelser på jorden, idet dere stifter ufred.*” (11:86)

”*De sa: Å Sju'aib, påbyr din bønn deg at vi skal forlate det våre fedre tilba, eller at vi holder opp med å handle med vår eiendom som vi vil? Du er visselig bløthjertet (og) vettug.*” (11:88)

”*Han svarte: Å mitt folk, hva mener dere? Hvis jeg følger et klart bevis fra min Herre, og Han har forsynt meg med en skjønn forsørgelse fra Seg (hva vil dere da svare Ham)? Og jeg ønsker ikke å gjøre det samme mot dere, som jeg forbyr dere å gjøre. Jeg ønsker kun å forbedre (dere), så vidt jeg formår. Jeg har ingen makt (til å fullføre noe) unntagen ved Allah. Til Ham har jeg satt min fortrøstning, og til Ham vender jeg meg.*” (11:89)

”*Og å mitt folk, la ikke (deres) fiendskap mot meg forlede dere (til synd), så det samme rammer dere som rammet Noahs folk, eller Hûds folk, eller Sâlihs folk, og Lots folk er ikke langt borte fra dere.*” (11:90)

”*De sa: Å Sju'aib, vi forstår ikke mye av det du sier. Og vi ser deg som en som er svak blant oss. Og hadde det ikke vært for din stamme, så ville vi ha steinet deg. Du har ikke noen makt mot oss.*” (11:92)

”*Han sa: Å mitt folk, er min stamme mektigere for dere enn Allah? Og dere har (så å si) kastet Ham bak ryggene deres. Sannelig, min Herre omfatter (alt) det dere gjør.* ” (11:93)

”*Og Å mitt folk, handle etter deres makt. Sannelig, jeg handler (også). Snart vil dere vite over hvem det vil komme en straff som vil bekjempe ham, og hvem som er løgner. Vent bare, sannelig, jeg venter sammen med dere.*” (11:94)

Profeten Sju’aib[as]

Koranen nevner Hadrat Sju’aib i kapitlene; Sura Al-A’râf, Sura Hûd og Sura Al-Qasas.

Sura Al-A’râf

”*Og til Midian sendte Vi deres bror Sju’aib. Han sa: Å mitt folk, tjen Allah, dere har ingen annen Gud unntagen Ham. Det er visselig kommet et klart bevis til dere fra deres Herre, gi da fullt mål og full vekt og forminsk ikke folks ting for dem og stift ikke ufred på jorden etter at den er blitt brakt i en tilstand av fred og orden. Dette er bedre for dere om dere er troende.*” (7:86)

”*Og sitt ikke ved enhver vei idet dere truer dem som tror og forsøker å vende dem bort fra Allahs vei idet dere søker å gjøre den krokete. Og husk da dere var få, og Han mangfoldiggjorde dere. Og se hvordan slutten ble for dem som stifter ufred.*” (7:87)

”*Og de hovmodige ledere fra hans eget folk sa: Vi vil visselig drive deg ut Sju’aib, og (også) de troende sammen med deg fra vår by – eller så skal dere vende tilbake til vår religion. Han svarte: Selv om vi også avskyr det?*” (7:89)

”*Og de vantro ledere fra hans folk sa: Om dere følger Sju’aib, så vil dere visselig være tapere.*” (7:91)

”*Så tok jordskjelvet dem, så de lå sammenkrøpne i sine hjem.*” (7:92)

”*De som forkastet Sju’aib ble som om de aldri hadde bodd i dem. De som forkastet Sju’aib var de som ble tapere.*” (7:93)

”*Da vendte han (Sju’aib) seg fra dem og sa: Å mitt folk, jeg har visselig gitt dere budskapene fra min Herre, og jeg var dere en hengiven rådgiver. Hvordan skulle jeg da sørge over et vantro folk?*” (7:94)

Hensikten med å la sine sønner gå gjennom hver sin port til palasset

Noen tolkere mener at Jakob[as] var redd for misunnelsens store styrke, og han kunne derfor ved å ty til denne praktiske løsningen, utelukke dette. Men dette er ikke holdbart, da det tidligere også var ti brødre som gikk gjennom porten, hvorfor ble da ikke denne praktiske løsningen fulgt da? Sannheten er visselig den at første gangen hadde Josef[as] stilt dem en del spørsmål, som gjorde brødrene mistenksomme og de trodde at de andre betraktet dem som spioner. Dette fortalte de til sin far, Hadrat Jakob[as] - og derfor, for sikkerhets skyld, oppfordret Hadrat Jakob[as] dem til å gå inn i palasset gjennom ulike porter. I dette verset er den kunnskapen som er omtalt, den samme kunnskapen som han fikk fra Gud. Jakob[as] tyr til denne praktiske løsningen, men setter også samtidig sin lit til Gud. Det er viktig å ha i bakhodet at det å sette sin lit til Gud betyr ikke at man ikke skal utrette en praktisk handling, men at en praktisk handling kun vil være til nytte når man først setter sin lit til Gud. En annen årsak kan være at Jakob[as] forstod ved åpenbaringen at personen som deler ut rasjonert korn er Josef [as], og at Jakob[as] ba sønnene om å gå gjennom hver sin port, slik at Benjamin kunne møte Josef[as] alene. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, s. 337-339, bind 3)

Hadrat Jakob[as] hadde tolv sønner. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 5, s. 448)

Betydningen av profeten Jakob[as] hvite øyne

Dette er et kontroversielt tema. Tolkere sier at at han ble blind, og at øynene var blitt hvite. Det er også uenigheter om hvorfor øynene ble hvite. Noen mener at Jakob[as] gråt og gråt – noen har gitt dette et tidsperspektiv på 40 år, andre 81år – mens andre mener at ved å høre nyheten om at den andre sønnen også er borte gjorde at synet ble dårlig. Hadrat Khalifatul Masih II[ra] beretter at ingen ordbøker oversetter ordet «Abyazz» med å bli blind. Hudoor oversetter ordet med å bli fylt, dvs at øynene hans ble fulle av tårer, og at tårene begynte å renne. I dette verset står det at Jakob[as] ville vise enorm tålmodighet. Dersom han gråt og gråt så mye at synet ble dårlig, hvordan kan da dette være i samsvar med erklæringen om å vise enorm tålmodighet? Det er ikke i henhold til profters storhet at de sier en ting, men gjør noe annet. Og hvis han bare gråt hele tiden, hvordan klarte han å tjenestegjøre for sin religion? Så hvorfor ikke tolke dette som at han følte hvordan det er å miste enda en sønn, og at denne sorgen nådde toppunktet for ham. Og han visste at nå ville visselig Gud skjenke ham med sine velsignelser. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, s. 349-350, bind 3)

vitnesbyrd om at de ikke hadde noen tro, ved å forfølge Josef[as]. På den tiden var det også vanlig med avgudsdyrking. Det var derfor Jakob[as] ved sin siste tid konfronterte sine sønner med; "Til nå har dere fulgt meg, men hvilken skikk vil dere ta til dere, etter at jeg har gått bort?" De svarte: "Vår tro har nå blitt sterk, vi har tydelig sett Lyset, hvorledes kan vi nå oppgi Gud? Da vi tidligere forfulgte Josef var vi uvitende, vi vil aldri utrette slik dårskap igjen." (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, s. 203, bind 2)

Årsaken til at Hadrat Jakob[as] ikke fortalte om sin drøm

Slik det er nevnt tidligere var Hadrat Jakob[as] en fornuftig person som tenkte langsiktig, og han visste at brødrene ville bli sjalu på grunn av dette. I sinne ville ikke brødrene til Josef[as] klare å tenke på at det å ha sanne drømmer ikke ligger i menneskets hender. Og kun fordi Josef[as] fikk et gledelig budskap om å bestitte høyere status, ville de forsøke å rydde ham av veien. Dette bekrefter også Bibelen, at brødrene til Josef[as] var misfornøyde og rasende på ham fordi han så mange sanne drømmer. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, s. 282, bind 3)

Profeten Jakob[as] mente at Josef[as] fortsatt levde

Koranen erklærer at Hadrat Jakob[as] så på utsagnet til sine sønner som bedrageri og lureri, endog ba Jakob[as] om hjelp fra Gud, noe som igjen indikerer at han håpet på, og forventet at Josef[as] levde fortsatt. Når hungersnøden fant sted, og hans sønner påstod at personen som deler ut korn har sagt at dersom de tar med seg sin yngre bror vil de få mer rasjonert korn, ble Hadrat Jakob[as] enda mer sikker på at den personen som deler ut korn, visselig er Josef[as]. For hvorfor ville ministeren til Farao ha et så sterkt ønske om at de skulle ta med seg sin yngre bror? (Tafseer-e-Sagheer s. 300)

Likeledes når Hadrat Jakob[as] sier at han kun uttrykker sin sorg overfor Gud, og at jeg på grunn av Ham vet om det som dere ikke vet, er dette et tegn på at han var klar over at Hadrat Josef[as] var i live. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, s. 351-352, bind 3)

Da skjorten til Hadrat Josef[as] ble forelagt Hadrat Jakob[as], gikk det som tidligere var åpenbart ham i oppfyllelse. Og slik profeter har sedvane for å gjøre, glemte Hadrat Jakob[as] sin glede og takket Gud for Hans Storhet; at det som Gud sa har vist seg å være sant. (Tafseer-e-Kabeer, s. 358, bind 3, utgave 2004)

ikke Hadrat Abrahamas; ”Min kjære Gud, du gav oss gledelig budskap, allerede ved hans fødsel, om at han ville få fromt avkom – så hvorfor ber du meg nå om å ofre ham?”
Dermed kommer det utvetydig frem at denne sønnen ikke var Hadrat Isak[as], men Hadrat Ismael[as]. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, s. 225, Bind 3)

Forklaring Sura Al-Ambijâ, 21:73

I utdypelsen av dette verset, beretter Hadhrat Khalifatul Masih II[ra]: Slik Gud skjenket profeten Abraham[as] – Isak[as] og Jakob[as] som en gave, er også Hadrat Muhammad[saw] blitt lovet dette. Derfor har muslimer blitt lært følgende bønn (Darood), og blitt bedt om å nedkalle velsignelser over profeten Muhammad[saw]; Å Allah, velsign Muhammad[saw] og hans kommende åndelige avkom, slik du velsinet Hadrat Abraham[as] og hans folk. Noen uvitende tror, måtte Gud forby, at dette innebærer at Muhammad[saw] har en lavere status enn Abraham[as]. Hvis ikke, hva slags bønn er dette hvor vi er blitt bedt om å be for en med høyere status med henvisning til en som har lavere status, hvor det attpåtil ikke kun er en formaning om å be om det nå, men om å fortsette å be denne bønnen til Dommedagen. Hadhrat Khalifatul Masih II[ra] utdyper videre, ved å forklare at i Koranen er Hadrat Abrahams[as] to egenskaper nevnt. Den første beror på hans personlighet dvs. at han var mild, godhjertet, sanndru og Guds nære venn. Den andre egenskapen beror på den belønningen som Gud skjenket hans folk; det at han ba til Gud om følgende: ”*Vår Herre, gjør oss begge til folk som er Deg hengivne, og oppreis av vårt avkom, et folk som er Deg hengivent...*” (2:129)

Gud oppfylte denne bønnen således, da Han erklærer:
”*... og Vi ga profetdømmet og Boken til hans slekt...*” Al-Ankabût (29:28)

Hadrat Khalifatul Masih II[ra] utdyper dette nærmere; Både Hadrat Abraham[as] og Hadrat Muhammad[saw] ba diverse bønner i henhold til sin visdom – faktisk har Muhammad[saw] bedt så mange bønner til Gud at ikke engang alle profeter, samlet sett, har bedt så mange bønner. Slik Gud skjenket Abraham[as] mer enn det han ba om, således vil alle skapninger tilegne seg velsignelser fra bønnene Muhammad[saw] ba til Gud. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, s. 532,536, bind 3)

Forklaring Sura Al - Baqarah 2:134

I dette verset er det en formaning til Jakobs[as] sønner om å holde fast ved Guds enhet, og alltid underkaste seg Guds vilje. Hadhrat Khalifatul Masih II[ra] beretter at Jakobs[as] sønner gav

"*Og da karavanen begynte sin reise, sa deres far: Jeg sporer lukten av Josef, enda dere mener at jeg er besatt.*" (12:95)

"*De svarte: ved Allah! Du er sannelig i din gamle feiltakelse.*" (12:96)

"*Men da budbringeren nå kom, la han skjorten foran ham, og da visste han det. Han sa: Har jeg ikke sagt dere at jeg visselig visste fra Allah det dere ikke visste*?" (12:97)

"*De sa: Å vår far, be for oss om tilgivelse for våre synder, for vi har sannelige vært syndere.*" (12:98)

"*Han sa: Jeg vil visselig be min Herre om tilgivelse for dere. Han er sannelig Den tilgivende, Den barmhjertige.*" (12:99)

"*Da de nå (alle) trådte inn til Josef, ga han sine foreldre opphold hos seg og sa: Dra inn i Egypt med fred om Allah vil.*" (12:100)

"*Og han tok sine foreldre opp (til seg) på tronen, og de falt (alle) ned på deres ansikter (for Allah i takknemlighet) for (den nåde som var blitt vist) ham. Og han sa: Å min far, dette er oppfyllelsen av min gamle drøm. Min Herre har visselig gjort den sann. Og Han har allerede handlet godt mot meg, da han førte meg ut av fengselet og brakte dere (til meg) fra ørkenen, etter at Satan hadde stiftet ufred mellom meg og mine brødre. Min Herre er visselig nådig mot hvem Han vil. Han er sannelig Den allvitende, Den allvise.*" (12:101)

Forklaring fra Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, Sura Hûd 11:72

Det at hustruen ble bekymret betyr ikke at hun ikke hadde tillitt til Gud, men denne bekymringen eller redselen er forbundet med verset før dette verset, dvs. straffen fra Gud over Lots folk. I forklaringen av dette verset er nok en promblemstilling belyst; om hvem som ble ofret. Kristne mener det var Hazrat Isak[as] som ble ofret, mens muslimer mener det var Hadrat Ismael[as]. Noen uvitende muslimer tror også at det var Hadrat Isak[as]. Leser man dette verset grundig, får man en utdypende forklaring på problemstillingen; at Gud hadde ved Isaks[as] fødsel erklært at ikke bare vil dette barnet leve lenge og oppnå en høy alder, men også at han vil gifte seg og bli skjenket fromt avkom. Hvorledes kan da dette inntreffe, at den samme Gud erklærer, da barnet er blitt eldre, å ofre det. Hvis tilfelle var at Gud hadde sagt det, hvorfor sa

”*Han sa: Å min (elskede) sønn, berett ikke om drømmen din for dine brødre, så de ikke skal smi renker for deg, for Satan er visselig en åpenbar fiende for mennesket.*” (12:6)

”*(Ihukom) da de (brødrene) sa (til hverandre): Josef og hans bror er visselig vår far kjærere enn oss, selv om vi er en (staselig) skare. Vår far er visselig (innviklet) i en åpenbar feiltakelse (i denne saken).*” (12:9)

”*Og han sa: Å mine sønner, dra ikke inn gjennom én port, men dra inn gjennom forskjellige porter. Og jeg kan ikke nytte dere det minste mot Allah. Avgjørelsen hviler hos Allah (alene). Ham setter jeg min lit til, og til Ham skal de som vil sette sin lit (til noen), sette sin lit.*” (12:68)

”*De dro nå inn på den måten deres far hadde befalt dem: det kunne ikke nytte dem noe mot Allah, men det var en trang i Jakobs sjel som han tilfredsstilte, og han hadde visselig stor kunnskap fordi Vi hadde hadde belært ham, men de fleste mennesker vet det ikke.*” (12:69)

”*Han sa: Nei, men sjelene deres har funnet på dette for sin (lettelse), derfor er tålmodighet passende. Kanskje vil Allah bringe meg dem sammen, for Han er visselig Den allvitende, Den allvise.*” (12:84)

”*Og Han vendte seg fra dem og sa: Å, jeg sørger over Josef, og øynene han fyltes med tårer av sorg, og han undertrykte den.*” (12:85)

”*De sa: Ved Allah, du vil ikke holde opp med å minnes Josef før du har tært hen eller du hører til dem som går til grunne.*” (12:86)

”*Å mine sønner, gå og let etter Josef og hans bror, og fortvil ikke om Allahs barmhjertighet, for ingen fortviler om Allahs barmhjertighet unntagen det vantro folk.*” (12:88)

”*Gå med denne skjorten min og legg den foran min far, så vil han vite. Og kom til meg med hele deres familie.*” (12:94)

Profeten Jakob[as]

Koranen omtaler flere profeter og blant dem er også profeten Jakob[as] nevnt flere ganger. Profeten Jakob[as] var sønnen til profeten Isak[as], og barnebarnet til profeten Abraham[as]. Profeten Jakob[as] var faren til profeten Josef[as]. Profeten Jakob[as] levde i Kanaan (i Palestina). Da profeten Abraham[as] hadde nådd en høy alder, i en alder hvor man har vanskelig for å tro at man kan få barn, gav Gud profeten Abraham[as] og hans hustru, gledelig budskap om at de ville få en sønn som ville være nærme Gud. Denne sønnen ville vokse opp, gifte seg og få barn – et fromt avkom.

Profeten Jakob[as] har en stor verdi for det jødiske folk. Deres folk er fremragende nettopp på grunn av hans etterkommere. Profeten Jakob[as] ble vist navnet Isrâil, i en visjon eller drøm, hvilket førte til at hans etterkommere ble kalt Banî Israîl. I henhold til Bibelen betyr Israîl en som er Gud kjær eller overordnet. Ordbøker forklarer ordet Israîl med en som er modig i kamp, soldat eller en som adlyder. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 1, s.354)

Sura Hûd
”*Og hans hustru sto (nær ved), og hun lo (etter at) Vi forkynte et gledelig budskap om Isak, og etter Isak om Jakob*.” (11:72)

Sura Al-Ambijâ
”*Og Vi skjenket ham Isak, og som sønnesønn Jakob, og (dem) alle gjorde Vi rettferdige*.” (21:73)

Sura Al-Baqarah
”*Var dere vitner den gang da døden kom til Jakob? Da han sa til sine sønner: hvem vil dere tilbe etter meg? De sa: Vi (tilber og) vil tilbe din Gud og dine fedres Gud, Abrahams, Ismaels og Isaks Gud, Den eneste Gud, og vi er Ham hengivne*.” (2:134)

Sura Jûsuf
”*(Ihukom) da Josef sa til sin far: Å min far, jeg har visselig (i en drøm) sett elleve stjerner og solen og månen, jeg så dem bøye seg for meg*.” (12:5)

Gud ga ikke bare åpenbaring om profeten Isaks[as] fødsel, men også om profeten Jakobs[as] fødsel. Profeten Jakob[as] var Guds profet, og av hans avkom ble det født flere profeter.

I sura Ibrāhīm, kommer det fram at også profeten Isak[as] var viet til Gud, for også han er inkludert i bønnen. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 3, s. 488) (14:38)

Profeten Isak[as] var underlagt profeten Abraham[as] som profet. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 3, s. 221)

I Bibelen står det: «Min pakt vil Jeg opprette med Isak, som Sara skal føde deg neste år på denne tid». (1. Mosebok, kapittel 17, vers 21). Dette betyr bare at denne pakten til å begynne med skulle oppfylles gjennom Isaks ætt, og nettopp slik skjedde det også. For en lang tid ble denne pakten oppfylt gjennom Isaks avkom, så rettet Gud, Den opphøyde, denne pakten mot Ismaels avkom. Og det at pakten ble først oppfylt gjennom Isak, enda han var yngre, har sin begrunnelse i at Ismaels avkom skulle få skjenket et profetdømme som ikke kunne oppheves. Om denne pakten først hadde blitt oppfylt med Ismael, vil det ha medført at Isaks avkom ville ha forblitt uten nådegaven, i form av profetdømme. Så Allah, Den opphøyde, ga Isaks ætt nådegaven for en lang tid, deretter oppreiste Han av Ismaels avkom det sendebudet som var profetenes segl og hvis lovbok ikke skulle erstattes av noen andre, men råde over verden til tidens ende. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 1, s.370-371)

da hun hørte nyheten og utbrøt: «*Å, ve meg, skal jeg føde, enda jeg er blitt gammel og mannen min er en eldre mann.*»

Den andre kalifen, Hadrat Mirza Bashir-ud-din Mahmood Ahmad[ra], kommenterer dette verset i følgende ordelag:

«Dette verset betyr ikke at hun fornektet den gode nyheten fra Gud. Man kan ikke engang tenke seg at en troende kvinne ville fornekte, og undre seg over Guds evner. Hvordan kan man da tro at en profets troende kone skulle undre seg og fornekte, etter å ha observert utallige tegn fra Gud? Det at hun undrer, bunner i at hun uttrykker storheten ved en slik velsignelse. Tilsvarende ordelag finner man også et annet sted om profeten Abraham[as] og han forklarer det selv ved å si at min undring skyldes velsignelsens storhet, og ikke fordi jeg anser det som en umulig hendelse. Profeten Abraham[as] utbrøt: «*Gir dere meg denne gode nyheten enda jeg har nådd alderdom? For en underlig nyhet dere forkynner meg.*» De som kom med nyheten, svarte: «*Vi har visselig forkynt deg en som vil gå i oppfyllelse, så fortvil ikke.*» Profeten Abraham[as] svarte: «*Jeg er ikke tvil, ingen tviler på Guds nåde bortsett fra de vantro.*» (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 3 s. 226)

Profeten Isak[as] ble født av profeten Abrahams[as] første kone, Sara. Hun var datteren til Abrahams[as] onkel. Hun tenkte at siden hun var i slekt med Abraham[as], og Hadrat Hagar ikke tilhørte slekten, så hadde hun en høyere rang. Ismael, som fortsatt var et lite barn, lo en gang tilfeldigvis høylydt enten over noe Isak hadde gjort eller av en annen grunn, men Hadrat Sara forsto det slik som om han hadde fornærmet henne og hennes sønn ved å le av Isak. Kanskje tenkte hun også at han fryder seg over å være den eldste sønnen og over at han skal være arvtaker, mens Isak ikke blir arving. Da sa hun i sinne til Hadrat Abraham[as] at han skulle sende ham [Ismael] og hans mor vekk. «*For jeg kan ikke holde ut at din sønn skal arve på lik linje med min sønn*». Til å begynne med mislikte Hadrat Abraham[as] denne tanken og avholdt seg fra denne handlingen. Gud åpenbarte imidlertid for Hadrat Abraham[as] at han skulle handle i tråd med det hans kone, Hadrat Sara, hadde sagt. (1. Mosebok, kapittel 21, vers 12)

Så i henhold til Guds åpenbaring forlot Hadrat Abraham[as], Hadrat Hagar og Hadrat Ismael[as] i Haram [Mekka] dalen. Sara og Isak[as] fikk arve området rundt Kanaan. (Tafseer-e-Kabeer, 2.utgave, bind 2, s. 112)

Profeten Isak[as]

Profeten Isak[as] var den yngste sønnen til Hadrat Abraham[as]. Sønnen til Hadrat Isak[as] var Hadrat Jakob[as] som var faren til Hadrat Josef[as] (Tafseer-e-Kabeer, bind1, side 354)

Nedenfor kan vi lese de versene i Koranen som omtaler profeten Isak[as]:

Sura Hud

«*Hans hustru sto også nærme ham, og hun lo da Vi forkynte henne et gledelig budskap om Isak, og etter Isak om Jakob.*» (11:72)

Sura Al-Dharijat

«*Da følte han en frykt for dem. De sa: Frykt ikke - og de brakte ham gledelig nytt om en sønn, begavet med kunnskap.*» (51:29)

«*Så kom hans kone frem forlegen og slo seg for ansikt og sa: (Men jeg er jo) en ufruktbar kvinne.*» (51:30)

Sura As-Saffat

«Og vi ga ham det gledelige budskapet om Isak, en profet, (og en) av de rettferdige.» (37:113)

«Og Vi velsignet ham og Isak. Og blant deres etterkommere finner det (noen) som handler godt, og (andre) som klart øver urett mot seg selv.» (37:114)

Sura Sad

«Og ihukom Våre tjenere Abraham, Isak og Jakob, (menn) med styrke og innsikt.» (38:46)

Notater fra Tafseer-e-Kabeer

Profeten Isak[as] var den yngste sønnen til Hadrat Abraham[as]. Moren hans het Hadrat Sara[as]. Da Gud ga profeten Abraham[as] den gode nyheten om fødselen av sønnen Isak[as], hadde Hadrat Sara[as] ingen barn. Hun hadde allerede levd en stund og var nå blitt gammel. Hun ble nervøs

Det er nevnt i Bibelen at Sara misunte Hadrat Ismael[as] og hennes fiendtlige innstilling gjorde at han måtte forlate sitt eget hjem og reise til et annet land. Så hvorfor skulle Bibelen i det hele tatt snakke positivt om ham eller nevne hans profetdømme? Det er ikke underlig at hans navn ikke er nevnt i Bibelen. Men Bibelen inneholder imidlertid bevis på at også Ismael ble gitt store løfter av Gud. For det første vitner selv navnet hans om at han var forutbestemt å bli en av Guds kjære. Hans navn, Ismael, som han fikk gjennom en åpenbaring betyr at «Gud har hørt/akseptert». Det står i 1. Mosebok 16:11; "Så sa Herrens engel til henne: “Nå er du med barn, og skal føde en sønn. Kall ham Ismael for Gud har hørt dine bønner". Dette viser klart at Hadrat Ismael ble født etter gledelig budskap fra Gud, og Gud selv foreslo hans navn til å være Ismael. Dersom man etter dette nekter for at han var en sann profet av Gud, fornekter man også samtidig denne profetien som er gitt i Bibelen.

velsignelser. Den andre delen av løftet er forskjellig for begge av sønnene; Hva gjelder Isak ble det gitt løftet om at hans etterkommere ville bli skjenket herredømmet over Kanain området. Hva gjelder Ismael, sier Bibelen kun at han ville bli gitt store velsignelser. Bibelen forteller ikke hva denne store velsignelsen ville være, svaret på dette finner man imidlertid i Koranen. Den hellige Koranen forteller oss at løftet som ble gitt til profeten Ismael[as] var at han og hans etterkommere ville få herredømmet over byen Mekka og omegn. Og Gud ville alltid beskytte deres hovedkvarter og de kommer til å ha herske over byen både i fysisk og åndelig form. I tillegg ville Gud utvelge en stor profet fra hans etterkommere som ville rettlede hele menneskeheten. Det er således feil at det ikke ble gitt noen løfte om velsignelser til profeten Ismael[as]. En tolkning av Bibelen forteller selv at det ble gitt et løfte til profeten Ismael[as] om dette. Og således ble Guds løfte om begge oppfylt.

<u>Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 2, s. 189</u>
Følgende ble fortalt Hadrat Abraham[as]: Både Hadrat Ismael og Isaks etterkommere ville bli skjenket store og utallige velsignelser, Hadrat Ismael ville bli skjenket en slik storhet at hele verden ville bli misunnelig, og at til tross for verdens motstand og fiendskap ville han bli skjenket ære. Denne profetien forteller at Hadrat Ismaels etterkommere ville bli skjenket storhet, ære og berømmelse over hele verden, og som følge av dette ville verden misunne dem. Vi ser at også profeten Muhammad[saw] proklamerte dette om seg selv, nemlig at han ville bli skjenket slik storhet at hele verden, og da særlig Isaks etterkommere ville misunne ham.

Kristne lærde kritiserer dette verset og hevder at Ismael ikke var en profet, og vil ha bevis på hans profetdømme. Det samme spørsmålet kan egentlig også rettes mot dem; Hva er beviset på at Isak var en profet? Samme bevis kan brukes til å underbygge både Isaks[as] og Ismaels[as] profetdømmer. Hadrat Moses[as] nevner Isaks profetdømmet, og profeten Muhammad[saw] vitner om Ismaels profetdømmet. Forskjellen er kun at Bibelen ikke har handlet rettferdig ved å unnlate å nevne Hadrat Ismael som en profet, mens Koranen som alltid handler rettferdig og sant, nevner begges som profeter. Hvilke andre bevis har egentlig jødene på Isaks profetdømme, enn at Moses som etter deres syn er en sann profet, vitner om hans profetdømme? Det samme argumentet vil en muslim bruke, nemlig at profeten Muhammad[saw] hvis sannhet står sterkere enn noen annen profet, vitner om Ismaels profetdømme. Hvis Isak kan anses som en profet kun basert på Bibelens beretninger, hvorfor kan ikke da Ismael anses som profet basert på Koranens vitnesbyrd?

ble gjort, Gud stoppet ikke Abraham fra å utføre dette ofret. Til den dag i dag ser vi at Mekka er fylt med etterkommere av Hadrat Ismael[as], og den Ene Gud tilbes her, og det kalles til Gud fra denne byen. Ifølge Koranen var denne ofringen av stor betydning som verden til den dag i dag drar stor nytte av. I anledningen hajj (årlig pilegrimsreise) samler flere tusen mennesker seg i dette området og alle sider dette: «Kjære Gud jeg er her. Du er den eneste Allmektige, og det er ingen lik Deg. Her er jeg for å spre Ditt budskap».

Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 7, s. 436-437
Gud ønsker med alt dette å fortelle at Jesu og Moses ikke er adskilt fra hverandre, men er lenket sammen. Og Moses har igjen et forhold til Profeten Abraham[as] som har to sønner, Ismael[as] og Isak[as]. Gud ga løfte om at både Isak og Ismael ville oppnå suksess og store velsignelser. Ifølge Bibelen skulle dette løftets oppfyllelse skje overfor Isak, men i virkeligheten skulle løfte oppfylles til begges fordel. Gud har først nevnt profeten Abraham[as] og Isak[as], deretter profeten Moses[as], og således fortalt at Jesu kun avslutter den ene av to lenker som begge stammer fra Abraham. Hvorfor tror verden at profeten Jesus[as] sitter levende i himmelen, og hvorfor tror dere at profeten Jesus[as] var den siste profeten som skulle komme for å frelse verden. Gud hadde lovet store velsignelser både til Isak[as] og Ismael[as]. Han har oppfylt sitt løfte overfor Isak ved at den siste i hans rekke er kommet i form av Jesu. Og også ved å sende en stor profet som Moses til hans folk. Men ihukom også, at da tiden var kommet for å oppfylle løftene gitt til profeten Ismael[as], åpenbarte Gud profeten Muhammad[saw] fra hans etterkommere.

Det at profeten Ismael[as] ble omkjært viser at Guds løfte ikke kun gjaldt Isak, men også Ismael. Også i dag er dette en vanlig tradisjon blant Ismaels etterkommere. I Bibelen kapittel 7 vers 21 står det; " Jeg skal gi et løfte til Profeten Isak". Ved å ta andre forhold i betraktning betyr dette verset at løftet skal begynne fra profeten Isak[as]. Derimot forteller Bibelen at det var et løfte om slekten til profeten Ismael[as] også fordi påbudet om omkjæring ble også gitt til ham. For slik det står: «Da Profeten Ismael ble omskjært var han 13 år gammel». Og om profeten Ismael[as] ble det også gitt et godt løfte, slik det står nedskrevet. «Jeg skal gi ham velsignelse, og jeg skal gi ham stor ære».

Det var viktig at profeten Ismael[as] også fikk en del i denne velsignelsen, selv om han egentlig ikke var med i det løfte som omhandlet erobringen av Kanain området. Dette løftet skulle kun bli oppfylt gjennom profeten Isaks[as] slekt. Løftet som ble gitt Hadrat Abraham hadde to deler: Den første gjaldt begge av hans sønner; både Isak og Ismael ville bli skjenket store

tolkning av Bibelen, som viser at de kun var noen få tusen. Det hadde ikke vært mulig for flere hundre tusen jøder å vandre så raskt fra de øde områder i Egypt til Rødehavet, ei heller hadde det vært mulig å skaffe fremkomstmidler for et så stort antall mennesker. Selv i dagens verden med moderne transportmidler byr det på store problemer dersom 30-40 000 mennesker skal fraktes fra et sted til et annet på en gang. Så hvordan kan man tro at på en tid hvor transportmidlene var hester, kameler og esler, at flere hundre tusen skulle reise flere hundre mil, og det i løpet av en natt.

Både Bibelen og Koranen forteller at profeten Abraham[as] ble bedt av Gud om å ofre sin sønn. Forskjellen er at den ofringen Koranen nevner bærer i seg stor visdom, mens ofringen slik den omtales i Bibelen kun virker som en tom handling. Nå er det en annen stor forskjell også, nemlig uenigheten om hvorvidt det var Ismael eller Isak som skulle ofres, men dette er ikke av like stor betydning. Det viktige er at Abraham ble bedt om å ofre sin sønn, noe han aksepterte uten å nøle. Den store og viktige forskjellen ligger i visdommen bak ofringen slik den fremstilles av Bibelen og Koranen. Bibelen sier: Gud testet profeten Abraham og sa: «Å Abraham! Abraham svarte: Jeg er her. Da sa Gud, ta med din eneste sønn som er Isak til fjellområdene, og forlat ham i det fjellet jeg ber deg om. Bibelen forteller at profeten Abraham[as] gjorde dette. Men da profeten Abraham[as] plasserte ham der og tok frem kniven for å slakte ham, hørte han Guds engel si: Abraham, Abraham! Profeten Abraham sa, Ja, Jeg er her. Da sa stemmen: Legg ikke hånd på gutten og gjør ham ikke noe! For nå vet jeg at du frykter Gud, siden du ikke har spart din eneste sønn. Da Abraham så opp, fikk han øye på en vær som hang fast etter hornene i et kratt like bak ham. Abraham gikk bort, tok væren og ofret den som brennoffer i stedet for sin sønn. 1. Mosebok, 22:11-14

Ifølge Bibelen ble altså Isak ikke ofret på noe vis, hverken bokstavelig eller billedlig. Og på denne måten var hele denne hendelsen (måtte Gud forby) en lek ifølge Bibelen som Gud spilte med profeten Abraham[as]. Hvorfor skulle Gud ha til hensikt å gjøre noe slikt? Først ber Gud ham om å ofre sin egen sønn, for deretter å be ham ikke å gjøre det allikevel. Og dersom hensikten til Gud kun var å vise den sterke troen profeten Abraham[as] hadde, visste ikke Gud allerede at Abraham[as] var et oppriktig og sant mennesket, og ville adlyde enhver befaling fra Gud? Og dersom Gud visste dette så gir det ingen mening at Han først skulle be ham om å ofre sin sønn for deretter å stoppe ham. Koranen, på den andre siden, forteller en annen historie. Da profeten Abraham[as] ble bedt om å ofre Hadrat Ismael[as] så ble han fortalt dette i en billedlig kontekst. Hensikten var ikke bokstavelig talt å ofre sin egen sønn, men heller å plassere ham et slikt sted der mat og drikke ikke er lett tilgjengelig. Og Koranen viser at dette

Etter Guds befaling ble området Kanain gitt til Hadrat Sara[as] og deres sønn Isak[as]. Og profeten Ismael ble overlatt i Mekka hvor hans ætt begynte å vokse og profeten Muhammad[saw] ble født blant hans etterkommere. Men denne fiendeskapen endte ikke her, for slik som Gud fortalte moren til profeten Ismael[as] da han ble født: «Hans hånd skal være vendt mot alle og alles hånd mot ham» jf. 1 Mosebok 16:12. Altså vil det komme en tid da profeten Ismaels[as] slekt vil være i mindretall og profeten Isaks[as] slekt vil være i flertall, og de vil gjør motstand mot profeten Ismaels ætt. Dette nevnes også i Koranen, hvor det står at der er mange blant Bokens folk som ønsker at Ismaels og dermed profeten Muhammads[saw] etterfølgere skal vende ham ryggen og bli vantro. Dette er ikke grunnet deres nag mot Proefeten[saw], men heller at de på grunn av deres sjalusi ønsker å forlenge den gamle striden mellom Hadrat Sara[as] og Hadrat Hagar[as].

Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 2, s. 112
Da Gud sendte Hadrat Ismael[as] til Mekka åpenbarte Han at Ismael[as] og hans brødre alltid kommer til å forbli i konflikt med hverandre. Altså at hele verden kommer til å gjøre motstand mot Hadrat Ismael[as].

Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 2, s. 107
Ifølge Bibelen, er Paran i virkeligheten fjellområdene i Mekka. I Mosebok kapittel 21 vers 20 står det skrevet: «Han bodde i Paran ørkenen, og hans mor tok en kone til ham fra Egypt".

Det er videre kun innbyggerne i Mekka som anser Ismael for å være grunnleggeren av byen deres. Og frem til så lenge som islam seiret i Mekka, fantes det stauter av Ismael i byen. Man er derfor nødt til å anerkjenne mekkanernes påstand om at Ismael var bosatt i deres by. Hvis ikke bør jødene og kristne foreslå hvilken by de mener Abraham og Ismael grunnla, og hvor også innbyggerne vedkjenner seg dette. Dersom de ikke klarer å stille med en slik by, må det innrømmes at det med Faran, menes Mekka i åpenbaringen. Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 2,
s. 242

I Hadith kan vi lese at da Hadrat Hajra og profeten Ismael[as] bosatte seg i Mekka og zam-zam brønnen hadde fosset ut, gikk det et følge forbi i de dagene. Da de så at det fantes vann her, bosatte de seg i området etter tillatelse fra Hadrat Hajra. Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, bind 2, s. 172-173

I Bibelen står det at da jødene skulle flykte fra Egypt var de flere hundre tusen i antall. Dette stemmer imidlertid ikke ifølge Koranen og andre historiske beretninger, samt en dypere

slaktet med en kniv. Bibelen forteller heller at da Hadrat Abraham[as] var i ferd med å slakte sin egen sønn, hørte han en stemme si: Han sa: ”Legg ikke hånd på gutten og gjør ham ikke noe! Får nå vet jeg at du frykter Gud, siden du ikke har spart din eneste sønn for meg.” Da Abraham så opp, fikk han øye på en vær som hang fast etter hornene i et kratt like bak ham. Abraham gikk bort, tok væren og ofret den som brennoffer i stedet for sin sønn. 1 Mosebok, 22:12-14

Heller ikke finner vi noen steder i Hadith at profeten Ismael[as] skulle bli slaktet med en kniv. Det står heller nedskrevet at profeten Abraham[as] tok med sin kone og sin sønn til Mekka, og da profeten Ismael[as] ble voksen og begynte å jakte drog profeten Abraham[as], som befant seg i Palestina på den tiden, for å besøke ham.

<u>Sura Al-Saffat 37:108</u>
Den jødiske stammen hevder at det egentlig var profeten Isak[as] som var den eldste sønn av Hadrat Abraham[as] og dermed han som ble utvalgt til å bli ofret. Koranen mener at det heller var Ismael som skulle ofres, og det er dette som er sannheten. Dersom man leser Bibelen i detalj står det skrevet at den eldste sønnen av Hadrat Abraham[as] skulle bli ofret, og den eldste sønnen var ifølge Bibelen selv, Hadrat Ismael jf. 1 Mosebok 16:15. Hvor enn ofring er blitt nevnt sammen med ordet sønn er det kun snakk om profeten Ismael[as] og ingen andre. Da profeten Ismael[as] sa seg enig til å bli ofret, åpenbarte Gud at istedenfor faktisk å bli gitt i offergave, er det å leve i et øde område og forsøke å takle livet der et større offer. Og dersom profeten Ismael[as] og faren gjorde dette ville de komme nærmere Gud, og Gud ville anse det som om du har gitt din sønn i offergave og at din sønn har sagt seg villig til å bli ofret på denne måten.

Profeten Abraham[as] fikk sitt første barn med sin kone Hadrat Hagar i sin siste alder. Med sin første kone, Hadrat Sara, fikk han sitt andre barn, profeten Isak[as]. Siden Hadrat Sara var datteren til profeten Abrahams onkel, og Hadrat Hagar ikke tilhørte slekten til Abraham[as], anså Sara seg selv som av høyere rang enn Hagar. En gang da Hadrat Ismael[as] var liten begynte han å le høyt av noe Isak[as] as hadde gjort. Hadrat Sara trodde med en gang at Hadrat Ismael[as] lo for å håne både henne og hennes sønn. Hun trodde kanskje også at han lo fordi han visste at han var eldst og dermed arving, i stedet for Isak. Hadrat Sara ble derfor sur og gikk og fortalte profeten Abraham om hva som hadde hendt, men han mislikte at hun hadde sagt dette. Men Gud åpenbarte seg og sa at du må gjøre det din kone Hadrat Sara ber deg om å gjøre. 1 Mosebok, kap. 21.

Profeten Ismael[as]

Den hellige Koranen forteller følgende om profeten Ismael[as]: Han var den eldste sønnen til profeten Abraham[as]. Profeten Abraham[as] fikk en drøm om å gi sin sønn i offergave, altså profeten Ismael[as] og ikke Isak [as.] Betydningen bak dette var å etterlate Ismael[as] alene i Mekkas forlatte og øde områder. Profeten Ismael[as] var en profet, og han formante sine etterkommere om bønn og zakat.

Sura Al-Mariam
«*Og ihukom Ismaels (fortelling, slik den nevnes) i Boken. Han var sannelig en som holdt sine løfter, og han var et sendebud, en profet. Og han pleide å påby sitt folk bønn og almisse, og han hadde sin Herres velbehag.*» 19:55-56

Sura Al- Saffat
«*Og da han nådde (den alder), hvor han kunne arbeide sammen med ham, sa han (Abraham): Min sønn, jeg har sett i en drøm at jeg ofrer deg (som offergave). Overvei derfor hva du mener (om dette). Han (Ismael) svarte: Å min far, gjør som du er blitt befalt; du vil - om Allah vil - finne, at jeg er en av de utholdende. Og da de begge hadde underkastet seg (Allahs vilje), og han hadde kastet han ned med pennen (mot jorden)". "Og Vi løskjøpte ham med et mektig offer.*» 37:103-104 og 108

Sura Ibrahim
«*Vår Herre, jeg har visselig besatt en del av mine etterkommere i en ufruktbar dal, like ved Ditt Hellige Hus. Vår Herre, for at de skal holde bønn (regelmessig). Så la menneskenes hjerter bøye seg mot dem, og forsyn dem med (alle slags) frukter, for at de skal være takknemlige.*» 18:38

Tolkning fra Tafseer-e-Sagheer av Sura Al-Saffat 37:103-105
Meningen bak drømmen var å etterlate profeten Ismael [as] i de forlatte og øde områdene til Mekka. Dette var akkurat som å etterlate ham til å dø. Denne drømmen ble oppfylt i sin billedlige form. Delen om å gi ham i offergave ble ikke oppfylt i bokstavelig forstand.

Tolkningen ovenfor strider ikke med Koranens tolkningen av disse versene. Det at Hadrat Abraham[as] skulle etterlate sin sønn alene i Mekka blir likestilt med det å etterlate ham til å dø. Det står ikke nevnt i hverken Koranen eller Bibelen at Hadrat Ismael[as] bokstavelig talt ble

fiender vil bli tilintetgjort på samme vis som Lots motstandere ble. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 4, side 99, sura Al-Hidjr) Fiendene til Lot[as] var en smule mer anstendig enn Profetens[saw] fiender. I sura Hud står det at Lot[as] sa at døtrene hans var giftet bort til folket, og hvis han sviktet dem kunne de hevne seg på ham gjennom dem. Og fordi ingen far kan tåle at hans døtre utsettes for skade, kunne de forstå at han aldri ville svike dem i frykt for døtrenes velbefinnende. Til dette svarte de: «du vet at vi ikke har rett til å såre dine døtre. Hvordan kan vi såre døtrene dine når det er du som setter oss i fare?» I motsetningen til dette overskred fiendene til den hellige Profeten[saw] alle grenser, fordi de påførte ham smerte ved å såre døtrene hans.

Hadrat Lot[as] mente å si: «Hvis jeg hadde nok kraft, ville jeg ha bekjempet deres synder, men jeg er maktesløs. Den eneste utveien er at jeg søker tilflukt hos Gud.» I en *hadith* beretter Abu Huraira[ra] at profeten Muhammad[saw] sa: «Måtte Gud velsigne Hadrat Lot[as] for at han hele tiden søkte tilflukt hos den Kraftfulle,» nemlig Allah. (Sura Hud, Tafseer-e-Kabeer 2. utgave, vol. 3, side 231, Tafseer 81)

Når avgudsdyrkerne går forbi denne byen som ble straffet av Guds vrede, lærer de ikke av de syndene som ble begått av Lots[as] folk. أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ Følgende på arabisk betyr at Gud straffet dem med et kraftig jordskjelv som tilintetgjorde dem. Ved en annen anledning sier Allah: «Vi veltet om jordens overfalte, slik at det nedre laget la seg over det øvre. Og Vi rammet dem med et regn av steiner. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 6, sura Al-Furqan, side 502) Folket til Hadrat Lot[as] ble rammet av et kraftig jordskjelv som veltet om på jordens overflate, noe som førte til at sandsteiner fyket til værs og falt ned igjen med full kraft og det regnet steiner. (Sura Al-Ar'af, vers 85, Tafseer-e-Sagheer, side 201, fotnote nr. 4)

Når handelsmennene reiser fra Hijaz mot Syria, går de forbi landsbyen til Lot[as]. Deres hjerter burde ha skjelvet av frykt av skjebnen til dette folket, og de burde akseptere Allahs budskap, men deres hjerter er av stein fordi de avviser Allah og Sendebudet Hans selv når de vitner disse ruinene. (Tafseer-e-Kabeer, vol. 6, sura Al-Furqan, side 503) Denne veien som går forbi Lots[as] by, vil alltid bli bevart. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 4, side 103) Denne byen befinner seg på veien mellom Arabia og Syria. Å, vantro, karavanene deres går forbi denne byen, men dere lærer ikke av den. (Tafseer-e-Kabeer, vol. 4, side 100)

Hadrat Lot[as] ble befalt om ikke å se seg tilbake. Fotnote nr. 2: hensikten med denne befalingen var å hindre Lot[as] i å se tilbake etter sin hustru og barn, for det kunne bli vanskelig for ham på grunn av sine gifte døtre og svigersønner. (Sura Al-Hidjr, vers 66, Tafseer-e-Sagheer) Fotnote nr. 12: Både hustruene til Hadrat Lot[as] og Noah[as] var skyldige. Vil det si at også disse profeten var skyldige? I vers 26 av Sura Al-Nur står det at onde handlinger er for onde menn, mens onde menn er for onde handlinger, og de gode gjerninger er for gode menn, mens gode menn er for gode handlinger. På slutten av dette verset står det at de rene menn og de rene kvinner er skånet mot falske anklagelser som rettes mot det. Ergo ble hustruene igjen på grunn av deres gjerninger. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, side 491, sura Al-Naml, vers 85)

Fortellingen om Hadrat Lot[as] har likhetstrekk med den hellige Profetens[saw] hendelse. De forstandige vil se tegnene i denne fortellingen, og se likhetstrekkene. Den hellige Profetens[saw]

Da gjestene, altså budbringerne fra Gud hørte hva Lot[as] ba om, avslørte de budskapet om den forestående straffen på befaling av Gud. De sa: «kun din familie vil bli skånet mot straffen, mens resten av byen vil bli tilintetgjort. Din hustru vil ikke bli skånet. Straffen vil inntreffe innen neste morgen.» (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 3, side 231) Da Hadrat Abraham[as] ble fortalt om ødeleggelsen av Lots[as] folk, ble han svært såret og begynte å be. (Denne bønnen omtales også i Tafseer-e-Kabeer, vol. 4, sura Al-Hidjr, side 92) (Tafseer-e-Kabeer, vol. 5, sura Maryam, side 126) Da Abraham[as] mottok beskjeden om ødeleggelsen av Lots[as] folk, begynte han å diskutere med Gud, altså han ba Gud om å skåne dem. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 6, sura Al-Mu'mineen, side 163)

Hadrat Lot[as] trodde at budbringerne var alminnelige reisende eller forbipasserende. De sa: «Vi er ingen forbipasserende. Vi har kommet med budskapet om den fryktede straffen.» Ut ifra det vet vi at folket hans allerede hadde mottatt budskapet om straffen fra Lot[as]. Budbringerne sa: «Folket ditt vil snart bli rammet av den straffen de tviler på». Det betyr at folket allerede hadde blitt informert om straffen, men tvilte på den. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 4, side 91, sura Al-Hidjr, vers 55)

Fotnote nr. 3: Budbringerne rådet ham til å søke ly mot straffen på et bestemt sted. (Sura Al-Hidjr, vers 22, Tafseer-e-Kabeer) Hvorfor gikk budbringerne til Hadrat Abraham[as] først istedenfor å levere budskapet til Hadrat Lot[as] med det samme? Svaret på dette spørsmålet er at Hadrat Lot[as] var tilhenger av Hadrat Abraham[as] og derfor pliktet til å adlyde ham. Abraham[as] mottok budskapet om straffen før Lot[as], fordi Lot, før han ble utnevnt som profet, var blitt en tilhenger av Abraham[as] og ledsaget ham i emigrasjonen til Syria. Hadrat Lot[as] var ikke kjent med området som blant annet var befolket av sodomaenes fiender. Hvis Lot[as] hadde mottatt en direkte åpenbaring fra Gud, ville han blitt usikker på hvor han skulle søke ly mot straffen. For at rømningen skulle bli mest mulig komfortabel for Lot[as], bestemte Gud seg for å gi åpenbaring til noen fromme mennesker i nærheten for at de skulle gi beskjed til Lot[as] om den forestående straffen. Denne metoden ville sikre at Lot[as] kom seg til et trygt sted før tiden, fordi han selv ikke var kjent med området. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 7, side 622-623, sura Al-'Ankabût) Budbringerne ba Lot[as] om å forlate byen ved daggry, for at fienden ikke skulle følge etter. Antallet på Lots[as] tilhengere var mindre enn ti, og han ble derfor bedt om å gå bak dem. Det var en aspekt av nåde i dette rådet, ettersom profeten må beskyttes når straffen inntreffer.

Begge døtrene til Lot var gift med menn fra landsbyen. (Det nye testamentet, «Fødselen», vers 15-19) Muslimske kommentatorer misforstår når de tolker dette med at de skulle oppfylle sitt begjær gjennom døtrene hans og la gjestene være i fred. Dette er en farlig tankegang og et angrep på en profets karakter. Både ifølge Koranen og Bibelen var folket rasende over at han hadde tatt med seg fremmede gjester. De ønsket ikke å misbruke dem for å oppfylle sitt begjær. I Bibelen står det at døtrene hans allerede var gift inn i landsbyen, og derfor ville det være tåpelig å avgi dem. Det Hadrat Lot[as] ønsket å si var at det er unødvendig av dem å frykte at han og hans gjester ville svike dem, ettersom hans døtre allerede var gift blant dem. (Sura Hud, vers 79. Tafseer-e-Sagheer, side 281-282, fotnote nr. 4)

Folket til Lot[as] ønsket på samme måte som folket til Saleh[as] å utvise og ydmyke han og gjestene hans. Disse samsvarende hendelsene blir omtalt her fordi de hadde som hensikt å fungere som åpenbaringer for den hellige Profeten[saw]. Den hellige Profeten[saw] opplevede en lignende hendelse. Folket til Lot[as] hadde bestemt seg for å utvise han fra byen på samme måte som den hellige Profeten[saw] ble ønsket ut av landet av sine medborgere. Hadrat Lot[as] forkynte Guds buskap og oppfordret dem til å avholde seg fra å undertrykke andre, skape strid og holde styr på sin seksualitet. Istedenfor å forbedre seg selv, så folket ned på Hadrat Lots[as] tilhengere og mente at de gjorde seg til. De mente at Lots[as] tilhengere i virkeligheten ikke var fromme mennesker, men at de ønsket å bevise sin storhet ved å kritisere andre. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, sura Al-Naml, side 407-408) Gud sier at Han sendte Lot[as] som et sendebud, og han sa til folket sitt: «Dere lider av en spesiell synd som aldri har blitt praktisert av andre nasjoner. Forlater dere kvinner til fordel for menn? Plyndrer dere uskyldige folk? Dere taler om obskønitet i deres samlinger, og dere frykter ikke Guds straff.» Folket til Hadrat Lot[as] nektet å avholde seg fra synd, til toss for at de ble advart. De sa: «Hvis du er sannferdig vis oss et tegn og frembring en straff over oss.» Hadrat Lot[as] ble opprørt over deres holdninger og ba om bistand fra sin Herre: «Gud, hjelp meg mot dette skjendige folket.» (Tafseer-e-Kabeer, vol. 7, sura Al-'Ankabût, side 260-261) Med dette mente Lot[as] at hvis han hadde kraft nok til å bekjempe deres synder ville han gjort det, men han var maktesløs. «Den eneste utveien er at jeg søker tilflukt hos Gud, og ber om en straff for dere, men jeg ønsker å gi dere litt tid slik at dere skal omvende dere.» Da folk ignorerte denne hjerteskjærende appellen, adlød Lot[as] Guds befaling og ba for folkets ødeleggelse.

gjestfrihet og dermed fornærme gjestene. (Sura Al-'Ankabût, side 34, side 518, Tafseer-e-Sagheer) Da de kom til Hadrat Lot[as] ble de fornærmet over hans handling. Ulike kommentatorer skriver at det var Allahs budbringere som kom på besøk hos Hadrat Lot[as], og at de nektet å vende tilbake til tross for at Hadrat Lots[as] ba dem om dette. Og at det var disse ubudne gjestenes opphold som skapte vanskeligheter for Hadrat Lot[as]. I følge Hadrat Musleh Maud[ra] er denne tolkningen ukorrekt, mens den bibelske fortellingen er den riktige. Da de ankom Lots landsby, inviterte han dem hjem til seg. Da de avslo invitasjonen i frykt for at det ville skape vanskeligheter, insisterte Lot[as], men de nektet igjen, og det var dette som såret ham. (Tafseer-e-Kabeer, vol. 3, side 22, vers 78)

Fotnote nr. 1: I følge Bibelen og den Hellige Koranen ble Hadrat Lot[as] nektet å gi husly til de reisende, men Hadrat Lot[as] følte en plikt til å vise gjestfrihet. Da han inviterte gjestene til tross for forbudet, ble folket henrykt og kom løpende for nå kunne de straffe ham. (Sura Al-Hidjr, Tafseer-e-Sagheer, vers 68, side 328)

På den tiden var flere landsbyer i strid med hverandre, og fryktet derfor plutselige angrep fra fienden. Derfor hadde de et forbud mot å ta til seg fremmede gjester, men fordi området rundt landsbyen var usikker og risikofylt, ga Lot[as] husly til de reisende om natten for at ikke skulle bli plyndret underveis. Da Lot tok med seg gjester ved denne gangen, tenkte folket at nå ville de få en grunn til å straffe ham og utvise ham fra landsbyen. De ønsket ham allerede vekk fra landsbyen og tenkte at de kunne bruke dette som et påskudd for å oppnå dette. (Sura Al-Hidjr, Tafseer-e-Kabeer. 2. utgave, vol. 4, side 95)

Hadrat Lot[as] handlet i henhold de profetenes sedvane, og viste gjestfrihet ved å gi husly til de reisende som fryktet å bli ranet. Folket mislikte denne handlingen, og da Lot[as] igjen ga husly til budbringerne ble de på den ene siden rasende over at han ignorerte deres instrukser ved å ta med seg fremmede. På en annen side ble de henrykt over at de nå hadde fått et påskudd til å bli kvitt han og hans handlinger. Hadrat Lot[as] var klar over at folket hans hadde forbudt ham å ta til seg gjester, og på grunn av de tidligere hendelsene fryktet han at de ville skjemme ham overfor gjestene hans. Lot[as] sa til folket: Mine døtre er mer rene for dere. Hvis dere fører skam over gjestene ved å kvitte seg med dem, vil dere føre vanære over dere selv. Dere frykter at jeg vil påføre dere skade sammen med folk utenfra, men dere har mine døtre, og dere kan straffe dem for å hevne dere på meg. Dette vil redde dere fra vanære. (Sura Hud, side 229, Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 3)

følgende om Hadrat Lot[as]: Og Han har sagt det samme også om andre profeter, at Vi har velsignet dem med visdom. Tafseer-e-Kabeer-e-Kabeer, vol 5, side 536

اتَيْنَاهُ حُكْماً وَّ عِلْماً

Hver gang Hadrat Lot[as] nevnes i detalj i Koranen, omtales Hadrat Abraham[as] i forkant av dette, noe som ikke er en tilfeldighet, men helt bevisst. Dette for å vise at Hadrat Lot[as] var en profet som var underlagt Hadrat Abraham[as]. Denne hendlesen omtales etter Adam[as], fordi mekkanerne anså seg for å være blant Abrahams[as] avkom. Og Lot[as] var i slekt med Abraham[as]. Tafseer-e-Kabeer, vol. 4, side 85

Hadrat Lot[as] var en nevø av Hadrat Abraham[as]. Han bodde i Irak før han reiste til Palestina. Da Hadrat Abraham på mirakuløst vis klarte å unnslippe ilden var det en gruppe mennesker som ble tiltrukket av hans gunst, herunder Hadrat Lot[as]. Han var sønn av Abrahams[as] bror, Haran. («Fødselen», del 12, vers 5) Lot[as] sluttet seg til Abrahams[as] tilhengere etter å ha bevitnet denne hendelsen.

Utfra Bibelen vet vi at Hadrat Abraham[as] ble utsatt for forfølgelse i Irak, og at fetterne hans voldte han stor sorg. Gud ba derfor Abraham om å immigrere til Palestina. Lot[as] var den eneste tilhengeren av Abraham[as] og ledsaget ham i denne migrasjonen. (Tafseer-e-Kabeer, vol. 5, side 53, sura Maryam) Ifølge bibelske kilder vet vi at Lot[as] var sønnen til Abrahams[as] bror, Haran. Beboerne av den irakske landsbyen Adrese emigrerte med Hadrat Abraham[as] mot Kanaan, det vil si Palestina. Derfra fortsatte Lot[as] videre mot byen ved navnet Sodoma. (Lignende forklaring finnes i Tafseer-e-Kabeer, vol. 4, side 86, sura Al-Hidjr) Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 3, s. 232, sura Hud

Hadrat Lot[as] ledsaget Abraham[as] mot nordlige Irak og fortsatte mot Kanaan på befaling av Gud. Dette landområdet ble for alltid utnevnt til Abrahams[as] avkoms. I disse versene sier Gud at Han hjalp både Abraham[as] og Lot[as] med å unnslippe forfølgelsen og hjalp dem til Palestina. (Tafseer, vol. 5, side 532) (Migrasjonen til Lot[as] blir også omtalt i sura Hud.) Da folket kom til Lot[as] ble han svært såret og hjertet hans krympet seg, ettersom folket hadde nektet ham å gi husly til fremmede. Sura Al-'Ankabût, vers 36, side 625, Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 7

Fotnote nr. سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا 1: betyr ikke at Lot avskydde tanken om gjestfrihet. Det var heller hans folk som forbød ham å ta med seg ukjente gjester hjem. Lot[as] ble derfor bedrøvet og hjertet hans krympet seg med tanke på at folket kunne forhindre han i å vise

Sura Hud

Og hans folk kom løpende til ham, og de hadde allerede tidligere gjort onde ting. Han sa: Å mitt folk, disse er mine døtre; de er uten daddel i deres øyne. Frykt da Allah, og skjem med ikke ut overfor mine gjester. Er det da ikke en klok mann blant dere? (11:79)

De sa: Du vet at vi ikke har noen rimelig anklage mot dine døtre, og du vet hva vi ønsker. Han sa: Gid jeg hadde noe makt blant dere, eller jeg kunne søke tilflukt til en mektig støtte. (11:80-81)

De sa: Å Lot, vi er din Herres sendebud, (vi vet at) de ikke skal nå deg (med deres hevn). Så dra med din familie i (den siste) de av natten, og la ingen vende seg om, unntagen din hustru. Det skal visselig ramme henne det (samme) som rammer dem. Sannelig, den utpekte tid (for deres som) er morgenen. Er ikke morgenen nær? (11:82)

Sura Al-Qamar

Lots folk forkastet advarerne. Vi sendte visselig mot dem en strøm av steiner unntagen Lots familie. Vi frelser dem ved daggry. (54:34-35)

Sura Al-Tahrîm

Allah nevner for de vantro som eksempel: Noahs hustru og Lots hustru. De var begge undergitt to av Våre rettferdige tjenere, men de ar utro mot dem, så de nyttet dem ikke det minste mot Allah, og det ble sagt til dem: Gå inn begge i Ilden sammen med den som går inn. (66:11)

Tolkning fra Tafseer-e-Kabeer

Det er viktig at vi ikke glemmer at det største formålet med profeters komme er å skjenke mennesker den kilden hvis uten de aldri kan etablere et åndelig liv, nemlig Gud. Deres oppgave er å sørge for at mennesket knytter et sterkt bånd til Gud, og det kan ikke skje før de tilegner seg kunnskap om det åndelige. Et menneske kan belære andre om det åndelige kun hvis han selv har kunnskap om de midlene som må tas i bruk for å komme nær Gud, og kun hvis Gud veileder ham i dette henseende. Det er viktig for den søkende at Gud selv skjenker ham moralsk og åndelig visdom som overgår samtidens kunnskapsnivå. Derfor sa Gud

deg og din familie unntatt din hustru, som er av dem som blir tilbake. Vi vil la straffen komme ned fra himmelen over denne byens folk fordi de var ulydige. (29:32- 35)

<u>Sura Al-Sju'arâ</u>

Går dere av alle skapninger, til menn (istedenfor til deres kvinner)? Og lar deres hustruer, som deres Herre har skapt for dere, alene? Nei, dere er sannelig et folk som overskrider (naturens og sømmelighetens) grenser. De svarte: Hvis du ikke holder opp, Å Lot, så vil du visselig høre til dem som er drevet (bort fra deres land). Han sa: Jeg hører visselig til dem som (forakter og) avskyr deres handlinger. (26:166-169)

Og vi lot et (voldsomt) regn over dem, Og ondt var regnet (som falt) på dem, som (tidligere) var advart. (26:174)

<u>Sura Al-Hidjr</u>

De svarte: V er sannelig sendt til folk av synderne. (15:59)

Unntagen hans hustru. Vi mener at hun skal være blant dem som blir igjen. Og da sendebudene kom til Lot (og) hans etterfølgere, sa han: Dere er visselig noen fremmede. (15:61-63)

Reis derfor med (de troende) blant ditt folk i (den siste) del av natten, og følg du etter dem, og at ingen av dem vender seg om, men dra videre dit dere blir befalt. (15:66)

Og byens folk kom i håp om å fryde seg. (15:68)

De svarte: Forbød vi deg ikke (å ha forbindelse med) noen som helst fra omverdenen? Han [Lot] sa: Hvis dere må gjøre noe, så er disse mine døtre (sikkerhet nok). (15:71-72)

<u>Sura Al-Naml</u>

Går dere med begjær til menn istedenfor kvinner? Sannelig, dere er uvitende folk. Men hans folks svar var kun at de sa: Driv Lots familie ut av deres by, De er visselig et folk so vil holde seg rene. Så Vi reddet ham og hans familie unntagen hans hustru. Vi dømte henne til å være blant de etterlatte. Og vi lot det regne voldsomt over dem, og ondt var det regnet (som falt) over dem som var blitt advart. (27:56-59)

Profeten Lot[as]

I den hellige Koranen blir Hadrat Lot[as] nevnt i sura Al-Sâffât, sura Al-An'âm, Sura Al-'Ankabût, sura Al-Sju'arâ, Sura Al-Hidjr, sura Al-Naml, sura Hud og sura Al-Qamar.

<u>Sura Al-Sâffât</u>

Og Lot var visselig (også) et av sendebudene, da Vi frelste ham og hele hans familie. (37:134-135)

<u>Sura Al-An'âm</u>

Og Vi skjenket ham Isak og Jakob. Hver av dem rettledet Vi. Og Noah rettledet Vi tidligere, og av hans [Abrahams] etterkommere: David og Salomo og Job og Josef og Moses og Aron. Og slik belønner Vi dem som handler godt. (6:85)

Og Ismael og Jas'a [Jesaja] og Jonas og Lot. Og Vi opphøyde dem alle over folkene. (6:87)

<u>Sura Al-'Ankabût</u>

Så trodde Lot på ham. Og han [Abraham] sa: Jeg flyter viselig til min Herre, Han er sannelig den Allmektige, den Allvise. (29:27)

Og (Vi sendte også) Lot, da han sa til sitt folk: Dere begår visselig det skjendige, det som ingen i verden har begått. Vil dere visselig gå til menn (i stedet for kvinner) og avskjære veien og begå ondt i deres forsamlinger? Og hans folks svar var kun at de sa: Bring oss Allahs straff, om du er en av de sanndru. Han sa: Min Herre, hjelp meg mot det ufredstiftende folk. (29:2931)

Og da Våre sendebud kom til Abraham med budskap, sa de: Vi vil visselig ødelegge denne byens befolkning, da dens folk visselig er syndere. Han sa: Sannelig, Lot (er) i den. De svarte: Vi vet best hvem som er i den. Vi vil visselig redde ham og hans familie unntatt hans hustru, som er en av dem som blir tilbake. Og da Våre sendebud kom til Lot, var han bedrøvet på grunn av dem og følte seg maktløs, og de sa: Frykt ikke og vær ikke bedrøvet, da Vi vil redde

perioden. Han ba for at Gud, ved hjelp av sin makt og visdom, skal bestemme hva som trengs og oppfylle dette.

Profeten Abrahams bønn er et stort tegn på islams sannhet. Han ba Gud om å sende en profet som ville forelese Guds vers, gi folk visdom og rettlede dem. Denne bønnen ble besvart ved at Gud sendte profeten Muhammad[saw] fra Ismaels nasjon til å utføre alle de ønskene Abraham hadde for sitt folk. Profeten Muhammad[saw] har også selv uttalt at jeg ble sendt som et svar på min farfar, Abrahams bønn for å rettlede menneskeheten. Denne bønnen er således et stort tegn på islams og profeten Muhammads[saw] sannhet. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgivelse, bind 2, s. 195).

Det ble gitt tegn til profeten Abraham[as] om fremgangen til hans folk. Profeten Abraham[as] spurte Gud om hvordan Han kan oppreise de døde. Til dette svarte Gud; Har du ikke tro på min makt? Profeten Abraham[as] sa at jeg har tro på Din styrke og makt, jeg ser at Du gjenoppliver de døde, men jeg ønsker å se denne attributten bli brukt også til fordel for mitt folk. Til dette svarte Gud at ditt folk kommer til å bli svekket fire ganger og reise seg igjen fire ganger.

Dette ble oppfylt slik: Profeten Abraham[as] ble gjenopplivet først gjennom profeten Moses[as], så gjennom profeten Jesus[as]. Den tredje gangen denne nasjonen ble gjenopplivet var gjennom profeten Muhammad[saw] og den fjerde gangen gjennom den Utlovede messias[as]. Profeten Abraham[as] påkalte sitt folk 4 ganger, og ved alle fire gangene samlet folket seg etter hans stemme, og han ble skjenket ro i hjertet. Og det var nettopp dette han hadde bedt om til Gud, at dersom mitt folk farer vill, så vil at jeg at Guds evne til å gjenoppleve noen fra døde, også skal brukes til fordel for min nasjon. Abrahams folk ble skjenket særlige velsignelser fra Gud i form av at de ble gjenopplivet åndelig gjentatte ganger og etter behov. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgivelse, bind 2, s. 603).

Det er også nevnt om de ti utfordringer eller prøver som profeten Abraham[as] måtte gå gjennom. Dette for at Gud kunne vise verden Abrahams indre godhet og gudfryktighet, hans indre styrke og evner. Gud påla profeten visse handlinger, som han utførte til det fulle, og verden fikk således se at ingen andre besitter det nivået av lydighet overfor Gud, som profeten Abraham[as]. For eksempel ba Gud ham om å ofre sin eneste sønn ved å drepe ham. Når profeten Abraham[as] var i ferd med fysisk å gjennomføre dette, sa Gud til ham at det ikke var dette som var meningen. Gud ba ham så om å ta med profeten Ismael[as] og hans kone Hadrat Hajra[as] til et øde sted og forlate dem der. Dette gjorde profeten Abraham[as] og bestod altså prøven sin. Av dette fikk hele verden se og vite at profeten Abraham[as] alltid adlyder Gud uansett hvor skremmende enn Guds påbud kan virke for det fysiske øyet. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgivelse, bind 2, s. 156).

Profeten Abraham[as] ba mange bønner for at Mekka skulle bli befolket. En av dem var; Kjære Gud gjør det slik at jeg og Ismael blir kalt for muslimer, og gjør det slik at vårt folk også kan bli kalt for muslimer. På grunnlag av denne åpenbaringen sa profeten Abraham[as] at Gud har bestemt at mitt folk skal bli kalt for muslimer og min religion skal hete Islam. Hadrat Hajra[as] sa at Gud kommer aldri til å forlate oss. Det kom etterhvert en tid med enorm tørke og intet vann var å finne. Sønnen Ismael var med Hadrat Hajra[as]. Hun begynte å løpe fra fjell til fjell i håp om å finne hjelp. Dette gjorde hun syv ganger. Da ba Gud henne om å vende tilbake til sønnen og se hva Gud hadde skaffet for dem. Hun så da at på samme sted som hennes sønn lå og gråt av tørst, var det nå vann. Det er dette vi kaller for *zam zam* i dag. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgivelse, bind 7, s. 25, 26, 51, 107).

Baitullah ble ikke bygget av profeten Abraham[as], men han og profeten Ismael[as] kun bygget denne på nytt. Profeten Abraham[as] ba til Gud; Kjære Gud, dette huset er befolket av ditt folk, men det spiller ingen rolle om det er folk her så lenge de ikke er troende. Gud vi ber til deg om å gjøre oss til troende og fromme folk. Profeten Abrahams[as] bønn bestod av to deler; at Gud skulle sende en profet, men også at Han skulle skape en from og troende nasjon. Det var derfor viktig at hans bønn ble hørt slik at det ikke bare ble sendt en profet, men at det også ble skapt en jamaat som var villig til å ofre alt i Guds vei. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgivelse, bind 2, s. 277).

Profeten Abraham[as] ba til Gud og sa at hva enn jeg ber for, ber jeg om i henhold til mine egne tanker, men jeg er ikke klar over hva som er nødvendig og hva som trengs i den aktuelle

En jøde skriver i sin bok at profeten Abraham[as] var den første til å snakke så høyt og tydelig om Gud som skaperen av alt, og Hans enhet. Han proklamerte at alle stjerner er underlagt Gud og at det er Gud som styrer dem. Siden folket på den tiden også tilba stjerner, ble profeten møtt med stor motstand og måtte flykte til Kanaan.

Profeten Abraham[as] ba folket sitt, inkludert sin far, altså onkelen som oppfostret ham, om å tro på den ene Gud og ikke tilbe avguder. Av frykt for folkets reaksjoner, ba onkelen ham om å slutte sin misjonering. Da også profetens egne brødre sluttet seg til forfølgelsen, bestemte han seg for å brenne statuene. Dette viser at statuene var laget av tre siden de lett brant ned.

Det står skrevet at profeten Abraham[as] en dag studerte stjernene for å lese av dem hva fremtiden ville bringe av goder. Han fikk da en åpenbaring fra Gud om at hvilken rolle spiller stjernene foran Guds vilje og makt. Etter mye bønn, forlot han så sitt folk for å stadfeste store sannheter i denne verden.

Profeten Abraham[as] ba til Gud om å hjelpe ham til å bli et godt menneske. Men hvorfor ba profeten Abraham[as] om dette? Han som ble sendt av Gud som en profet for å rettlede menneskeheten? Om hvem det er sagt at dersom du ønsker frelse, så følg ham. Saken er at profeten Abraham[as] med dette ga et veldig godt eksempel til verden. Uansett hvor godt og fromt menneske du er, kan du aldri tro at du har nådd det høyeste stadiet av fromhet og godhet. Du må alltid streve etter mer, og forsøke å oppnå enda høyere stadier av fromhet. De troende må ikke tenke at dersom de har nådd et høyt stadium at de ikke lenger kan falle og gå bort fra den riktige vei. Alle må alltid be for å holde seg på den riktige vei. Dersom profeten Abraham[as] ikke hadde bedt om dette hadde resten trodd at de heller ikke trengte å be om noe slikt.

Profeten Abraham[as] ber også om at hans folk skal be for ham, og at bønnen de utretter for ham ikke skal være et engangs tilfelle, men vare evig. Og at hans folk også fysisk skal føre videre hans gode gjerninger, ved selv å utføre disse. Av alle verdens religioner er det i dag kun muslimer som oppfyller denne bønnen til profeten Abraham[as]. Det kan hende at profeten Abrahams[as] egne sønner og barnebarn ba for ham, men etter en viss tid ble han glemt av både hans åndelige og fysiske avkom. I dag er det kun muslimer, som selv etter 1300 år ber for ham hver dag i seine fem daglige bønner, gjennom *darud.*

Profeten Abraham[as] ba også for sin far om at Gud skal tilgi ham for at han var blant de som ikke fulgte den rette veien. Med "far" menes her hans onkel.

statuen som ikke ble ødelagt. Kanskje han kan svare dere. Til dette svarte de: Abraham[as] du vet at statuene ikke snakker. Og da sa profeten Abraham[as] at pleier dere å tilbe statuer, istedenfor å tilbe Den allmektige Gud. Statuer som hverken kan gi dere velsignelser eller skade dere.

Når profeten Abraham[as] også etter dette fortsatte å oppfordre folk til å slutte å tilbe avguder, samarbeidet alle om hvordan de kunne bli kvitt ham. Det ble fremmet forslag om enten å drepe ham eller brenne ham levende. Men Gud reddet profeten Abraham[as] fra denne ilden.

Profeten Abraham[as] ble så sendt til en konge som mente at solen var det viktigste og mest mektige, og derfor var tilbedelse av solen naturlig. Et kort sammendrag av deres diskusjon er som følger:

I følge Koranen omhandlet diskusjonen den Ene Gud. Kongen sa at han kan ødelegge profeten siden han var herskeren. Til dette svarte profeten at det kun er Gud som kan bestemme hvem som skal dø eller være i live.

I Talmud står det skrevet at denne diskusjonen fant sted før profeten Abraham[as] kom til Kanaan. Når profeten Abraham sa til kongen at det er Gud som gir liv og død, mente han ikke fysisk liv og død, men heller fremgang og nedgang i livet. Siden Gud allerede hadde lovet å gi Kanaan til profeten Abraham[as] og gi barna hans stor fremgang, sa han at min Gud velger selv hvem Han vil skjenke livets utallige goder og hvem Han ikke vil gi disse. Gud bestemmer hvem Han vil skjenke ære, hvem som skal seire og hvem som skal tape. Til dette svarte kongen at akkurat dette kan jeg også gjøre.

Som det har blitt nevnt tidligere mente kongen at solen er det sterkeste vesenet og den eneste guden som finnes. Profeten Abraham[as] sa at det er Gud som fører til at solen står opp fra den ene siden og går ned i den andre enden. Hvis det ligger i dine hender å få solen til å gå ned, kan du ikke gjøre det nå? Profeten Abraham[as] mente at dersom det er i kongens hender å gi mennesker livets goder og onder, hva er solens oppgaver da. Kongen hadde intet svar på dette og ble helt stille. Dersom kongen hadde svart hadde han trolig sagt enten dette; At det ikke er i mine hender å gi liv og død, men dette ligger i solens kraft. Dersom han hadde sagt dette hadde han fornektet sin egen storhet. Og dersom han hadde sagt at det ikke er solen som er den allmektige, men han selv som gir mennesket liv og død, hadde hans folk vendt seg mot ham siden de alle tilba solen som sin Gud, faktisk tilba kongen også selv solen. Derfor hadde ikke kongen noe svar til profeten Abrahams[as] spørsmål og ble helt stille.

Tolkning fra Tafseer-e-kabeer

Profeten Abraham[as] ble født i en familie som tilba statuer. Foreldrene hans gikk bort da han var et lite barn, og dermed ble det hans onkel som stod for hans oppdragelse. Onkelen lærte både sine egne sønner og profeten Abraham[as] å selge statuer. Men hva visste han om at den som senere skal bli Guds profet ikke kan ha kjærlighet til statuer i sitt hjerte. Den første dagen profeten Abraham skulle jobbe i butikken, kom det en gammel og rik mann for å kjøpe en statue, og valgte seg en dyr statue. Med en gang han fikk øye på denne mannen, spurte han hva han skulle med denne statuen - han som var så gammel? Til dette svarte den gamle mannen at han kom til å ta den med hjem og legge den på et fint og rent sted og tilbe den. Gutten klarte ikke å dy seg og måtte spørre hvor gammel mannen var. Mannen fortalte alderen sin, og med det samme begynte gutten le og sa at denne statuen som du har kjøpt ble nettopp laget for kun noen dager siden. Du som er så gammel, vil det ikke være flaut for deg å tilbe statuen? Dermed ble det vanskelig for mannen å gjennomføre kjøpet og han dro tomhendt fra butikken. Profeten som på dette tidspunktet kun var et barn, fikk så kjeft av sin onkel for tapet av salget. Dette var dermed den første gangen profeten Abraham[as] møtte vanskeligheter grunnet sin tro.

Hele nasjonen til profeten Abraham[as] tilba statuer og kunne ikke tenke seg å gjøre noe annet. Familien hans, levde dessuten av å selge statuer. De prøvde derfor å forklare for profeten at vi lever jo av å selge statuer, så dersom vi slutter å tilbe dem vil dette skade våre muligheter for inntjening. Men profeten svarte til dette at jeg klarer ikke å tilbe statuer som et menneske selv har laget med sine egne hender.

Profeten Abraham[as] måtte strebe for å få vekk avgudsdyrkelse, og derfor gav han sitt folk fem punkter som de måtte følge. 1) Statuer kan ikke utføre noe 2) Livets goder ligger kun i Guds hender 3) Tilbe kun Gud 4) Vær takknemlige over Guds velsignelser og goder 5) Etter døden kommer du til å måtte svare Gud, utfør derfor handlinger som gleder Gud.

Disse fem punktene forteller oss at profeten Abraham[as] ikke kun lærte dem om å ikke tilbe statuer, men fortalte dem også at statuer laget av stein ikke kan gi deg det du trenger. Dersom du ønsker livets velsignelser burde du be til den ene og sanne Gud som er Den allmektige.

Profeten Abraham[as] ødela alle avgudene deres, men lot den største av dem bli igjen. Da folk fikk vite om dette dro de til profeten Abraham[as] og lurte på om det var han som hadde gjort dette, de visste jo at han snakket ondt om deres avguder. Da sa profeten Abraham[as] at dette måtte jo være en eller annen som hadde gjort. Hvorfor spør dere meg, spør heller den ene

<u>Sura Al – Ankabût</u>

"*Og Vi sendte visselig Noah til hans folk, og han ble hos dem i tusen (år) unntatt femti år. Så tok vannfloden dem, da de handlet urett.*" (29:15)

"*Så trodde Lot på ham. Og Han (Abraham) sa: Jeg flykter visselig til min Herre, Han er sannelig den Allmektige, den Allvise.*" (29:27)

"*Og Vi skjenket ham Isak og Jakob, og vi ga profetdømmet og Boken til hans slekt, og Vi ga ham hans belønning (allerede) i denne verden. Og i den kommende vil han visselig være blant de rettferdige.*" (29:28)

<u>Sura Al-Saffat</u>

"*Og til hans parti hørte visselig Abraham.*" (37:84)

"*Så kastet han et blikk på stjernene, og sa: Jeg føler meg uvel. Så gikk de bort fra ham, idet de vendte ham ryggen.*" (37:89-91)

"*Så angrep han dem og slo til dem med sin høyre hånd.*" (37:94)

"*Så fakket de en (ond) plan angående ham, men Vi gjorde dem underlegne. Og han sa: Jeg skal sannelig til min Herre. Han vil visselig veilede meg.*" (37:99-100)

"*Da ga Vi ham det gledelige budskapet om en mild sønn. Og da han nådde (den alder), hvor han kunne arbeide sammen med ham, sa han (Abraham): Min sønn, jeg har sett i en drøm at jeg ofrer deg (som offergave). Overvei derfor hva du mener (om dette). Han (Ismael) svarte: Å min far, gjør som du er blitt befalt; du vil - om Allah vil – finne, at jeg er en av de utholdende.*" (37:102-103)

"*Og Vi ga ham det gledelige budskapet om Isak, en profet, (og en) av de rettferdige.*" (37:113)

<u>Sura Al – Mumtahinah</u>

"*Dere har visselig et skjønt og godt for bilde i Abraham og dem som var med ham, da de sa til deres folk: Vi sier oss visselig fri fra dere, og det dere tilber ved siden av Allah. Vi forkaster dere (og deres vantro). Og fiendskap og hat er oppstått mellom oss og dere for alltid, inntil dere tror på Allah alene – unntatt Abrahams ord til sin far: Jeg vil visselig be om tilgivelse for deg, enda jeg ikke har makt til å gjøre noe for deg mot Allah. Vår Herre, til Deg setter vi vår lit, og til Deg vender vi oss i anger, og til Deg vender vi tilbake*". (60:5)

Men etter at det sto ham klart at han var en fiende av Allah, sa han seg fri fra ham. Abraham var visselig bløthjertet (og) mild." (9:114)

Sura Hud

"*Og hans hustru sto (nær ved), og hun lo (etter at) Vi forkynte et gledelig budskap om Isak, og etter Isak om Jakob.*" (11:72)

"*Og Våre sendebud kom til Abraham med det gledelige budskap. De sa Salam (Fred). Han svarte: Salam (Fred). Og han nølte ikke med å bringe en stekt kalv.*" (11:70)

"*Men da han så at hendene deres ikke rekte ut etter den, anså han dem for fremmede og følte frykt for dem. De sa: Frykt ikke, for vi er sendt til Lots folk.*" (11:71)

"*Og etter at frykten var veket fra Abraham, og det gledelige budskapet hadde nådd ham, stridde han med Oss angående Lots folk.*" (11:75)

Sura Ibrahim

"*Vår Herre, jeg har visselig besatt en del av mine etterkommere i en ufruktbar dal, like ved Ditt Hellige Hus. Vår Herre, for at de skal holde bønn (regelmessig). Så la menneskenes hjerter bøye seg mot dem, og forsyn dem med (alle slags) frukter, for at de skal være takknemlige.*" (14:38)

Sura Al-Ambija

"*Da han sa til sin far og sitt folk: Hva er det for avgudsbilder dere er så hengivne (tilbedere av)*?" (21:53)

"*Og ved Allah, jeg vil visselig legge en plan mot deres gudebilder, etter at dere er gått bort fra (dem). Så slo han dem i stykker unntatt deres øverste, for at de måtte vende tilbake til ham. Hvem har gjort dette mot våre guder? Han er visselig en av de urettferdige. Noen andre sa: Vi har hørt en ung mann snakke (stygt) om dem. Han kalles Abraham.*" (21:58-61)

"*De sa: Brenn ham og hjelp deres guder, hvis dere vil foreta dere noe.*" (21:69)

"*Og Vi reddet ham og Lot (og brakte dem) til landet, som Vi har velsignet for all verden.*" (21:72)

Sura Al-Hadjdj

"*Og kall menneskeheten til Hadjdj. De skal komme til fots og på magre dyr (som brukes som fremkomstmidler), som kommer fra fjerne avstander (ved å følge) dype spor.*" (22:28)

Profeten Abraham[as]

Sura Al-Baqarah

"*Og (husk den tid) da Ibrahims (Abrahams) Herre stilte ham på prøve, med bud som han oppfylte. Da sa han: Jeg vil gjøre deg til en imam for menneskene. Han (Abraham) spurte: Og av mine etterkommere? Han sa: Min pakt omfatter ikke de urettferdige.*" (2:125)

"*Og da Abraham og Ismael oppreiste husets grunnmur (idet de ba): Vår Herre, motta (dette) av oss, for Du er visselig den Althørende, den Allvitende.*" (2:128)

"*Vår Herre, oppreis blant dem et sendebud av deres midte, som foreleser dem Dine tegn, og lærer dem Boken og visdommen og renser dem, for Du er sannelig den Allmektige, den Allvise.*" (2:130)

"*Har du ikke hørt om ham som stred med Abraham angående hans Herre fordi Allah hadde gitt ham kongedømmet? Da Abraham sa: Min Herre er den som gir liv og død. Han sa: Jeg gir (også) liv og død. Abraham sa: Allah er sannelig den som bringer solen fra øst. Bring da du den fra vest. Da ble den vantro slått med målløshet. Og Allah rettleder ikke det urettferdige folket.*" (2:259)

"*Og (ihukom den tid) da Abraham sa: Min Herre, vis meg hvordan Du gir liv til de døde. Han sa: Har du da ikke trodd? Han (Abraham) sa: Jo, men (jeg spør dette) for at mitt hjerte skal bli beroliget. Han sa: Ta da fire fugler og gjør dem vant til deg. Sett så hver enkelt av dem på et fjell. Og kall så på dem; de vil komme til deg i hast. Og vit at Allah visselig er den Allmektige, den Allvise.*" (2:261)

Sura Al-Anam

"*Og (ihukom) da Abraham sa til sin far Azar: Tar du gudebilder til guder? Jeg ser visselig deg og ditt folk i åpenlys villfarelse*." (6:75)

"*Da nå natten dekket over ham, så han en stjerne. Han sa: Er dette min Herre? Men da den gikk ned sa han: Jeg elsker ikke dem som går ned.*" (6:77)

Sura Al – Tauba

"*Og Abrahams bønn om tilgivelse for sin far skyldtes bare et løfte som han hadde gitt ham.*

Navnet Adam blir brukt om Adams avkom – det vil si menneskeheten.

14. Fortellingen om Adams[as] sønner:

(Tafseer-e-Sagheer, side 146, sura Al-Maidah, vers 28)

"*Og foreles dem beretningen om Adams sønner i sannhet, hvordan de begge brakte et offer, og det ble mottatt bare fra den ene av dem, og det ble ikke mottatt av den andre. Da sa han: Jeg vil sannelig drepe deg! (Den andre) svarte: Allah mottar bare fra de gudfryktige!*" (Al-Maidah, vers 28)

Kommentar 1: Dette er en metafor for israelittene og etterkommere av Hadrat Ismail[as]. Israelittene nærer en slags ondskap mot muslimer på grunn av profeten Muhammads[saw] profetdømmet. Det er ikke opp til den som ofrer å avgjøre om ofringen skal aksepteres av Gud eller ikke, denne avgjørelsen ligger alene hos Gud.

henseende er sinnets tilfredstillelse og mental fred som Hadrat Adam[as] hadde, men som nå endret seg for en periode. (Tafseer-e-Kabeer, vol. 1, sura Al-Baqarah, vers 37, side 343-345)

Tolkning vers 39: Det var ikke bare Hadrat Adam[as] og hans hustru som befant seg i den paradis lignende tilværelsen, men hans tilhengere var også blant dem. I dette verset blir det gitt et løfte om at det vil alltid finnes mennesker blant Hadrat Adams[as] avkom som vil motivere andre til å handle dydig og lede dem på den rette vei. De som da vil la seg lede vil oppnå et paradis allerede på denne jorden, for deres hjerter vil være tilfredse og de vil ikke føle noen frykt. Videre er det et løfte om at Guds åpenbaringer vil fortsette også etter Hadrat Adam[as]. (Tafseer-e-Kabeer, vol. 1, sura Al-Baqarah, side 347-348)

11. Hadrat Adams[as] paradis:
(Tafseer-e-Sagheer, side 12, sura Al-Baqarah, vers 36)
"*Og Vi sa: Å Adam, bo du og din hustru i hagen, og spis rikelig hvor dere vil i den, men kom ikke nær dette treet, for da blir dere urettferdige.*" (1:36)

Allah ba Hadrat Adam[as] om å bosette seg på et sted som var ytterst behagelig og lignet et paradis. Videre ble Hadrat Adam[as] skjenket en lovgivning som ville forvandle verden til et paradis. Han skjenket ham en hustru og ledsagere som var lydige og samarbeidsvillige og som fullkommengjorde dette paradiset. Samtidig ba Allah ham om å holde seg unna samfunnets synder og ondskap, samt onde ledsagere noe som ble sammenlignet med et forbudt tre. (Tafseer-e-Kabeer, vol. 1, sura Al-Baqarah, side 339)

12. Hadrat Adam[as] ble skapt av leire:
Tafseer-e-Sagheer, side 87, sura Al-e-Imran, vers 60, kommentar nr. 4-3)

"*Sannelig, med Jesus er det hos Allah liksom med Adam [mennesket]. Han skapte ham av støv, og så sa Han til ham: Bli til, og han ble til.*" (Sura Al-e-Imran, vers 60)

Hadrat Adam[as] ble skapt av støv som ikke var mottakelig for åpenbaringer. Han ble unnfanget av sine foreldre slik alle andre mennesker blir født.

13. Ordet Adam blir brukt om Adams avkom
(Tafseer-e-Sagheer, side 87, sura Al-e-Imran, vers 60, fotnote 4)

"*Han [Allah] sa: Å Iblîs, hva hindret deg i å underkaste deg det Jeg har skapt med Mine hender. Er du stolt, eller er du en av dem som opphøyer seg (med urette)?*" (Sura Sad:76)

Det at gud skapte Adam[as] med sine to hender vil si at Han samlet alle gode kvaliteter i Hadrat Adam[as].

9. Hadrat Adam[as] mottok den første kunnskapen for å etablere den nye levestil

(Tafseer-e-Sagheer, side 406, sura Ta-Ha, vers 119-120)
"*Du skal visselig ikke sulte i den, heller ikke skal du være naken i den. Og du skal ikke tørste der, heller ikke skal utsettes for solen.*" (Sura Ta-Ha, vers 119-120)

Av dette verset får vi vite at kunnskapen som Adam[as] mottok var ment for å etablere en ny levestil med nye lover som ville skjenke mennesket de mest fundamentale nødvendighetene for å skape en paradisisk tilværelse i et idealistisk samfunn. (Tafseer-e-Sagheer, side 406, fotnote 1)

10. Hadrat Adam[as] ble bedt om å migrere

"*Men Satan fikk dem til å snuble ved det, og drev dem bort fra (den tilstanden) de var i, og Vi sa: Gå bort (som) hverandres fiender, og på jorden er det et hjem og dere skal dra nytte til en bestemt tid.*" (1:37)

"*Vi sa: Gå alle ut herfra, og de som følger Min rettledning, når det kommer rettledning fra Meg, over dem skal det ikke komme frykt, og de skal ikke sørge.*" (1:39)

Tolkning vers 37: Allah nektet Hadrat Adam[as] å nærme seg det forbudte Treet, men den hyklerske Satans besvergelser lurte ham og hans venner til å tro at han hadde sluttet seg til dem og at han ønsket deres ve og vel. Hadrat Adam[as] besluttet å slippe inn denne personen for hans løfter om hengivenhet, selv om han før hadde vært undersåtten til selveste *Iblîs*. Det var nettopp avgjørelsen om å skape et vennskap med denne mannen som innebærte Hadrat Adams nærmelse av det forbudte Tre. Satan ba Hadrat Adam[as] om å gruble over forbudet om å nærme seg Treet, for hensikten med dette forbudet var at Adam skulle kunne oppnå et evig liv blant englene. Satan lurte han til å tro at situasjonen hadde endret seg, og at Adam[as] nå ville oppnå hensikten sin ved å *nærme* seg Treet og dermed oppfylle Guds ønske. Adam[as] lot seg villede av Satans erklæringer og som et resultat ble paradiset et sorgens sted. Et paradisisk liv i denne

symbol på frodige sletter, mens *Iblîs* og hans avkom har fått symbolet «Det forbudte Treet.» (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 335-339)

6. Hva menes med at Hadrat Adam[as] dekket seg til med blader

"*Og han villedet dem ved bedrag. Og etter at de hadde smakt av treet, ble deres skam åpenbart for dem, og de begynte å skjule seg med hagens løv. Og deres Herre kalte dem: Forbød Jeg dere ikke dette treet og sa til dere at Satan er deres åpenbare fiende.*" (7:23)

Når et menneske begår en synd vil en stemme fra hans samvittighet minne ham om hans svakhet og gi ham en følelse av tap og svekkelse. Når følelsen av gremmelse og anger vekkes hos vedkommende dekker han til sine synder med gode gjerninger og ber om tilgivelse. Hadrat Adam[as] og Eva brukte tilsvarende taktikk for å dekke over sine feil og de innså med et at Gud hadde vært korrekt i sin advarsel. Deretter ga de seg hen til å be om tilgivelse og oppnådde dermed Guds velsignelse.

7. Hadrat Adam[as] begikk ikke synd ved å nærme seg det forbudte Treet

(Tafseer-e-Sagheer, side 406, sura Ta-Ha, vers 116)

"*Og Vi hadde visselig sluttet en pakt med Adam tidligere. Han glemte (Vårt bud), men Vi fant ingen fast beslutning i ham (til ulydighet).*" (20:116)

لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا

Ifølge verset, - «*Vi fant ingen fast beslutning i ham (til ulydighet)»* (20:116) – begikk Hadrat Adam[as] en ufrivillig feil, ettersom han ikke hadde noen intensjoner om å begå den. I vers 6 av sura Al-A'raf sverget Satan for Hadrat Adam[as] og hans ledsagere at han ønsket å slutte seg til de sannferdige folk og at han ønsket dem alle vel. Hadrat Adam[as] ble bedratt av Satans falske hengivenhet og tilslutning, og avgjorde at det ikke ville være galt å bli venn med denne personen som før besittet djevelske egenskaper, men som nå hadde oppnådd rettledning. Resultatet av denne avgjørelsen var at de måtte forlate paradiset de levde i, altså at freden og roen i området ble forstyrret på grunn av denne nye innbyggeren. Hadrat Adam[as] begikk derfor denne feilen uten å være klar over Satans bedrageri. (Tafseer-e-Kabeer, vol. 5, sura Ta-Ha, vers 60, side 471)

8. Hva menes med at Gud skapte Hadrat Adam[as] med Sine to hender

(Tafseer-e-Sagheer, side 604, sura Sad, vers 76, fotnote 1)

5. Hadrat Adam[as] ble nektet å nærme seg det forbudte Treet og hva menes med dette treet

"*Å Adam, bo du og din hustru i hagen og spis av det dere lyster hvor (dere) vil i den, men gå ikke nær dette treet, så dere blir urettferdige.*" (7:20)

"*Og Vi sa: Å Adam, bo du og din hustru i hagen, og spis rikelig hvor dere vi i den, men kom ikke nær dette treet, for da blir dere urettferdige.*" (2:63)

Av disse versene får vi vite at Hadrat Adam[as] og hans hustru fikk en bolig i paradiset. Dette paradiset ville romme rikelig med føde, drikke, klær og kjølig skygge, og han ville kunne spise seg mett. Paradiset som blir nevnt i disse versene er et jordisk paradis som kan lokaliseres i dagens Irak, ettersom diss landområdene på den tiden var kjent for deres overflod av fasiliteter for gode livsvilkår. Dette var det midlertidige paradiset som la grunnlaget for den kommende kultur og livsførsel. Dette stedet fikk navnet paradis på grunn av sin daværende lett-tilgjengelige overflod av mat og komfort. Ofte feiltolker en del folk dette og tror det er snakk om Paradiset som er i det hinsidige som skal rommes av de fromme og sannferdige. Følgende tre punkter kan enkelt og rimelig besvare disse feilinterpretasjonene:

1. I vers 13 av sura Al-Baqarah leser vi at Gud sier at Han valgte å utnevne en kalif på jorden. Det strider derfor mot all fornuft at Hadrat Adam[as] skulle bo i Paradiset når hans oppdrag var å etablere et nytt system på denne jorden
2. I vers 49 av sura Al-Hidjr leser vi at Gud sier at i det endelige Paradiset vil ingen oppleve utmattelse og de vil heller ikke kunne drives ut derfra, mens Adam[as] ble forvist ut av sitt midlertidige paradis. Altså var ikke dette det himmelske Paradiset
3. Det er bevist at Satan entret dette paradiset. Hvordan kan det ha seg at Gud ville tillate at Satan eller hans avkom skulle få tilgang til det hinsidige Paradis. Ut fra dette kan vi komme frem til at Hadrat Adam[as] befant seg i et verdslig paradis

Med "treet" menes de handlinger og den ondskap som Hadrat Adam[as] skulle holde seg unna. Hadrat Adam[as] fikk ordre om å bosette seg på et sted som var ytterst komfortabel – nærmest et paradis – der han mottok en åpenbaring om et himmelsk system. Hans hustru og ledsagere var lydige overfor ham og deres nærvær samt resten av samfunnet var derfor med på å skape en paradisisk tilværelse. Hadrat Adam[as] og hans ledsagere ble derfor påbudt å holde seg unna et spesifikt "tre" som var en metafor for alle onde gjerninger. Altså fikk han påbud om å leve i dette paradiset og samtidig holde seg unna det djevelske Treet. Hadrat Adams[as] paradis er et

tendenser har ført det bort fra Guds Nåde. Dette er en skapning som har gitt opp sin søken etter den rette vei på grunn av sinnets forvirringer. *Iblîs* er derfor en skapning som besitter disse egenskapene og følelsene, og navnet kan også brukes om et mennesket hvis hjerte besitter disse egenskapene.

Iblîs og Satan er to vidt forskjellige skapninger. *Iblîs* er han som nektet å underkaste seg for Adam[as], mens Satan er han som påførte Hadrat Adam[as] sorg. *Iblîs* er en skapning som stimulerer ondskap slik engler stimulerer godhet. Satan er på den andre siden en alminnelig benevnelse som også kan brukes om *Iblîs* og hans ledsagere på denne jorden som har latt seg narre av hans lettsindighet og på den måten er med på å spre ondskap. I den hellige Koranen blir alle motstandere av godhet samt ondskapsfulle sjeler kalt *Iblîs*. Navnet Satan blir bukt om alle onde ånder og mennesker som leder mot avgudsdyrkelse. *Iblîs* er først og fremst skapningen som nektet å adlyde Hadrat Adam[as] ved å underkaste seg for ham. *Iblîs* er den onde ånd som motsetter seg englene ved å lede hjertene vekk fra Gud. Også ordet Satan kan brukes om disse opprørene, men også om de menneskene som handler på samme vis. Gud har gitt Satan to navn; *Iblîs* og Satan. Det førstnevnte navnet betyr «frustrert og forvirret», mens det andre navnet betyr «sannhetsfordrivelse og sjalusi». (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 330-331)

"*Og vi har visselig skapt dere og deretter gitt dere form. Og deretter sa Vi til englene: Underkast dere Adam, og de underkastet, (alle) unntatt Iblîs. Han ble ikke av dem som underkastet seg.*" (7:12)

"*Og da Vi sa til englene: Underkast dere Adam, og de underkastet seg, (alle) unntagen Iblîs, han sa: Skal jeg underkaste meg en som Du har skapt av leire?*" (17:62)

"*Og da Vi sa til englene: Adlyd Adam, så adlød de, unntagen Iblîs, han nektet (å adlyde).*" (20:117)

"*Så når Jeg har fullført det og blåst i det Min Ånd, fall da ned i underkastelse for ham.*" (15:30)

Kommentar: Å underkaste seg sammen med Adam[as] og tilbe Gud slik Hadrat Adam[as] vil tilbe Ham alene. (Kommentar Tafseer-e-Sagheer, side 421)

navn; altså lærte han Guds navn og det arabiske språket. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 313, 1. avsnitt.) Dette var ikke et uhensiktsmessig eller unødvendig språk; arabisk la grunnlaget for både filosofi og andre fremtidige språkgrupper. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 314, 1. avsnitt)

4. Betydningen av at englene ble bedt om å underkaste seg for Hadrat Adam[as]

"*Og da Vi sa til englene: Underkast (dere) Adam, så underkastet de men Iblîs gjorde det ikke. Han avslo og var stolt, for han var en av de vantro.*" (1:35)

«Å underkaste seg for Adam[as]» er et symbol på lydighet. Det at englene ble befalt å underkaste seg Hadrat Adam[as] vil si at de ble bedt om å adlyde ham. Hadrat Adams[as] skapelse var ment som et uttrykk på Guds fullkomne Storhet. Englene ble derfor påbudt å underkaste seg Allah for å understreke denne Storheten, ettersom den hellige Koranens lære ikke aksepterer tilbedelse av noen andre enn Allah. Hvis tilbedelse av andre enn Allah blir ansett som avgudsdyrkelse, hvordan kan da Han be englene om å underkaste seg for noen andre enn Han Selv. Det å underkaste seg Hadrat Adam[as] betyr derfor;

1. Allah etablerte kalifatet ved å utnevne Adam[as], og denne erklæringen og etableringen bar vitnesbyrd om Hans mange attributter. Englene ble bedt om å underkaste seg av glede overfor denne nye manifestasjonen utviklet av Allah og på den måten uttrykke en form for takknemmelighet.
2. En annen tolkning av «å underkaste seg» kan være å adlyde Hadrat Adam[as]. Englene ble påbudt å adlyde Adam[as], ivareta hans interesser, oppfylle hans intensjoner, og oppfylle intensjonene og ønskene til hans avkom. Ut ifra denne fortolkningen kan vi komme frem til at da Gud skjenket Hadrat Adam[as] tittelen som kalif, erklærte Han samtidig overfor englene at Hadrat Adam[as] ville etablere Hans Vilje på jorden. Ergo ble englene oppfordret til å støtte ham i hans oppdrag, og fungere som trofaste støttespillere helt fra start. Så da Gud ba englene om å underkaste seg Hadrat Adam[as], henga de seg selv til å hjelpe ham med å oppfylle hans oppdrag. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 326-327)

Da Gud ga englene påbud om å adlyde Hadrat Adam[as], nektet *Iblîs*. Når *Iblîs* blir nevnt i dette verset, tror de fleste at han også var en av englene. Den andre kalifen[ra] har klargjort dette ved å forklare at *Iblîs* ikke var en av englene. *Iblîs* betyr en skapning som er blottet for godhet, onde krefter har funnet bolig i hans sinn og hjerte som et resultat av svakhet, og apatiske

veloverveide, og at englenes frykt ikke kunne måle seg med Guds avgjørelse. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 482, 1. avsnitt)

I verset وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ – *«når vi dog lovpriser Deg og opphøyer Din Hellighet»* – minner englene Gud om at de ihukommer og lovpriser Hans Hellighet meget. De spør om det er noen mangler ved deres ihukommelse eller lovprisning, ettersom Han har valgt å skape et nytt vesen som er Ham underdanig. Dette var heller ingen anklagelse fra englenes side, men heller en gudfryktig uttalelse som lovpriser Gud i henhold til Hans Storhet. Dette verset kan dessuten være et spørsmål som englene stilte for å øke sin kunnskap, fordi de i virkeligheten støtter samtlige av Guds forslag. De er klar over at Gud er fri for enhver mangel og feil, og derfor adlyder de Hans påbud, ettersom de vet at Han er Ufeilbarlig. Men de ønsket likevel å forstå deres oppgaver fullstendig slik at de kunne oppfylle sine plikter. Gud besvarte deres spørsmål ved å presisere at det ikke er noen tvil om at mennesket etter åpenbarelsen av sharia ville kunne falle til et enda lavere åndelig stadiet enn der de befinner seg nå. Dette fordi åpenbarelsen av sharia ville åpne for innførelsen av synd og folk ville kunne bli betegnet som syndere og bli berettiget Guds straff. Videre understrekte Gud at åpenbarelsen av sharia også ville føre med seg mange fordeler, som englene foreløpig ikke kunne oppfatte, ettersom de ville åpenbare seg når tiden ble moden og da ville de vitne sannheten. Guds storslåtte svar var tilstrekkelig for englene fordi de var klar over Guds Storhet. De slo seg dermed til ro da Gud erklærte at de ikke var i stand til å oppfatte Hans plan. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 284, 2. avsnitt)

3. <u>Betydningen av at Hadrat Adam[as] ble belært Guds hellige navn</u>

"*Og han lærte Adam alle navnene, og etterpå viste Han englene det, og sa: Si Meg deres navn om dere er sanndru.*" (1:32)

De overnevnte "navnene" er Guds hellige navn, og ingen kan oppnå full forståelse av disse uten at Gud lærer dem bort. Det var nødvendig og hensiktsmessig at Hadrat Adam[as] fikk en innføring og innsikt i Guds hellige navn, ettersom han markerte etableringen av religionen, slik at hans etterkommere kunne gjenkjenne Gud ved Hans navn og på den måten etablere et forhold til Ham. Hvis ikke Adam[as] ble lært disse navnene ville det være en fare for at hans etterkommere vill benekte enhver form for gudstro og dermed bli ateister. For at sivilisasjonen skulle fungere optimalt var det også nødvendig med et felles språk, derfor ga Han Hadrat Adam[as] kunnskap om det arabiske språket. Hadrat Adam[as] ble belært Guds hellige

Adams[as] utnevnelse som kalif var innledningen til et nytt system, og dette systemet ble stiftet til tross for ufred. Gud avviste ikke englenes argumenter, men forklarte dem at de ikke er i stand til å oppfatte det Han kan gjennomskue, og på den måten pekte Han mot menneskenes skjulte nødvendigheter som forekommer til tross for engelens oppriktige anklage. Dermed ble Guds ord oppfylt samtidig som englene fikk svar på sine spørsmål. (Tafseer-e-Kabeer, vol. 1, side 281, siste avsnitt) Var engelens anklage om ufredelige og voldelige mennesker rettet mot menneskeheten eller Adam[as]? I følge den andre kalifen[ra] er anklagen rettet mot samtlige; både menneskeheten og Hadrat Adam[as] – altså Adam[as] og hans etterkommere. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 282, 1. avsnitt)

Den bakenforliggende hensikten med å utnevne profeten Adam[as] som kalif var at menneskeheten nå var intellektuelt moden nok til å bli presentert for Guds systemverk, og bli underlagt Guds lovgivning. Gud formante folk gjennom profeten Adam[as] om å kreve rettferdighet fra rettsvesenet ved drapstilfeller istedenfor å hevne seg på eget initiativ. Engelens resonnement var korrekt når de poengterte at tidligere mennesker ikke var underlagt noe system, og dermed ble de heller ikke holdt ansvarlige for sine handlinger. Etter ankomsten til Hadrat Adam[as] ville de imidlertid bli holdt ansvarlige. Og hvis de ikke rettet seg i henhold til det nye lovverket ville de bli erklært for å være mordere og opprørere. De tidligere menneskene med deres barbariske tendenser ble nå opphøyet til englenes nivå, mens opprørerne og morderen mottok sine straffer. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 282, 2. avsnitt) Gud valgte å åpenbare sine ord gjennom profeten Adam[as] slik at mennesket skulle bli i stand til å gjennomskue de mange forandringene som fant sted i hans indre og på den måten nå sin endelige destinasjon. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 382, 1. avsnitt)

Både Guds og englenes uttalelser ved profeten Adams[as] utnevnelse var riktige, de bare så på det fra forskjellige vinkler. Guds oppmerksomhet var rettet mot de gode og rettledede som ville florere blant Adams[as] etterkommere samt de mange fordelene ved det nye systemet som de ville etablere. Englene på den andre siden akket seg over de uforstandige som ville tilegne seg Guds vrede på grunn av sin motstand. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 282, 2. avsnitt) Stiftelsen av et kalifat ville vise seg på den ene siden å føre til at en gruppe blant menneskene ble berettiget Guds straff og bli kalt mordere og opprørere, mens en annen gruppe ville utgjøre Guds elskede som ville overskride selv engelens fromhet. Disse fullkomme menneskene er et bevis på at Guds avgjørelser var sannelig riktige og

Paradiset. De prøver å underbygge dette ved å hevde at han først ble født på en naturlig måte i denne verden men at han deretter ble ført til Paradiset. Det overnevnte verset tillater ikke denne slags forklaringer, ettersom Gud sier at Han skal utnevne en kalif i denne verden, noe som betyr at det etter Guds syn var et behov for en kalif på jorden. Hvorfor ville Hadrat Adam[as] da bli ført til Paradiset når han hadde fått utdelt et oppdrag her på jorden? (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 278, 2. avsnitt) Hadrat Adam ville ikke kunne fullbyrde sitt oppdrag i Paradiset, og hvem skulle så ta over hans embete på jorden? Altså må det bety at profeten Adams[as] paradis var et sted på denne jorden, ettersom han ble utnevnt som kalif for denne verdens innbyggere, og han måtte derfor også forbli på jorden frem til døden. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, sura Al-Baqarah, side 872, 2. avsnitt)

Den andre kalifen[ra] skriver: folk kritiserer verset: وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ *«og din Herre talte til englene [...]»* (2:31) med følgende argumenter:

1. Gud rådførte seg med englene. Betyr det at Gud er avhengig av engelens råd?
2. Englene kritiserte Guds avgjørelse ved å stille spørsmål ved skapelsen av mennesker som ville stifte ufred. Kan englene protestere mot Guds avgjørelser?
3. Englenes spådom om at Adams[as] etterkommere ville stifte ufred på jorden, gikk i oppfyllelse – ergo var det riktig av englene å kritisere Guds avgjørelse. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 278, siste avsnitt)

Den andre kalifen[ra] besvarer de overnevnte argumentene ved å forklare betydningen av det arabiske ordet قال - «sa». Forklaringen går ut på at det her ikke er tale om at Gud samlet et råd av mennesker og engler for å diskutere Hadrat Adams[as] utnevnelse som kalif. Da Gud henvendte seg til englene var det med hensikt om å informere dem om Sin allerede tatte avgørelse. Gud har likvel gitt englene tillatelse til å stille sprøsmål. Formålet med å informere englene var ene og alene at de skulle samle sine ledsagere for å støtte Hadrat Adam[as] i henhold til de ulike oppgavene de ble utdelt. Det er videre generelt slik at det er viktig med mest mulig kunnskap om sine oppgaver for å kunne utføre dem best mulig. Da englene stilte spørmål var dette derfor kun med hensikt å øke sin forståelse og kunnskap, ikke for å kritisere Guds endelige avgjørelse. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 280, siste avsnitt)

Det er heller ingen hold i den tredje og siste kritikken om oppfyllelse av englenes spådom og feil ved Guds avgjørelser. Gud hevdet aldri at det ikke ville oppstå ufred blant menneskene ettersom hensikten med Hadrat Adams[as] ankomst var å veilede nettopp disse. Profeten

som en veiledning for menneskeheten. Og når Gud presenterer profeten Adams[as] eksempel er det for å klargjøre at guddommelig åpenbaring ikke er noe nytt fenomen, men at denne kontakten har vedvart helt siden menneskets tilblivelse. Dermed var profeten Adam[as] det første mennesket hvis fødsel markerte begynnelsen på Guds åpenbaringer. Det kan virke urimelig å tvile på Guds åpenbaringer; hvis Gud åpenbarte sitt ord i begynnelsen av skapelsen, hvorfor kan Han ikke åpenbare sitt ord i dag? De regelmessige åpenbaringene i begynnelsen var ment som støttende bevis på de åpenbaringene som ville bli mottatt av den hellige Profeten[saw]. Alle verdens religioner – inkludert hinduer, zoroastere og jøder – bærer vitnesbyrd om de tidligere åpenbaringene. Hensikten med å nevne Hadrat Adams[as] åpenbaringer etter den hellige Profetens[saw] åpenbaringer var å klargjøre at Gud har veiledet menneskene fra tidenes morgen og at Han ikke har latt dem fare vilt. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, side 276, første avsnitt)

Den andre kalifen[ra] forklarer dialogen mellom englene og Gud på følgende vis: Når folk blir bedt om å ihukomme denne dialogen er det med en hensikt om å klargjøre at folk ikke er i stand til å innse nødvendigheten av en kommende profet, ettersom det er kun Gud som kjenner til det skjulte. Nødvendigheten blir med et tydeligere for dem etter at profeten har fullbyrdet sin oppgave på jorden. Da blir de tvunget til å innrømme at verden ville ha gått glipp av en storslått revolusjon hvis ankomsten av profeten *ikke* hadde funnet sted. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 276, 2. avsnitt) Videre viser dialogen mellom Gud og englene at det ikke kun er de mindre troende som ikke klarer å erkjenne nødvendigheten av en profet, men selv de troende og englelignende mennesker klarer ikke dette. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 277, 2. avsnitt). Det at englene ble informert om at Hadrat Adam[as] skulle utnevnes som kalif og at de skulle underkaste seg ham, er et tegn på at englene støtter profeter når de blir sendt til jorden for å forkynne, ettersom de har som oppgave å opprettholde Guds system. Dette resulterer i at profeter alltid seirer i deres oppgave til tross for motstand fra verden. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 277, siste avsnitt). Gud informerte englene om Adams[as] ankomst og de støttet ham i hans oppdrag, noe som resulterte i at deres fiender mislykkes i deres motstand selv om de i en kort tid opplevde en midlertidig seier. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, side 278, 1. avsnitt)

Hadrat Adam[as] ble født i denne verden, ergo er man på feilspor hvis man tror at han befant seg i Paradiset som er forbeholdt det hinsidige. Det er bemerkelsesverdig at selv om Gud sier at Han skal utnevne en kalif blant folk i denne verden, tror de fleste at han likevel befant seg i

Profeten Adam[as]

1. Hadrat Adam[as] var den første til å bli utnevnt som profet

"*Og (ihukom) da din Herre sa til englene: Jeg vil innsette en stattholder på jorden, de sa: Vil Du anbringe et vesen som vil stifte ufred og utgyte blod der? – Når vi dog lovpriser Deg og opphøyer Din Hellighet. Han svarte: Sannelig, Jeg vet det dere ikke vet.*" (1:31)

Som en tolkning av dette verset skriver Hadrat Khalifatul Masih II[ra] at ordet *Khalifa* har her blitt brukt om Hadrat Adam[as] og ikke om hele menneskeheten. De fleste har misforstått hva dette ordet innebærer i denne sammenhengen. Dette beviser at profeten Adam[as] var den første til å bli utnevnt som en profet som skulle videreføre Guds påbud og forbud for den kommende tid. (Tafseer-e-Kabeer, 2. utgave, vol. 1, sura Al-Baqarah, side 275)

2. Spørsmålene englene stilte da Hadrat Adam[as] ble utnevn som kalif

(Tafseer-e-Sagheer, side 10, sura Al-Baqarah, vers 31, kommentar nr. 4)

Da Allah bestemte seg for å utnevne Hadrat Adam[as] som den første kalifen – stattholder – på jorden, svarte englene: "*Vil Du anbringe et vesen som vil stifte ufred og utgyte blod der? – Når vi dog lovpriser Deg og opphøyer Din Hellighet. Han svarte: Sannelig, Jeg vet det dere ikke vet.*" (2:31)

Den andre kalifen[ra] understreker at englene ikke prøvde å fremheve sin storhet over profeten Adam[as] eller kritisere Gud da de uttrykte sin forundring over at Han ville sette liv i en skapning som ville stifte ufred og utgyte blod på jorden. Det de prøvde å få frem var at nødvendigheten med en kalif ville oppstå *hvis* Gud hadde som plan å skape mennesker som ville skape konflikter dem imellom. Englenes forundring over at Gud ville skape mennesker som ville stifte ufred på jorden var dermed ikke ment som kritikk eller en undervurdering av Hadrat Adam[as], men heller et bevis på at det ville bli født mennesker som ville besitte disse brutale egenskapene. Som en tolkning av dette verset skriver den andre kalifen at det var ment som en forklaring på de vantros skepsis til den hellig Koranens autentisitet og at den er ment

Index

Profeten Adam[as] **3**

Profeten Abraham[as] **15**

Profeten Lot[as] **23**

Profeten Ismael[as] **32**

Profeten Isak[as] **39**

Profeten Jakob[as] **42**

Profeten Sju'aib[as] **48**

Profeten Moses[as] **54**

Profeten Aron[as] **71**

Profeten David[as] **77**

Profeten Salomo[as] **85**

Profeten Jonas[as] **96**

Profeten Sakarja[as] **99**

Profeten Jesus[as] **103**

Profeten Luqman[as] **110**

I Allah's navn den mest nåderike den evig barmhjertige.

Nasjonal Amir: Zartasht Munir Ahmad Khan

Leder Ladjna Imaillah: Bushra Khalid Sahiba

Sekretær Talim: Saeeda Farhat Rana Sahiba

Redaktør urdu del: Saeeda Farhat Rana Sahiba

Redaktør norsk del: Asma Javed

Rettet av: Asma Javed

Skrevet av: Nida Akram, Andleeb Anwar, Annum Saher Islam

Publisert av: Shoba Talim

Baitun Nasr Moske,
Søren Bulls Vei 1
1051 Oslo,

Kunnskap Pensum 2016

Ladjna Imaillah
Norway